وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ

الحمد للہ کہ دریں ایام بہیہ واعوام سنیہ نسخہ شافیہ وصحیفہ نافعہ در حلاوت و متانت

موسوم بہ

خلافت الٰہیہ

حصہ اوّل

مشتمل بر اصول دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ و نصوصات باہرۂ قرآنیہ

از تصنیف لطیف و تالیف منیف سلالۃ المصطفین جناب مولانا

السیّد محمد سبطین صانہ اللہ عن کلّ شین

حسب الارشاد

منیجر رسالہ البرہان بازار حکیماں لاہور

در مطبع گلزار احمدی سٹیم پریس لاہور باہتمام شیخ احمد علی چشتی منیجر مطبع طبع پذیر شد

مقبول حسین

فہرست مضامین خلافت الٰہیہ حصہ اول

خلافتِ الٰہیہ

حصۂ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ ربّ العٰلمین الّذی خصّ بخلافتہ المومنین وجعل العاقبۃ للمتقین والجنّۃ للمطیعین والنار للکٰفرین والمنافقین الخاسئین الذین جعلوا القراٰن عضین وافسدوا فی الارض واضاعوا الدّین وتفقّھوا بغیر علم ولا یقین والصّلٰوۃ والسّلام علیٰ خاتم النبیین افضل المرسلین محمّد ن المحمود عند اھل السمٰوات والارضین الصادق الامین الذی قیل فیہ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین وعلیٰ اٰلہ الطاھرین المعصومین واوصیاءِ الھداۃ المھدیین الذین بذلوا جھدھم ومُھجھم فی اعلاءِ کلمۃ اللہ واحیاء سنن المرسلین فھم خلفاء ربّ العٰلمین وحجج علیٰ اھل السمٰوات والارضین وھم شفعاء المذنبین یوم الدین وصحبہ المنتجبین المقتدین وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین والشھداء والصدیقین ابد الابدین ودھر الداھرین ✦

امّا بعد فقد قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ فی کتابہ المبین، وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور) ✦

تمہید۔ احباب کو معلوم ہے۔ کہ میں نے البرہان جلد ۳ نمبر ۱ و ۲ جنوری ۱۹۱۳ء مباحث حقیقت نبوت کے ضمن میں ایک مختصر مضمون چھ سات صفحہ کا "النبی خلیفۃ اللہ" کے عنوان سے لکھا تھا۔ جس میں

لغت و کلام حمید مجید سے خلافت نبی کے معنی بتلاتے ہیں۔ کہ کس لحاظ اور کن معنی کی رو سے نبی خلیفہ کہلاتا ہے۔ اور کس کا خلیفہ ہوتا ہے۔ یہ مضمون اکثر احباب نے بہت پسند فرمایا۔ اور مجھ سے خواہش کی۔ کہ اس کو مکمل و مفصل ایک رسالے کی صورت میں لکھا جائے۔ مگر بحکم "کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا" دوسرے اشغال اس کی تکمیل میں برابر التوا و تاخیر کا باعث ہوتے رہے۔ اس مرتبہ احباب کا اصرار یہاں تک بڑھا۔ کہ مجھے بعض مضامین ضروریہ ترک کر کے اس کی طرف مائل کر دیا۔ کیونکہ ان کا فرمان مدلل بدلائل تھا۔ جو اس وقت اس کی ضرورت پر دلالت کرتے تھے۔ اسی اثنا میں سکرٹری ینگ مین جعفریہ ایسوسی ایشن لاہور پنجاب نے مجھ سے خواہش کی۔ کہ ایک رسالہ اس کے لئے لکھوں۔ جو ایسوسی ایشن کی طرف سے شائع کیا جائے۔ اس خواہش کی تجدید بھی ان ایام تعطیل گرما میں ایسے ذرائع سے ہوئی۔ کہ ان سے کسی طرح اعراض و چشم پوشی ممکن نہ تھی۔ لہذا بفحوائے "بیک کرشمہ دو کار" میں نے یہ ارادہ کر لیا۔ کہ یہی رسالہ مکمل کر کے ایسوسی ایشن کو دیا جائے۔ تاکہ ان کا مطلب بر آئے۔ اور میرے دیگر احباب جو اس کے خواہشمند تھے۔ ان کا مقصد بھی پورا ہو جائے۔ ایسوسی ایشن بقدر ضرورت خود نسخے طبع کرائے۔ اور اپنے دفتر اور احباب کی رفع ضرورت کے موافق میں کچھ نسخے چھپوا لوں +

بنا بریں اسی پر عزم بالجزم کر کے اور بحکم مطلع واجب الاتباع "اِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" خدا پر بھروسہ کر کے ۹ ماہ مبارک رمضان ۱۳۳۳ھ ہجری بروز جمعۃ المبارک بوقت عصر کتاب کو شروع کر دیا۔ خداوند عالم نے بحق محمدؐ و آل محمدؐ مجھے تکمیل کی توفیق رفیق عطا فرمائی۔ کہ ۲۶ شوال المکرم ۱۳۳۳ھ ہجری رسالہ اختتام کو پہنچا۔ یکم محرم الحرام ۱۳۳۴ھ ہجری کو چھپ کر احباب کے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔ مومنین نے نہایت قدر و عزت کی نظر سے دیکھا۔ اور ایسا مقبول ہوا کہ اب تقریباً نایاب ہے۔ اور شائقین کے خطوط برابر چلے آرہے ہیں۔ دفتر میں ایک نسخہ باقی نہیں۔ انجمن کے پاس بھی صرف چند نسخے ایک ہزار میں سے باقی ہیں۔ لہذا یکم ذیقعدۃ الحرام ۱۳۳۴ھ ہجری کو اس پر نظر ثانی شروع کی۔ تاکہ بعض مجمل مضامین کی تفصیل اور بعض دیگر مضامین کی زیادتی کے بعد اس کو دوبارہ شائع کر دیا جائے۔ اگر لطف و عنایت خداوندی شامل حال ہے۔ تو ناظرین اس سے اور زیادہ مستفید ہونگے۔ "وھو ولی التوفیق ونعم المولی ونعم الرفیق" +

مقدمہ

چند ضروری امور کا بیان

(۱) اس رسالے کی غرض و غایت خلافتِ الٰہیہ کے حقیقی معانی کا بتلانا اور سمجھانا اور تعلیم اسلام سے فی الجملہ اہلِ اسلام کو آگاہ کرنا ہے۔ جس کی ناواقفیت سے بیشمار بندگانِ خدا قعرِ ضلالت میں گرے ہوئے ہیں۔ اور یہی ایک ایسی شے ہے۔ جو ابتداءِ خلقت نوعِ بشری سے مابہ النزاع و نفاق و شقاق رہی ہے جیسا کہ آخر کتاب میں معلوم ہوگا +

(۲) اگرچہ یہ مسلم و محقق ہے کہ فعل پیغمبر مثل قول خدا واجب الاتباع و الاذعان ہے بحکم مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (جو کچھ پیغمبر تمہارے پاس لائے اور تمہیں حکم دے۔ اس کو مانو۔ اور جس چیز سے نہی کرے۔ اس سے باز رہو)۔ اس لئے فرمانِ حضرت نبوی عین وحی الٰہی ہے بنصِ آیہ شریفہ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى "پیغمبر اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں فرماتا۔ جو بھی وہ کہتا ہے وحی الٰہی ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ پیغمبر ہی کے زمانے سے آنحضرتؐ پر افترا باندھنا اور جھوٹ بولنا شروع ہوگیا تھا۔ اور منافقین نے جھوٹی حدیثیں بنا کر بغرض تخریب اسلام پیغمبر کی طرف منسوب کر دی تھیں۔ اور اس وجہ سے آپ کو برسرِ منبر یہ فرمانے کی ضرورت محسوس ہوئی "کثرت علی الکذابون الا و من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار" مجھ پر جھوٹ بولنے والے بہت ہو گئے ہیں۔ آگاہ ہو کہ جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ بولا۔ اس کی قیام گاہ جہنم ہے۔ اور بعد آنحضرتؐ تو اس قدر جھوٹی حدیثیں بنائی گئیں۔ کہ سچی اور جھوٹی میں تمیز کرنا قریباً ایک امر محال ہو گیا ہے۔ چنانچہ محمد بن اسمٰعیل بخاری فرماتے ہیں۔ کہ میں نے چھ لاکھ حدیثیں لکھیں جن میں سے چھ ہزار انتخاب کی ہیں۔ اور وہ بھی نہ از روئے علم درایت و حدیث۔ بلکہ دعائیں مانگ کر اور استخارہ دیکھ کر۔ اور پھر بھی بعض احادیث ایسی موجود ہیں جن کے انکار یا تاویل پر اہلِ اسلام مجبور ہیں۔ اور اسلام کے بیشمار فرقوں کا اختلاف جو ایک دوسرے کی تکفیر کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ اس کا ایک بہت بڑا سبب یہی موضوع و مجہول احادیث ہیں۔ ایسی صورت میں محض احادیث سے کسی مطلب کا اثبات اور اس پر استدلال لانا محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ نہیں بلکہ محال اور ناممکن ہی ہے +

علاوہ ازیں اگر کسی مطلب کے اثبات میں کتب اہلِ سنت و جماعت سے احادیث پیش کی جائیں۔ تو

اہل تشیع ان کو نہیں مانتے۔ اور کتب اہل تشیع سے لی جائیں۔ تو اہل سنّت ان کے تسلیم کرنے میں کلام ہے۔ اس لئے ضروری ولازمی ہے۔ کہ ہم اثبات مدعا کے لئے براہین قطعیہ مستقلات عقلیہ وفطریات مسلّمہ کے ساتھ صرف کتاب اللہ سے استدلال واحتجاج کریں۔ کیونکہ یہی ایسی کتاب ہے۔ جس کے تسلیم کرنے میں کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ اور خدا اور اُس کی کتاب پر دل سے ایمان رکھتا ہو۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ "(انہوں نے اپنے علماء اور اپنے عابدوں زاہدوں کو خدا کے سوا مربّی ومعبود بنایا ہُوا ہے) کے زمرہ سے خارج ہو۔ ورنہ اگر ہم ہزار آیتیں بھی پیش کریں۔ تو اس کے نزدیک طاہی کی ماری حلال رہیگی۔ لہٰذا ہم ہر ایک مطلب کے اثبات میں صرف آیات قرآنی ہی پیش کرینگے۔ اور کسی کا قول یا حدیث محض تائیداً لائینگے۔ وہ بھی حتے الامکان وہی جو متفق علیہ ہو +

(۳) قرآن شریف کو چونکہ مفسّرین نے اپنی جودت طبع کا آماجگاہ بنایا ہُوا ہے۔ اور ہمہ شما کے اقوال تفاسیر میں بھر کر تفاسیر کو ایسا مختلف فیہ بنا دیا ہے۔ کہ کسی مطلب کا تفاسیر سے نکالنا ایسا ہی دشوار ہے۔ جیسا کہ احادیث مذکورہ وموصوفہ سے۔ ایک ایک آیت کی تفسیر میں بیس بیس قول مذکور ہیں۔ اور سب ایک دوسرے کے مخالف ومتباٗن اور اصل مدعا نداردہ۔ اور من حیث المجموع لوگوں کی بنائی ہوئی (نہ پیغمبرؐ وامامؑ کی فرمائشات اور ان کے اقوال واحادیث سے جمع کی ہوئی تفاسیر)۔ تفاسیر کی نسبت ایک عالم کا یہ کہنا بالکل درست ہے۔ کہ "کُلُّ شَیْءٍ فِی التَّفَاسِیْرِ اِلَّا التَّفْسِیْرُ" تفاسیر میں ہر ایک شے موجود ہے سوائے تفسیر کے یعنی بحث الفاظ۔ اعراب۔ اشتقاق۔ وجہ اتصال۔ شان نزول وحل لغات۔ وجوہ استعارہ تشبیہ۔ حقیقت ومجاز وغیرہ سب کچھ ہے۔ اور جملہ علوم عربیہ کے مسائل مل سکتے ہیں مگر اصل مقصود اور حل آیت ندارد۔ بنا بریں استدلال میں ایسے مختلف فیہ اقوال مفسّرین کبھی سند نہیں ہو سکتے۔ بلکہ سند صرف نصوص آیات وصورت تنزیلی ہوگی۔ اور اسی کو مقابل ومخاصم تسلیم کر سکتا ہے۔ جو ظاہر الفاظ قرآن سے بلا تاویل وتفسیر ثابت ہو۔ اور مقام احتجاج واستدلال میں خصوصاً مخالف کے نزدیک اوّل صورت تنزیلی ہی سند ہے نہ صورت تاویلی وتمثیلی۔ یہ اس کا دوسرا درجہ ہے۔ اور میدان تاویل نہایت وسیع ہے جو کچھ جس کے دل میں آتا ہے تاویل کر دیتا ہے۔ اور تفاسیر مفسّرین میں اختلاف کا باعث یہی وسعت باب تاویل ہے۔ ورنہ آنحالیکہ تاویل کے حقیقی معنی سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اس لئے ہم نصوص آیات وصورتِ تنزیلی یعنی جو ظاہر الفاظ سے من حیث اللغت والمحاورہ مفہوم ہو۔ اسی کو مقدم رکھینگے۔ اور اگر کسی کا قول لائینگے۔ تو وہ محض تائیدی صورت میں نہ استدلالی طور پر +

(۴) متدبر و متامل فی القرآن پر یہ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ اِنَّ القُرآنَ یُفَسِّرُ بَعضُہٗ بَعضاً بعض آیات قرآن خود ہی بعض آیات کی مفسر ہوتی ہیں۔ اس واسطے تفسیر القرآن بالقرآن کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اگر ایک آیت ایک مقام پر سمجھ میں نہ آئیگی تو دوسری اس کی تفسیر و تشریح کر دیگی۔ اور مطلب حل ہو جائیگا۔ اور یہی بہترین تفسیر ہے۔ اور ایسی صورت میں ان استدلالات کا انکار ظواہر قرآن کا انکار ہوگا۔ او ظواہر قرآن کا منکر صاف کافر ہے بلا شائبۂ منافقیت +

(۵) یہ بھی معلوم ہے اور قرآن اس پر ناطق۔ کہ بعض آیات قرآن محکم ہیں اور بعض متشابہ۔ اٰیٰتٌ مُّحکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ الخ بعض آیات محکم ہیں اور اصل مرجع کتاب وہی ہیں۔ اور بعض دوسری متشابہ ہیں پس اوّلاً سند محکمات ہیں۔ کیونکہ متشابہ محتاج تاویل ہیں۔ اور تاویل متشابہات کو سوائے خدا یا راسخون فی العلم (پیغمبر و اوصیاء پیغمبر) اور کوئی نہیں جانتا۔ یعنی یا خدا جانتا ہے۔ یا وہ جس کو خود خدا بتلائے۔ چنانچہ اَلرَّاسِخُ مَن لَّا یَزُولُ عَن مَّکَانِہٖ۔ راسخ وہ ہے جو اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ اور جس کو تغیر و زوال نہ ہو۔ اور راسخ فی العلم وہ ہے۔ جس کی خلقت و سرشت میں علم داخل ہو۔ اور شکم مادر سے عالم ہی پیدا ہو۔ اور یہ صفت عام لوگوں میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ ان کے علوم روز بدلتے اور متغیر ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ یہ انبیاء اور ان کے اوصیاء ہیں۔ جن کو خدا علم ہی کے ساتھ خلق کرتا ہے۔ جیسا کہ ثابت ہوا پس تاویل میں صرف انہی کا قول سند ہو سکتا ہے۔ اور مفسرین کا موجودہ اختلاف و نزاع اور ایک دوسرے پر قدح اور ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق و تسفیہ و تحمیق ان کے تاویل قرآن سے ناواقف و نابلد ہونے کی بین دلیلیں ہیں کیونکہ اگر وہ عالم تاویل قرآن ہوتے۔ تو یہ اختلاف ان میں ہرگز نہ پایا جاتا۔ کیونکہ قرآن کی شان اختلاف سے پاک ہے۔ پس اگر آیت مستدلہ محکم ہے۔ تو اس کا مطلب وہ ہی ہے۔ جو ظاہر الفاظ سے من حیث اللغات والمحاورات مفہوم ہوتا ہے۔ ورنہ اگر متشابہ ہے۔ تو یا تو اس کو محکمات کی طرف رد کیا جائے۔ کیونکہ اصل مرجع کتاب محکمات ہی ہیں۔ یا اگر تاویل کی ضرورت پڑے۔ تو اوّل حقیقی خدا اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اوصیاء رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام کا قول تاویل میں پیش کرنا ضروری اور اصل دیانت ہے۔ ورنہ تو متشابہات سے استدلال لانے والا ان میں داخل ہے۔ جن کی شان میں خدا فرماتا ہے۔ "وَالَّذِینَ فِی قُلُوبِھِم زَیغٌ یَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَہَ مِنہُ ابتِغَاءَ الفِتنَۃِ وَابتِغَاءَ تَاوِیلِہٖ" یعنی جن کے دلوں میں مرض نفاق ہے۔ وہ متشابہات ہی کا اتباع کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ایک فتنہ پیدا کریں۔ اور اپنے دل سے جو چاہیں۔ تاویلیں گھڑیں۔ اور یہی انکی منافقیت

کی بیّن دلیل ہے۔ وَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ "صاحب عقل وہی ہیں۔ جو ہر ایک بات کو سنتے اور اس میں سے سب سے بہتر کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہی ہدایت پاتے ہیں۔ جو دوسروں کا کلام نہ سنیں۔ اہل قول نہ دیکھیں۔ کتاب نہ پڑھیں۔ وہ ہدایت نہیں پا سکتے۔ خدا انہیں ہدایت دے +

بابِ اوّل

معنیِ خلافت اور اس کی تحقیق

اَلنَّبِيُّ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ

نبی خدا کا جانشین ہے

قال عز من قائلہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ ع ۴)۔ "یاد کرو اس وقت کو جبکہ خداوند عالم نے ملائکہ سے کہا۔ کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ تو انہوں نے کہا۔ کیا ایسے شخص کو خلیفہ بنائیگا جو زمین میں فساد برپا کرے۔ اور خون بہائے۔ حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں۔ تقدیس بجا لاتے ہیں۔ (خداوند عالم نے) فرمایا تحقیق کہ میں وہ باتیں جانتا ہوں۔ جن کو تم نہیں جانتے۔" الخ۔ وقال عز وجل يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ "اے داؤدؑ ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ پس لوگوں میں حق کے ساتھ حکم کر" (ص ع ۳)۔ ان آیات میں خداوند عالم نے

حضرت آدمؑ اور حضرت داودؑ کو خلیفہ کے لحاظ سے منسوب کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اس خلیفہ کے کیا معنی ہیں؟ خلیفہ مشتق ہے خلف سے جس کے معنی پیچھے کے ہیں۔ اور فرزند کو بھی خُلف و خلف کہتے ہیں۔ کہ وہ باپ کے پیچھے ہوتا ہے۔ اور رہتا ہے۔ اور خلف لغت میں اُس کو بھی کہتے ہیں جو کسی گئی ہوئی شے یا شخص کے پیچھے اس کی جگہ آئے۔ اور لغت میں خلیفہ کے یہ معنی لکھے ہیں "خلیفہ آنکہ بجائے کسے باشد و رکائے وسلطان بزرگ" یعنی خلیفہ وہ ہے۔ جو کسی خاص کام میں کسی شخص کا قائم مقام اور اس کی جگہ ہو۔ اور بڑے بادشاہ کو بھی خلیفہ کہتے ہیں۔ کلام مجید میں بھی یہ الفاظ قریب قریب انہی معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔ قال عزوجل۔ "وَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ" یعنی ان کے بعد اور لوگ مثل ان کی اولاد و احفاد کے ان کی جگہ برآئے اور آباد ہوئے۔ "وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ" اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ نوحؑ کے بعد تمہیں پیدا کیا۔ اور زمین پر اس کی امت کی جگہ بسایا (خطاب بہ بنی اسرائیل) "وَجَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ" ای سکّان الارض یخلف بعضہم بعضاً" اور ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا یعنی زمین میں یکے بعد دیگرے رہنے والا۔ "وَجَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا" اور ہم نے تمہیں سکان زمین قرار دیا۔ اور مکذبین کو غرق کردیا۔ "وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ الخ" اور وہی پروردگار عالمین ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا۔ اور سکونت بخشی۔ اور تمہارے اسلاف کا جانشین بنایا۔ اور تم میں سے بعض کو بعض پر بدرجہا فضیلت دی (یہاں تک کہ بادشاہ ہفت اقلیم بنایا) "وَجَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً" رات اور دن کو ایک دوسرے کے بعد آنے والا قرار دیا "وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ" اور میرا پروردگار تمہاری جگہ تمہارے سوا دوسری قوم کو لے آئیگا اور آباد کریگا۔ اور ایک خلیفہ اور پیچھے آنے والے یہ ہیں "فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَوٰةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا" (مریم ع ۴)۔ اور ان کے بعد (انبیاء و صالحین) کچھ اور ناخلف ان کے جانشین ہوئے۔ جنہوں نے نمازوں کو کھویا۔ اور خواہشات نفسانی کے پیچھے پڑ گئے عنقریب یہ لوگ اپنی گمراہی کا مزہ چکھینگے (اس خلافت کو خاص طور سے مدنظر رکھا جائے)۔ اور محاورات میں بولا جاتا ہے۔ خَلَفَ فلانٌ فلاناً۔ فلاں شخص نے فلاں کو اپنا جانشین و قائم مقام بنایا۔ اور اسی معنی میں قول حضرت موسےؑ ہے۔ کہ جب اپنے بھائی ہارونؑ سے فرمایا "اُخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ" اے ہارونؑ تم میری قوم میں میرے جانشین و قائم مقام رہو۔ اور اس کی اصلاح کرو +

پس لغت محاورات عرب اور آیات قرآن سے حسب ذیل امور بکمال صراحت ثابت ہیں:-

اوّل۔ لفظ خلیفہ بادشاہ کے لئے مخصوص نہیں ہے +

دوم۔ باپ کے بعد اس کا بیٹا اس کا جانشین و قائم مقام کہلاتا ہے +

سوم۔ لفظ خلیفہ کے اطلاق کے لئے یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ جو شخص کسی کے مرنے کے بعد اس کا جانشین ہو۔ وہی اس کا خلیفہ کہلائے۔ بلکہ حین حیات میں بھی جو شخص کسی کا قائم مقام و نائب مناب و جانشین و کارکن ہو۔ وہ اس کا خلیفہ کہلاتا ہے +

چہارم۔ کلام حمید مجید میں ہر اُس امت اور اُس قوم کو خلیفہ و جانشین اس امت کا کہا گیا ہے۔ جو اس قوم سابق کے فناء یا ہلاک ہونے کے بعد پیدا ہوئی۔ اور اس کی جگہ بسی اور آباد ہوئی۔ خواہ وہ مسلم ہوں یا کافر۔ موحد ہوں یا ملحد۔ مومن ہوں یا منافق۔ حاکم ہوں یا محکوم۔ تابع ہوں یا متبوع۔ مطیع ہوں یا مطاع۔ آمر ہوں یا مامور۔ غنی ہوں یا فقیر۔ عالم ہوں یا جاہل۔ عاقل ہوں یا سفیہ وغیرہم غرض ہر ایک شخص اپنے ماسبق کا خلیفہ ہے۔ اور ہر ایک خلف اپنے سلف کا خلف۔ خواہ خلف ہو یا ناخلف +

پنجم۔ خلف اور خلیفہ دو قسم کے گزرے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے سلف و ماسبق کے متبع اور اُن کے قدم بقدم چلنے والے تھے۔ دوسرے وہ جو اپنے سلف کے متبع اور ان کے پیرو نہ تھے۔ چنانچہ بدکردار فرزند کو خَلْف کہتے ہیں۔ اور فرزند صالح نکوکار کو خَلَف۔ چنانچہ بعد انبیاءؑ بنی اسرائیل جو لوگ بدکردار و ناخلف ان کے جانشین ہوئے۔ اور ان کی جگہ لے لی۔ ان کو "خلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشہوات" کا خطاب دیا گیا ہے۔ کہ وہ ان کے بعد ایسے ان کے خلف و خلیفہ و جانشین بن بیٹھے۔ کہ جنہوں نے نمازیں ضائع کیں۔ احکام دین معطل کر دئے۔ اور شہوت پرستی میں پڑ گئے +

اب یہ معلوم کرنا ہے۔ کہ خداوند تبارک و تعالےٰ نے جو اپنے خاص اور برگزیدہ بندوں یعنی انبیاءؑ کو خلیفہ کہا ہے۔ اور اس خطاب سے مخاطب کیا ہے۔ اس خلافت کے کیا معنی ہیں؟ معانی مذکورہ میں سے کس معنی کے لحاظ سے ان کو خلیفہ کہا ہے؟ اور یہ کس کے خلیفہ و جانشین ہیں؟ اور حضرت آدم ابوالبشر علیٰ نبینا و علیہ السلام کو جو اوّل ہی اوّل خلعت خلافت سے مزین و معزز و ممتاز کیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

یہ تو ظاہر ہے۔ کہ حضرت آدم خدا کے بیٹے نہیں ہیں۔ جو بلحاظ ابوت و بنوت اپنے باپ کے خلف کہلاتے اور خلیفہ بنتے وہ "سبحان اللہ ان یکون لہ ولد" خدا کی ذات اس سے کہیں

بزرگ و برتر و پاک و منزہ ہے۔ کہ اس کے بچے ہوں۔ پھر معاذ اللہ خدا مر ابھی نہیں۔ جو اس کے بعد حضرت آدمؑ وراثتہً خلیفہ ہوئے ہوں۔ وہ حیُّ لایموت ازلی و ابدی ہے۔ اور حضرت آدمؑ اور بھی کوئی باپ نہیں رکھتے۔ جس کے جانشین ہوں۔ بلکہ ابو البشر و اوّل البشر ہیں۔ نہ حضرت آدمؑ کو کسی اقلیم عالم کی حکومت ظاہری دی گئی۔ جو مثل شاہانِ دنیا خلیفہ یعنی بادشاہ بزرگ ہوں۔ اور اوّل فردِ نوع انسانی ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کہ سلف کے خلف ہونے سے خلیفہ کہلائے۔ یہ بھی غلط ہے۔ کہ چونکہ زمین میں پہلے جن اور نسناس آباد تھے۔ ان کے بعد حضرتِ آدمؑ ان کے خلیفہ ہوئے۔ کیونکہ جن اب بھی آباد اور موجود ہیں۔ تو حضرت آدمؑ بایں معنی بھی خلیفہ نہیں کہلا سکتے۔ کہ جو کسی قوم و امت کے فنا و ہلاک ہونے کے بعد اُس کی جگہ آباد ہو۔ وہ خلیفہ و خلف کہلاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے آدمؑ خلیفہ کہلائے۔ اور حضرتِ آدمؑ جنوں کے قائم مقام نائب مناب اور ان کے کارکن بھی نہیں ہیں۔ جو ان کے خلیفہ کہلائے۔ کیونکہ کسی کا قائم مقام وہی ہو سکتا ہے۔ جو اُسی کی نوع سے ہو۔ اور اُنہی صفات سے متصف ہو۔ جنوں کی صفات آدم میں کہاں پائی جاتی ہیں۔ حضرت آدمؑ جنوں کے کارکن کیسے ہو سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں سیاق و سباق کلام ملک العلام بتلا رہا ہے۔ کہ یہ اس خلافت کا پہلا اعلان تھا۔ اور اس معنی میں کوئی حضرت آدمؑ سے پہلے خلیفہ نہیں ہُوا تھا۔ اس واسطے یہ وہ خلافت نہیں ہو سکتی۔ جو ہر ایک بیٹا اپنے باپ سے حاصل کرتا ہے۔ یا ہر ایک اُمّت اپنی ما سبق اُمّت کا خلیفہ و جانشین ہوتی ہے +

نیز قصہ حضرتِ آدمؑ و ملائکہ سے ظاہر ہے۔ کہ یہ ایک ایسا عہدۂ بزرگ اور ایک منصبِ عالی تھا۔ کہ جس کی استعداد اور قابلیت جن تو کیا ملائکہ بھی نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ ملائکہ نے اس عہدۂ جلیل کی خواہش کی۔ اور نہ پا سکے۔ یہ وہ خلافت تھی۔ جہاں ملائکہ کا شورا بارگاہ ایزدی میں مفید نہ ہُوا۔ اور خدا نے ان کے مشورے کو نہ مانا۔ کہ وہ خلیفہ بنائے جائیں۔ اور نہ ان سب کا اجماع اس باب میں کارگر ثابت ہُوا۔ اور نہ یہ خلافت ایسی حکومت تھی۔ جو غلبہ و سلطنت سے حضرت آدمؑ کے لئے حاصل ہوئی ہو۔ یا اس کا معیار غلبہ و سلطنت قرار دیا گیا ہو بلکہ اس کا معیار کچھ اور ہی قرار دیا گیا۔ اور یہ عہدہ محض نص یعنی تصریحی تقرر سے ثابت ہُوا۔ مگر نہ جن و انس کی نص بلکہ صرف نصِ الٰہی سے۔ جو مالک الملک و احکم الحاکمین و ربّ العالمین ہے۔ "وَلَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ" کسی بشر یا کسی مخلوق کی کیا طاقت ہے۔ جو یہ منصب جلیل کسی کو عطا کر سکے +

پس خلافت اور خلیفہ کے معانی مذکورۃ الصدر میں سے کوئی معنی خلافت حضرت آدمؑ پر صادق نہیں مگر یہ کہ "خلیفہ آنکہ بجائے کسے باشد در کارے" یعنی خلیفہ وہ ہے۔ جو کسی کار خاص یا کارہائے مخصوص میں کسی کا قائم مقام اور اُس کی جگہ کارکن ہو۔ لہٰذا معلوم ہُوا۔ کہ حضرت آدمؑ کسی کار خاص میں خدا کی زمین پر اس کے قائم مقام ہیں۔ اور یہ خلافت خلافت الٰہیہ ہے۔ اور یہی ایسا منصب جلیل اور عہدہ بزرگ ہے۔ جس کے لئے

ملائکہ متمنی تھے۔ مگر بسبب ناقابل ہونے کے اس کو نہ پا سکے۔ اور یہ ایسا اعلےٰ مرتبہ تھا جس کے نہ پانے سے اور آدمؑ ابوالبشر کے اس پر فائز ہو جانے سے بنی جان میں آج تک آتشِ حسد شعلہ زن ہے۔ اور یہی مرتبہ دائمی مخالفت وعداوت اور بغض وعناد کا باعث ہوا۔ "وَذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ" +

تعریف ومعیار خلافتِ الٰہیہ

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت آدمؑ کسی اقلیم کے بادشاہ نہ تھے۔ حضرت آدمؑ کسی قوم لاکھ دس لاکھ کروڑ دس کروڑ پر حاکم نہ تھے۔ بلکہ اُس وقت نوعِ بشر میں سے کوئی وجود بھی نہ تھا۔ جبکہ خلیفہ بنائے گئے۔ حضرت آدمؑ کو خدا نے خزائن زمین عطا کر کے بادشاہ صاحب تخت وتاج نہ بنایا تھا۔ اور نہ دس بیس لاکھ نوکر چاکر خدم وحشم بنی نوع انسان سے آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ تو پھر خدا نے ان کو کونسی چیز دی تھی جس کی وجہ سے اُس کے جانشین کہلائے۔ اور کونسے وصف کی وجہ سے اس عہدۂ جلیل کے مستحق ہوئے جس کے لئے ملائکہ بھی ناقابل ثابت ہوئے۔ حالانکہ انہوں نے اپنے کمالات عبادتی تسبیح وتقدیس کی سندات بھی بارگاہ ایزدی میں پیش کیں۔ مگر نامنظور رہیں۔ اور گویا جواب ملا۔ کہ یہ عہدہ ایسا نہیں ہے۔ جو صرف تسبیح وتقدیس سے حاصل ہو۔ اور وہ خدا کا جانشین بنے جو تسبیح وتقدیس کرتا ہو۔ پس مابہ الخلافت کیا ہے؟ اور حضرت آدمؑ کو کیا دے دیا گیا؟ جو قائم مقام خدا بن گئے +

اس کی تشخیص اور تخصیص اور تنصیص کے لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہوگا۔ کہ خداوند عالم کی جس کے حضرت آدمؑ جانشین ہیں خاص ملکیت کیا ہے۔ جو بلا اشتراکِ غیر صرف اُسی کو حاصل ہے؟ عاقل خبیر پر پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ بہترین شے خدا کے پاس اور اعلےٰ ملکیت جس میں وہ متوحد ومنفرد ہے۔ وہ اس کی صفات کمالیہ جلالیہ وجمالیہ ہیں۔ جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ پس اگر ان صفات خاصہ کمالیہ سے حضرت آدمؑ کو کچھ عطا کر دے۔ اور کچھ ایسی صفتوں سے موصوف بنا دے۔ تو وہ خدا کے قائم مقام اور اس کے جانشین ہو سکتے ہیں۔ ورنہ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اب ہم دیکھیں کہ آیا خدا نے اپنے کمالات اور صفات کمالیہ میں سے حضرت آدمؑ کو کچھ عنایت کیا ہے یا نہیں؟ یہ ظاہر ہے۔ کہ اصول کمالات چار ہیں۔ حیات۔ علم۔ قدرت اور ارادہ۔ اور حیات بلا علم غیر معقول ہے۔ اور حیّ غیر عالم غیر متصور۔ اور قدرت بلا ارادہ فضول وبیکار۔ اس لئے تعبیر میں (نہ اصلاً) تمام اصول کمالات کو علم وقدرت کی طرف راجع کر سکتے ہیں۔ اور علم مقدم ہے۔ اور تمام تصرفات موقوف بر علم۔ چنانچہ اس خلافت کے مدعیان کے درمیان یعنی ملائکہ اور حضرت آدمؑ کے مابین امتحان مقابلہ اسی علم میں لیا گیا۔ اور جب اُنہوں نے تسبیح وتقدیس سے اپنا استحقاق ثابت کرنا چاہا۔

اور حضرت آدمؑ کو ناقابل خلافت قرار دیا۔ تو خداوند عالم نے جواب میں فرمایا۔ کہ میں چونکہ علیم ازلی ہوں۔ میں وہ باتیں جانتا ہوں۔ جو تم نہیں جانتے۔ میں جانتا ہوں۔ کہ استحقاق خلافت ازلی صرف تسبیح و تقدیس سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ علیم کا خلیفہ جانشین اور قائم مقام علیم ہونا چاہئیے۔ تسبیح و تقدیس فرع علم ہے۔ اور حضرت آدمؑ کو تمام اسماء موجودات ارضی و سماوی و برّی و بحری و خفی و جلی و ظاہر و پوشیدہ تعلیم فرما کر ملائکہ کو حکم دیا۔ "اَنۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ"۔ اگر تم دعوئے خلافت میں سچے ہو۔ تو ان تمام چیزوں کے نام بتلاؤ۔ یہاں ملائکہ خاموش ہوئے۔ اور اپنے عجز و قصور پر شرمندہ۔ اور عرض کیا۔ "لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ"۔ یعنی ہمیں ان کا علم نہیں۔ ہمیں جو کچھ تو نے دیا ہے۔ وہی ہے۔ اور اُس کو تو جانتا ہی ہے۔ اور تو سب کچھ جانتا ہے۔ اور تو ہی صاحب حکمت ہے۔ جو کچھ کرتا ہے۔ حکمت سے کرتا ہے۔ اس وقت حضرت آدمؑ کو فرمایا۔ کہ اب جو تم ہمارے خلیفہ و جانشین ہو۔ ان کو ان تمام چیزوں کے نام بتلاؤ۔ اور تعلیم دو۔ پس معلوم ہوا کہ خدا نے اپنے علم سے حضرت آدمؑ کو ایک ایسا حصّہ عطا کیا تھا۔ جو ملائکہ کو حاصل نہ تھا۔ اور حضرت آدمؑ علیم بالذات خداوند عالم کے تب قائم مقام و خلیفہ کہلائے جب اس کی صفتِ علم سے متصف ہوئے۔ جو مقدم صفات و کمالات ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ استحقاق خلافت باتصاف اوصاف ہے۔ اور کسی کا خلیفہ وہی ہے۔ جو اس کی صفات سے متصف اور اس کے کمالات کا آئینہ ہو۔ اور خلافت نہیں ہے مگر توارث صفات جس کو خدا نے اپنی صفات کا مظہر اور اپنے کمالات کا آئینہ بنایا۔ وہی اس کا خلیفہ ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ خداوند سبوح و قدوس کا کام صرف تسبیح و تقدیس نہیں ہے جو اس کے خلیفہ صاحب تسبیح و تقدیس ملائکہ ہوں۔ وہ رب العالمین مدبر السماوات والارضین ہے۔ اس کا قائم مقام اس کی صفات سے متصف چاہئیے۔ ملائکہ صرف تسبیح و تہلیل رکھتے تھے۔ خلیفہ نہ ہوئے۔ محی الدین عربی دُرِ مکنون میں لکھتے ہیں۔ "لَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ اَنۡ يُّثۡبِتَ الۡحُجَّةَ لِاٰدَمَ عَلَيۡهِ السَّلَامُ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ وَاَرَادَ اَنۡ يُّعَلِّمَهُمۡ اَنَّ اٰدَمَ اَحَقُّ بِالۡخِلَافَةِ مِنۡهُمۡ قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ثَبَتَ الۡحُجَّةُ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ بِالۡمَسۡئَلَةِ اَنِّیۡ سَئَلۡتُهُمۡ اِيَّاهَا وَعَجَزُوۡا عَنۡ عِلۡمِهَا فَجَعَلَ اٰدَمَ خَلِيۡفَةً لِكَوۡنِهٖ اَحَقَّ بِالۡخِلَافَةِ مِنۡهُمۡ لِفَضۡلِ عِلۡمِهٖ فَمَنۡ وَّصَلَ اِلٰى هٰذِهِ الۡفَضِيۡلَةِ فَقَدِ اخۡتَصَّهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مِنۡ بَيۡنِ عِبَادِهٖ وَجَعَلَهٗ اَفۡضَلَ اَهۡلِ زَمَانِهٖ انتهى"۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا۔ کہ آدمؑ کی خلافت کے لئے ملائکہ پر حجت و دلیل ثابت کرے۔ اور چاہا کہ ان کو بتلائے۔ کہ آدمؑ ان سے زیادہ مستحق خلافت الٰہیہ ہے۔ تو کہا اے آدم انہیں ان تمام چیزوں کے نام بتلا دو۔ پس جب آدمؑ نے ان کو تمام اشیاء کے ناموں سے

آگاہ کر دیا۔ تو اس مسئلے میں جو ملائکہ سے دربارہ استحقاق خلافت پوچھا گیا تھا۔ ان کا عجز ثابت ہو گیا۔ اور وہ ان اشیاء کے علم سے عاجز رہے۔ پس آدمؑ کو خلیفہ بنایا گیا۔ کہ وہ ملائکہ سے بوجہ کمال و قابلیت علمی خلافت کے زیادہ حقدار ثابت ہوئے۔ پس جو شخص اس مرتبہ و مقام علمی پر پہنچا ہوا ہو۔ اس کو خدا اپنے تمام بندوں میں سے اپنی خلافت کے لئے مخصوص فرما لیتا ہے۔ اور اس کو تمام اہل زمانہ سے افضل قرار دیتا ہے"۔

اس میں تصریح ہے۔ کہ معیار خلافت الٰہیہ علم ہی ہے۔ اور اسی علم کی وجہ سے حضرت آدمؑ مقرب بارگاہ فرشتوں سے زیادہ خلافت کے مستحق قرار پائے۔ اور اسی طرح وہی شخص برگزیدہ بارگاہ ایزدی اور عہدہ خلافت الٰہیہ کے لئے مخصوص و مختص ہے۔ جو علمی فضیلت میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔ اور اُسے خدا تمام اہل زمانہ سے افضل قرار دیتا ہے۔ اور اس کی اطاعت سب پر فرض کرتا ہے۔ جو علم میں افضل ہے۔ وہ سب سے افضل ہے۔ اور وہی مستحق خلافت و امامت ہے۔ اور خدا اپنی طرف سے ضرور اسی کو خلیفہ بنائیگا۔ اور تمام عبادیں سے اپنے فضل و کرم سے مختص کریگا۔ اور سب اہل زمانہ پر حاکم اور مطاع قرار دیگا۔ جس کو اس نے فضیلت علمی میں سب سے افضل خلق کیا ہے۔ خدا کے بنائے ہوئے خلیفہ کبھی علم و فضل میں اہل زمانہ سے کمتر نہیں ہو سکتے۔ جاہل کبھی خلیفہ نہیں کہلا سکتا +

ہاں مسلّم و محقق ہے۔ کہ خداوند رب العالمین حیّ قیّوم۔ قادر مطلق علیم بالذّات سمیع بالذّات۔ بصیر بالذّات حکیم بالذّات۔ حفیظ بالذّات شہید بالذّات اور غنی بالذّات ہے۔ اور قادر کا قائم مقام اپاہج۔ علیم کا قائم مقام جاہل۔ سمیع کا جانشین اصم۔ بصیر کا اعمےٰ۔ حکیم کا نائب مناب سفیہ۔ حفیظ کا خائن۔ شہید کا غافل اور غنی کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ چاہئے کہ اس کا قائم مقام و جانشین بھی حیّ قادر علیم سمیع۔ بصیر حکیم حفیظ شہید و غنی وغیرہ ہو۔ اور خداوند عالم جامع جمیع صفات کمالیہ کا خلیفہ وہ ہے جو اس کی صفات سے متصف ہے۔ اور اس کے کمالات کا مظہر ہے۔ مگر چونکہ وہ خالق ہے یہ مخلوق۔ اور مخلوق کبھی واجب الوجود نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہ واجب ہے۔ یہ ممکن۔ کیونکہ تعدد وجباء محال ہے۔ اور چونکہ ہر مخلوق حادث ہے۔ اس لئے یہ حادث ہے۔ وہ قدیم ہے۔ یہ قدیم کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ تعدد قدماء عقلاً ممتنع ہے۔ اسی طرح وہ چونکہ واجب ہے۔ وہ علیم بالذّات ہے۔ اور اس کا علم عین ذات ہے۔ اور یہ چونکہ حادث و ممکن ہے۔ اور ممکن اپنی تمام صفات میں واجب کا محتاج ہے۔ اس لئے یہ علیم بالغیر ہے۔ اور اس کا علم زائد بر ذات۔ نہ کہ عین ذات۔ اگرچہ ہمراہ ذات عطا ہوا ہو۔ اور معیت وجود رکھتا ہو۔ کیونکہ علم ذاتی اور علم بالذّات میں فرق ہے۔ علم بالذّات مخصوص ہے خداوند رب العالمین واجب الوجود قدیم ازلی و ابدی سے۔ پس صفات مستخلف اور خلیفہ میں

فرق ضرور ہے۔ مگر نمونہ صفات کا موجود ہے۔ ورنہ ہرگز خلیفہ نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ خلافت نہیں ہے مگر توارث صفات۔ اور خلیفہ نہیں ہے مگر آئینہ متخلف۔ اور مظہر کمالات اور حضرت آدمؑ کے خلیفہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ خصوصیت کے ساتھ متصف باوصاف خداوندی اور مظہر کمالات الٰہی ہیں۔ اور یہی خلافت الٰہیہ ہے۔ اور معنی خلافت الٰہیہ تخلق باخلاق خداوندی اور اتصاف باوصاف الٰہی ہیں۔ کیونکہ خالق وصانع عالم واجب الوجود بسیط محض ومجرد مطلق کی ذات اقدس اس سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے۔ کہ مخلوق ومصنوع مادی جسمانی اس کو پہچان سکے یا دیکھ سکے یا اس سے بلا واسطہ غیر تعلق پیدا کرسکے۔ لہٰذا اس نے اپنی ایک برگزیدہ مخلوق کو اپنی صفات کا (نہ ذات کا۔ کیونکہ ذات حد تعریف وتوصیف واسم ورسم سے خارج ہے) نمونہ بنا کر اس کو اپنا مظہر قرار دیا۔ کہ اس نمونہ صفات کو دیکھ کر اس کو پہچانیں۔

یہی معنی ہیں حدیث نبوی کے "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ" (بتحقیق کہ اللہ تعالےٰ نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا ہے)۔ کیونکہ خداوند عالم کی کوئی شکل وصورت نہیں ہے جس کو مخلوق مصنوع دیکھ سکے اور پہچان سکے۔ اور اس کو ادراک کرسکے۔ لہٰذا اپنی صورت صفاتی کا نمونہ حضرت آدمؑ کو بنایا۔ جو کوئی خدا کو دیکھنا چاہے۔ اس کے اوصاف وکمالات اس آئینہ میں بلاحظہ کرلے۔ اور یہ اس کی مخلوق میں اس کا قائم مقام یعنی خلیفہ وجانشین۔ بس طرح پس معنی اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کے اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہِ الصِّفَاتِیَّۃِ ہیں یعنی اللہ تعالےٰ نے آدم کو اپنی صورت صفاتیہ پر خلق کیا ہے۔ پس نہیں ہے خلافت مگر توارث صفات۔ اور نہیں ہے خلیفہ مگر آئینہ متخلف۔ جو متصف باوصاف الٰہی ہے۔ وہ خلیفہ خدا ہے۔ خواہ وہ کہیں کا بادشاہ ہو یا نہ ہو۔ خواہ وہ کسی پر حاکم ہو یا نہ ہو۔ خواہ غائب ہو یا حاضر۔ ظاہر ہو یا باطن۔ قریب ہو یا بعید۔ وہ خلیفہ خدا وجانشین خدا وقائم مقام خدا ہے۔ خواہ اس کو کوئی مانے یا نہ مانے۔ تسلیم کرے یا نہ کرے۔ اور اس کا مطیع ہو یا نہ ہو۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اصل مستحق حکم وبادشاہت بھی وہی ہے۔ کیونکہ خدا ہی احکم الحاکمین اور مالک الملک ہے "وَھُوَ اللّٰہُ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ" وہی خدا ہے۔ جو بادشاہ زمین وآسمان۔ قدوس وسلام ومومن ومہیمن وعزیز وجبار ومتکبر ومالک ردائے کبریائی ہے۔ "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" نہیں ہے حکم مگر خدا ہی کے لئے۔ پس خدا کا خلیفہ وجانشین وقائم مقام بھی صاحب حکم وملک ہے۔ اگرچہ اس کا حکم کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے۔ اور اس کی بادشاہت کو کوئی مانے یا نہ مانے۔ اصل بادشاہت اسی کی ہے۔ جس طرح نمرود وفرعون وغیرہما کے

رب العالمین واحکم الحاکمین مالک الملک کے حکم ربوبیت وبادشاہت کو تسلیم نہ کرنے سے شانِ الوہیت وربوبیت واجب الوجود میں کچھ فرق نہ آیا۔ اسی طرح اس کے خلیفہ وجانشین کی حکومت وبادشاہت تسلیم نہ کرنے سے وہ حکومت سے خارج نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے لئے کچھ مضر نہیں ہو سکتا۔ اگر لوگ تسلیم کرتے۔ تو انہیں کا فائدہ تھا۔ برکاتِ زمین وآسمان سے متمتع ومنتفع ہوتے "وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ"۔ اگر اہل قریہ ایمان لاتے۔ اور ہم سے ڈرتے۔ تو ہم ان پر زمین وآسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے تو ہماری نشانیوں کی تکذیب کی۔ پس ہم نے ان کی کرتوتوں کے عوض ان کو پکڑ لیا۔ خدا اور اس کے خلیفہ برحق کی نافرمانی کی۔ اور اس کا حکم نہ ماننے اور اس کی بادشاہت تسلیم نہ کرنے کا انجام یہی ہے۔ کہ یہاں ان سے نعمات سلب ہیں۔ اور آخرت میں مواخذہ کیا جائے۔ اور جہنم میں ڈالے جائیں۔ اور خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق حقیقی بنیں۔ اس سے خلیفہ حق کی شان میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اور اس کی خلافت میں کوئی نقص لازم نہیں آتا ہے۔ کیونکہ وہ متخلق باخلاق الٰہی اور متصف باوصاف خداوندی ہے۔ جس حال میں بھی ہو۔ اور جہاں کہیں بھی ہو۔ یہ بھی بطور ظاہر ومعنی معروف ومشہور حکم ہے۔ ورنہ حکم واقعی کے معنی دراصل تصرف علمی ہیں۔ وہ ہمیشہ خلیفہ خدا نبی وامام کو حاصل ہے۔ اور حکم خاص انبیاءؑ سے مخصوص ہے۔ [illegible] خدا کے لئے ہے "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ"۔ اور بعد اس کے مظاہر کے لئے۔ چنانچہ خدا تمام انبیاءؑ کے حق میں فرماتا ہے "وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا" (سورۂ انبیاءؑ)۔ ہر ایک کو ہم نے حکم وعلم عطا کیا ہے۔ حضرت یوسفؑ کی شان میں فرماتا ہے "اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا"۔ اور حضرت لوطؑ کے حق میں فرمایا ہے "وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا"۔ پس انبیاءؑ موجودات اور اپنے محکومین پر ہمیشہ تصرف رکھتے ہیں۔ اور حکم حاصل ہے۔ خواہ اس کو کوئی محسوس کرے یا نہ کرے۔ اور جانے یا نہ جانے۔ خدا نے ان کو حکم عطا کیا ہے۔ اور متصرف بنایا ہے۔ بلکہ عالم کون وفساد پر تصرف رکھتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو۔ خدا کے مظہر اور اس کے خلیفہ وجانشین ہیں۔ اور اس حکم کو حکومت ظاہری سے کوئی تعلق نہیں اور اس حکم کے مقابلہ میں یہ چند روزہ حکومت دنیا کسی شمار میں نہیں۔ بلکہ حکومتِ دنیا جزوے از حکم نبوتی ہے۔ فافہم وتدبر +

کارِ خاص نبی

جب یہ معلوم ہو گیا۔ کہ معنی خلافت توارث صفات ہیں۔ تو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے۔ کہ وہ کار خاص کیا ہے جس پر خلیفہ خدا وجانشین خدا معین ہوتا ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ خداوند عالم خالق آسمان وزمین وما فیہما اور مدبر ومربی عالمین ہے۔ اور خلیفہ وہی ہے۔ جو مستخلف کا کام انجام دے۔ اور جو وہ کرتا ہے وہی کرے۔ پس چاہئے۔ کہ خلیفہ خدا کار خدائی کرے۔

لیکن خلقت وتکوین باالذات صرف اُسی کی ذات سے مخصوص ہے۔ "هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللهِ" غیر خدا کوئی خالق نہیں۔ البتہ تربیت وتدبیر میں خلیفۂ خدا قائم مقام خدا ہو سکتا ہے۔ پس خلیفہ خدا تدبیر وتربیت وتعلیم میں جانشین خدا ہے۔ ان امور کا ظہور اس سے ہوتا ہے۔ لیکن یہ بلحاظ جنس خلافت ومطلق نبوت ہے۔ اور من حیث الانفراد ظہور مختلف ہوتا ہے۔ اور ظہور تربیت وتدبیر موقوف ہے حکم ثانی پر یعنی اگر بعد اس کے کہ خدا نے اس کو اپنی صفات کا نمونہ بنا دیا ہے۔ خدا اختیار رکھتا ہے۔ اُس کو جو حکم چاہے دے۔ اور جس وقت چاہے اور جس کو چاہے۔ کوئی حکم نہ دے۔ چنانچہ بہت سے انبیاءؑ مظہر خدا ایسے گزرے ہیں۔ جو محض پوشیدہ رہتے تھے۔ اور جنگلوں میں عبادت کرتے تھے۔ اور لوگ ان کو جانتے بھی نہ تھے۔ اسی واسطے انبیاءؑ کے باب میں حدیث وارد ہے۔ "مِنْهُمْ مُسْتَخْفِيْنَ وَمِنْهُمْ مُسْتَعْلِيْنَ" بعض ان میں سے پوشیدہ اور مخفی تھے اور بعض ظاہر۔ اور خدا فرماتا ہے۔ "وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ" بعض پیغمبر تو ایسے تھے جن کا ہم نے پہلے ہی تجھ سے ذکر کر دیا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں۔ جن کا ذکر ہی نہیں کیا۔ علاوہ ازیں تدبیر وتربیت خلیفہ خدا باطنی ہے۔ نہ اس طرح سے ظاہر۔ کہ ہم اس کو محسوس کریں۔ جیسا کہ خداوند عالم مدبّر ومربّی عالم ہے۔ مگر ہم ادراک نہیں کر سکتے۔ کہ وہ کس طرح اور کس صورت سے تدبیر عالم کرتا ہے۔ اسی طرح خلیفۂ خدا مربّی عالم ہے۔ مگر ہم محسوس نہیں کر سکتے۔ کہ وہ کیونکر تربیت عالم کرتا ہے۔ بصورتِ ظاہری صرف ہدایت خلق ظاہری ہے یعنی ہدایت قولی۔ اور یہ اُس کے آثار وجودیہ میں سے ایک اثر ہے۔ نہ کہ غرض وغایت خلقتِ انبیاءؑ صرف ہدایتِ خلق ہی ہے +

غرض وغایت نبی وخلیفۂ خدا

اگر غرض وغایتِ انبیاءؑ خلق کی ہدایت ہی ہو۔ تو علاوہ اس کے کہ مخلوقات انبیاءؑ سے افضل ہو جائے۔ اس واسطے کہ غایت ذی الغایت سے افضل ہے۔ لازم آتا ہے۔ کہ اکثر انبیاءؑ میں یہ غایت باطل اور یہ غرض مفقود ہو۔ جیسا کہ ابھی حدیث میں ذکر آچکا ہے۔ کہ بعض انبیاءؑ ایسے گزرے ہیں۔ جو محض مخفی وپوشیدہ رہے ہیں۔ کوئی ان کے حال سے سوائے خدا اور خاصان خدا واقف وآگاہ نہ تھا اور بعض ظاہر ہوئے ہیں۔ اور جو ظاہر ہوئے ہیں۔ اُن میں سے بھی کُل تین سو تیرہ رسول ہیں۔ یعنی ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے تین سو تیرہ مامور بہ تبلیغ ہوئے۔ اور ایک لاکھ تیئیس ہزار سات سو ستاسی غیر مرسل۔ اور وہ صرف اپنے ہی نفس پر نبی تھے۔ پس اگر یہ کہا جائے۔ کہ اصل غرض وغایت خلقت انبیاء ہدایت خلق ہے۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ یا تو یہ نبی نہیں۔ یا غرض الٰہی ان میں فوت ہو۔ اور یہ دونو

امر باطل و محال ہیں۔ لہٰذا ان کی غلقت کی غرض و غایت محض ہدایت خلق ہونا بھی باطل و محال ہے۔ بلکہ اصل یہی ہے۔ جیسا کہ ثابت کیا گیا۔ کہ یہ مظاہر کمالات الٰہی و آئینہ صفات خداوندی ہیں۔ اور خدا نے ان کو اپنی قدرت کا نمونہ بنایا ہے۔ البتہ جن کو تبلیغ پر مامور کرتا ہے۔ وہ کار تبلیغ انجام دیتے ہیں۔ اور وہ مرسلین کہلاتے ہیں۔ ہاں نفس وجود ان کا ہدایت فعلی ہے۔ اگر کوئی ہدایت پانیوالا ہو۔ کیونکہ نفس وجود ان کا آیت الٰہی و حجۃ الٰہی و دلیل بر وجود خدا اور آئینہ جمال خدا ہے۔ "ان اللّٰہ خلق اٰدم علٰی صورتہٖ" اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے حضرت موسےٰ کی شان میں فرمایا ہے "واصطنعتک لنفسی" اے موسےٰ میں نے تجھکو اپنے واسطے بنایا ہے۔ اپنی صفات کا نمونہ اور اپنے جمال کا آئینہ خلق کیا ہے "لتوحدنی وتمجدنی وتعبدنی وتشکرنی ولا تکفرنی ولا تشرک بی شیئًا" (اس بحث کو ہم نے البرہان نمبر ۳ جلد ۵ میں بہت تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ جو دیکھنا چاہیں وہاں سے دیکھ سکتے ہیں) +

ہم پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کہ خلیفۂ خدا متصف باوصاف خدا ہوتا ہے۔ اگر وہ مظہر کمالات واجبی و آئینہ صفات خالقی نہ ہو۔ تو ملائکہ جیسے معصومین و مقربین بارگاہ رب العالمین اس کے لئے مامور بسجدہ نہ ہوتے۔ کیونکہ سجدہ مخصوص ہے ذات واجب الوجود سے۔ پس کوئی صفت خدائی اور کوئی شعاع نور سرمدی اس میں ضرور تھی۔ جو حکم ہوا "انی خالق بشرًا من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین" میں طین سے ایک بشر خلق کرنیوالا ہوں۔ پس جب میں اس کو درست کر لوں۔ اور اس میں ذرا سی روح پھونک دوں۔ تو تم فوراً سجدۂ تعظیمی بجالاؤ (کہ وہ ہمارا جانشین و قائم مقام ہے) آیۂ مبارکہ میں سجدے کا حکم (فقعوا لہ ساجدین) بعد تسویہ نہیں ہے۔ کہ جب میں اس پتلے کو درست بنالوں۔ تو سجدہ بجالاؤ۔ بلکہ بعد نفخ روح حکم سجدہ دیا ہے۔ کہ جب میں اپنی خاص روح پھونک دوں۔ اس وقت سجدہ بجالاؤ۔ پس معلوم ہوا۔ کہ یہ خلافت موقوف ہے اس روح خاص پر۔ اور یہی خصوصیت روح علت خلافت الٰہی ہے۔ کہ اپنی ایک خاص روح عطا کی ہے۔ اور اسی وجہ سے مستحق سجدہ ہوئے۔ یہ تعظیم جثۂ آدم کے لئے نہ تھی۔ بلکہ اس روح معظم کو تھی۔ اسی راز کو نہ سمجھنے کی وجہ سے شیطان نے اپنے قیاس فاسد سے تعظیم بجالانے سے انکار کر دیا۔ اور کہدیا۔ "انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین" میں آدم سے بہتر ہوں۔ مجھے تو نے نار سے پیدا کیا ہے اور آدم کو خاک سے۔ پس خلافت کو صورت و شکل ظاہری و جثۂ جسمانی مادی پر موقوف جاننا سخت غلطی و گمراہی ہے۔ ایک چیز اسی آیۂ سجدہ سے اور ثابت ہے۔ کہ ملائکہ عالم بالفعل ہیں۔ اور ان کے تمام کمالات بالفعل۔ اور "ومامنا الا لہ مقام معلوم" ان کا قول ہے۔ لہٰذا ان کا مامور بتعظیم آدم ہونا دلالت کرتا ہے۔ کہ وقت سجدۂ تعظیمی حضرت آدم ضرور عالم تھے۔ اور ملائکہ سے زیادہ

عالم۔ کیونکہ عالم کا جاہل کی تعظیم پر مامور کرنا قبیح ہے۔ پس تعظیم حضرت آدمؑ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا وَنَفَخَ روح وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ایک ہی آن میں واقع ہوئے ہیں۔ اور علم ان کی اس خلقت کے ساتھ ہی عطا کیا گیا۔ نہ یکہ اول خلق کئے گئے۔ روح پھونکی گئی اور پھر تعلیم دی گئی۔

نتیجہ یہ کہ خلیفہ خدا یوم خلقت ہی سے متصف باوصاف الٰہی مجعول و مخلوق بر علم و قدرت و حکم ہوتا ہے۔ اور ہر حال میں خلیفہ و نبی ہے خواہ مامور ہو یا نہ ہو۔ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔ کوئی اس کو مانے یا نہ مانے اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ وَکُنْتُ نَبِیًّا... کَانَ صَبِیًّا۔ اور یہ خلافت موقوف ہے روح پر نہ جسم پر۔ اور وہ روح روح خاص منسوب بخدا و سعالم اور روح علمی ہے۔ نیز یہ کہ خلیفہ خدا و نبی اللہ ان لوگوں سے وجود میں مقدم ہوتا ہے جن پر خلیفہ بنایا جاتا ہے اور نبی قرار دیا جاتا ہے پس تقدم فی الوجود علم۔ قدرت اور حکم اس کے لئے ضروری ہے۔ فتدبر و تذکر۔

غرض خلیفہ کے لئے اتصاف باوصاف مستخلف ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت ہارونؑ بنص قرآن خلیفہ حضرت موسےٰ اور ان کی غیبت میں ان کے جانشین تھے۔ اور اسی واسطے متصف باوصاف موسوی اور شریک نبوت تھے۔ قال سبحانہ وتعالیٰ "اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى" "اے موسےٰ تم اور تمہارا بھائی ہارونؑ دونو ہماری آیات لے کے جاؤ۔ اور ہماری یاد میں سستی و کوتاہی نہ کرنا۔ دونو فرعون کے پاس جاؤ۔ کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ پس اس کے پاس جا کر نرمی سے باتیں کرو۔ ممکن ہے کہ وہ نصیحت مان لے یا ڈر جائے"۔ "قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَاۤ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى" "حضرت موسےٰ اور ہارونؑ دونو نے کہا اے ہمارے پروردگار ہم ڈرتے ہیں کہ وہ کہیں ہم پر زیادتی کر نہ بیٹھے یا سرکشی کرے"۔ "قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِيْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَاَرٰى فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ" "فرمایا۔ تم مت ڈرو۔ میں یقیناً تم دونو کے ساتھ ہوں۔ اور سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہوں۔ پس تم اس کے پاس جاؤ۔ اور اس سے کہو کہ ہم دونو تیرے پروردگار کے رسول ہیں پس بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ کر دے (طٰہٰ ع ۲)۔ ان آیات میں تمام صیغے تثنیہ کے استعمال ہوئے ہیں۔ اور حضرت موسےٰ اور حضرت ہارونؑ دونو مخاطب ہیں۔ اور دونو رسالت میں شریک اور مبعوث بر بنی اسرائیل ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ خلافت موسوی و منزلت ہارونی حاصل کرنے کے لئے اوصاف موسوی سے متصف ہونا اور ان کی صفات و خصائص میں شریک ہونا ضروری ہے جب تک کوئی شخص اپنے مستخلف کے اوصاف سے متصف نہ ہو اس کی صفات میں شریک نہ ہو۔ اس کا خلیفہ نہیں کہلا سکتا۔ جیسے کہ بیٹا جو باپ کا جانشین و خلیفہ ہوتا ہے۔ اگر نیک باپ کا بیٹا باپ کے اوصاف سے متصف ہو۔ تو خلف کہلاتا ہے۔ اور اس کے اوصاف سے موصوف اور اس کے اخلاق سے متخلق نہ ہو۔ تو ناخلف کہلاتا ہے۔

تقررِ خلیفہ

بیانات سابقہ سے یہ بھی بخوبی ظاہر ہے۔ کہ تقرر خلیفہ محض خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ کیونکہ
خلیفہ بنانے کے یہ معنی ہیں۔ کہ خدا ایک اپنے بندے اور مخلوق کو اپنے اوصاف و اخلاق
پر خلق فرمائے۔ اور اپنے جلال و جمال کا آئینہ بنائے۔ پس خلق کرنا اور خلیفہ مقرر کرنا ایک ہی ہے۔ اور ظاہر
ہے۔ کہ خلق الٰہی میں کوئی شریک نہیں "ھل من خالق غیر اللہ" کیا سوائے خدا بھی کوئی خالق ہے؟ اگر خالق
نہیں ہے۔ تو خلیفہ کا مقرر کرنیوالا بھی کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ خلیفہ کا مقرر کرنا اس کا خلق کرنا ہے۔ جو خلیفہ
بناتے ہیں۔ وہ خدا کے شریک بنتے ہیں (ونحن بریئون مما یشرکون)۔ خواہ اعلان خلافت بلا واسطہ ہو۔
جیسے تقرر حضرت موسےٰ۔ مثلاً "واصطنعتک لنفسی"۔ یا بالواسطہ ہو۔ جیسے کہ خلافت ہارونی کا اعلان بزبان
موسوی۔ قال عز وجل حکایۃ عن موسیٰ "قال رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ
من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری
کی نسبحک کثیرا ونذکرک کثیرا انک کنت بنا بصیرا" (طٰہٰ ع ۲) اے میرے پروردگار میرا سینہ کھول
دے۔ اور میرے کام کو آسان کر۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ کہ میری بات سمجھیں۔ اور میرے اہلبیت
میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا دے۔ اور اس سے میری پشت کو مضبوط کر دے۔ اور اس کو میرے
کام میں شریک قرار دے۔ تاکہ ہم خوب تیری تسبیح کریں۔ اور کثرت سے تیرا ذکر کریں (اور تیرے ذکر کو بلند
کریں)۔ اور تو ہماری حالت دیکھتا ہی ہے۔ اور خوب جانتا ہے" پس تقرر خلیفہ اور وزیر میں حضرت
موسےٰ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ کہ خود بنالیں۔ بلکہ یہ خدا کا کام ہے۔ کہ وہ خلیفہ و وزیر مقرر کرے۔ کیونکہ
حضرت ہارونؑ کو ان صفات پر خلق کرنا اور ان کو ایسا بنانا خدا ہی کا کام ہے۔ حضرت موسےٰ میں کہاں
قدرت کہ خلیفہ خلق کر سکیں۔ اور اپنا وزیر بنا سکیں۔ خلق اور اختیار دو تو خداوند قادر مختار سے مخصوص
ہیں۔ کما قال سبحانہ وتعالیٰ "وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ و
تعالیٰ عما یشرکون" (قصص ع ۷) تیرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے۔ خلق کرتا ہے۔ اور جس کو جس کام
کے لئے چاہتا ہے۔ اختیار و پسند کرتا ہے۔ لوگوں کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ پاک و پاکیزہ ہے
ذات خدا اس سے۔ جو لوگ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ اور تقرر خلیفہ اپنے ہاتھ میں لے کر شریک خدا
بنتے ہیں۔ اور خالق بننے کا دعوے کرتے ہیں۔ کیونکہ خلق و اختیار ایک ہی ہے۔ اسی واسطے اختیار کو
ردیف خلق قرار دیا ہے۔ "یخلق ما یشاء ویختار"۔ خدا جس کو جس کام کے لئے اختیار کرتا ہے۔ ان
صفات پر اس کو خلق فرما دیتا ہے۔ پس ان صفات پر خلق کرنا ہی اس کا اس کام کے لئے مقرر کرنا ہے۔
اور خلق میں کوئی شریک خدا نہیں "ھل من خالق غیر اللہ"۔ جو لوگ خلیفہ بناتے ہیں۔ وہ خدا کے خود

شریک بنتے ہیں" سبحان اللہ وتعالیٰ عما یشرکون"۔ حضرت ہارونؑ اور ان کے متصف باوصاف خداوندی ہونے اور شریک اوصاف موسوی ہونے اور خلیفہ موسےؑ قرار پانے سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ خلافت بھی خلافت الٰہی ہے۔ اگرچہ اس کے اعلان واظہار میں حضرت موسےؑ کی دعا شریک ہو۔ اور وہ واسطۂ اظہار واعلان ہوں۔ کیونکہ حضرت ہارونؑ کو ان صفات پر خدا ہی نے خلق کیا ہے۔ اور اسی نے ان کو یہ درجہ دیا ہے۔ اور اسی نے یہ کام ان کے سپرد کیا ہے۔ اور شریک موسےؑ گردانا ہے پس وہ بھی مثل حضرت موسےؑ خلیفۃ اللہ ہیں اور یہ خلافت محض خلافت الٰہیہ۔ اور بعد اختیار خدا واعلان واظہار رسول کسی شخص کو اختیار نہیں ہے۔ اور کسی کی رائے کو دخل نہیں۔ قال عز من قائلہ "ماکان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً" (احزاب ع ۵) "جب خدا اور اس کا رسولؐ کسی امر کا فیصلہ کردیں۔ تو کسی مومن یا مومنہ کو ان کے کسی معاملہ میں کوئی اختیار نہیں ہے۔ اور جو خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے۔ وہ کھلم کھلا گمراہ ہے"۔ پس جب اپنے معاملات میں بمقابل خدا ورسولؐ اختیار نہیں ہے۔ تو خدائی امور میں کیونکر اختیار ہوسکتا ہے +

جس وقت خدا نے ایک شخص کو اپنی صفات کمالیہ کا نمونہ بنا دیا۔ اور اس کے رسولؐ نے اس کا اظہار کردیا۔ اور اپنے کام میں شریک کرلیا۔ اور اپنی غیبت میں اپنا قائم مقام بنا دیا۔ تو پھر کسی کو اختیار نہیں۔ کہ اس میں دخل دے۔ اس میں دخل دینے والے کھلم کھلے گمراہ ہیں" سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون"۔ نہ صرف خلافت الٰہیہ ہی ایک منصب جلیل ہے۔ بلکہ معمولی حکومت وبادشاہی بھی بالاستحقاق خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور بادشاہ مستحق بادشاہت وبرحق وہی ہے۔ جس کا تقرر من جانب اللہ ہو۔ بلا واسطہ یا بواسطہ رسولؐ۔ ملاحظہ ہو قصہ حضرت طالوتؑ۔ بنی اسرائیل نے اپنے نبی (شموئیل) سے کہا ہمارے لئے ایک بادشاہ بھیج دے جس کے ساتھ ہم راہ خدا میں جہاد کریں۔ "قال لھم نبیھم ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکاً"۔ ان کے نبی نے کہا۔ اللہ نے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ اسی وقت انہوں نے جواب میں کہا۔ اس کو کیونکر حکومت حاصل ہوسکتی ہے۔ وہ کیونکر ہم پر بادشاہ بن سکتا ہے۔ حالانکہ وہ کوئی بڑا مالدار نہیں ہے (آج کل بھی جہال کا خیال یہی ہے۔ حاکم اور لیڈر وہی ہے۔ جو بڑا مالدار ہو۔ خواہ اس میں کوئی قابلیت ولیاقت ہو یا نہ ہو) اور ہم اس سے زیادہ بادشاہت کے مستحق ہیں" قال ان اللہ اصطفٰہ علیکم وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم واللہ یؤتی ملکہ من یشاء واللہ واسع علیم" (بقرع ۳۲)۔ ان کے پیغمبرؑ نے کہا۔ ملک وحکومت ثروت ودولت پر موقوف نہیں ہے۔ خدا نے اس کو تم پر برگزیدہ کیا ہے۔ اور اس کام کے لئے پسند کیا ہے۔ اور اس کو طاقت جسمانی اور وسعت علمی تم سے بہت زیادہ عطا کی ہے۔ پس یہی مستحق بادشاہت ہے۔ اور جس کو

چاہتا ہے۔ ملک عطا کرتا ہے۔ اور وہ صاحب فضل واسع اور سب باتوں کا جاننے والا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ
استحقاق ملک وحکومت کون رکھتا ہے۔ لہٰذا بادشاہت بالاستحقاق خدا ہی کی طرف سے ہے۔ اور جس کو
پیغمبر کی زبانی یا بلا واسطہ مقرر کرے۔ وہ سچا بادشاہ ہے۔ اور معیار حکومت و بادشاہت علم و قدرت ہی
ہے۔ اور مستحق حکومت وہی ہے۔ جو سب سے اعلم و اشجع ہو جب ایک بادشاہ کے تقرر کا اختیار بندوں کو
نہیں ہے۔ تو خلافت الٰہیہ جو فوق حکومت دنیویہ ہے۔ اس میں بندگان خدا کو کیا اختیار ہو سکتا ہے۔ ہاں
وہ بادشاہ جو جبر و قہر و ظلم و جور و بزور قوت و شوکت و غلبہ سے سلطنت حاصل کرتا ہے۔ اس کا ذکر نہیں اس کو
حکومت استحقاقی اور حکومت دینیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ جابرہ دنیا کا طریقہ ہے۔ نہ خاصان خدا کا۔
خلافت کی اس تصریح و تشریح کے بعد اب ہم خلافت مطلقہ الٰہیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں +

خلافت مطلقہ کلیہ الٰہیہ

اس امر کے معلوم و محقق ہو جانے کے بعد کہ خلافت اتصاف باوصاف الٰہی کا نام ہے۔ یہ بھی ظاہر بلکہ اظہر بلکہ بدیہی ہے کہ
افضل خلفاء اللہ وہی ہے۔ جو اکمل مخلوقات و موجودات ہو۔ اور یہ بھی محقق و مسلم ہے۔ کہ سب سے اکمل و
اشرف و اعلیٰ و افضل وجود وہی ہے۔ جو اوّل مخلوق و مصنوع ہے۔ کیونکہ ہر صاحب صنعت اپنی پہلی
صنعت میں اپنے کمال کو ظاہر فرماتا ہے۔ کیونکہ نقص مصنوع نقص صانع کی دلیل ہے۔ اور کمال مصنوع
دلیل کمال صانع۔ اور بنص آیۂ کریمہ (وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ۔ وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ)
"میں مامور ہوں۔ کہ اوّل مسلمان بنوں" دال ہے۔ کہ اوّل مصنوع و مخلوق وجود محمدی ہے۔ حقیقۃً اوّل المسلمین کا
مصداق اس ذات پر ہو سکتا ہے۔ جو اوّل المخلوقین و المصنوعین ہو۔ اس لئے کہ اوّل مصنوع اکمل مصنوع ہے۔
پس وہ اوّل المسلمین ہوگا۔ کیونکہ جب کامل ترین مخلوق و اوّل مصنوع مطیع و منقاد مطلق خالق و صانع نہ ہو۔ تو
پھر کوئی مخلوق و مصنوع بھی خدا پر اسلام و ایمان نہ لائیگا۔ اور اس امر سے امر تکوینی و امر ایجاد مراد ہے۔
اور مطلب یہ ہے۔ کہ اسلام میری خلقت و سرشت میں داخل ہے۔ "و خلقت اوّل المسلمین" میں
اوّل المسلمین خلق ہوا ہوں۔ پس ضرور اوّل المسلمین اوّل المصنوعین ہی ہوگا۔ اور وہ ذات محمدی صلے اللہ علیہ
و آلہ وسلم ہے۔ یہیں سے خود حضرتؐ نے فرمایا۔ "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ" "وَاَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ رُوْحِیْ"۔
پہلی جو چیز خدا نے بنائی ہے۔ وہ میری روح و نور ہے +

یہ روح و نور دو چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ روح نفس نور ہے۔ اور نور نفس روح۔ قال عزّ و جلّ
وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ
نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ اور اسی طرح سے اے پیغمبر ہم نے ایک روح اپنے عالم امر سے

عطا کی ہے۔ تو نہیں جانتا تھا۔ کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان۔ لیکن ہم نے اُس روح کو نور قرار دیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے جس کو چاہتے ہیں۔ ہدایت کرتے ہیں۔ پس یہ روح نفس نور ہے۔ اور چونکہ یہ روح اکمل موجودات و اشرف مخلوقات و نمونہ بزرگ خداوند عالم ہے۔ اسی واسطے پیغمبر خاتم النبیینؐ تمام عوالم پر مبعوث ہوئے۔ اور نذیر قرار دئے گئے۔ اور حضرت آدمؑ صرف خلیفۃ الارض۔ قال اللہ تعالیٰ "تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا" "بزرگ و برتر ہے وہ ذات پاک۔ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے۔ تاکہ تمام عالم پر نذیر ہو"۔ اور حضرت آدمؑ کے لئے فرمایا۔ "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" "میں زمین میں آدمؑ کو بنانے والا ہوں"۔ اور حضرت آدمؑ کے متعلق "نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ" بعض من بعضیہ فرمانا۔ جو جزئیت پر دال ہے۔ اور آنحضرتؐ کے متعلق "رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا" فرمانا جو کلیۃ روح پر شاہد ہے۔ حضرت آدمؑ کی خداوند عالم سے خصوصیت جزئیہ پر دال ہے۔ اور آنحضرتؐ سے نسبت کلیہ مطلقہ پس پس افضل ترین خلفاء اللہ اوّل المسلمین و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ الطاہرین ہی ہیں۔ اور وہ خلیفہ مطلق الٰہی ہیں "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ"۔

نیز اس روح اعظم ختمی مرتبتؐ کے اوّل مخلوقات و اکمل موجودات ہونے سے یہ بھی ثابت ہے کہ بسیط ترین و مجرد ترین موجودات یہی روح ہے۔ کیونکہ مرکب بمقابلہ بسیط و مادی بمقابلہ مجرد ناقص ہے۔ اوّل مخلوق چاہئے کہ کامل ترین موجودات ہو۔ تاکہ نقص صانع پر دال نہ ہو۔ لہٰذا یہی مجرد ترین و بسیط ترین مخلوق و مصنوع ہے۔ اور چونکہ خدا واجب الوجود مجرد مطلق و بسیط محض ہے۔ لہٰذا خدا اور اس روح کے درمیان اور کوئی مخلوق واسطہ نہیں ہے۔ اور اس اوّل مخلوق کو اپنے خالق سے بلاواسطہ تعلق ہے۔ اور وہ ہمیشہ اپنے مبدء فیاض سے اتصال رکھتی ہے مثل شعاع آفتاب با آفتاب۔ کہ اگرچہ غیر آفتاب ہے۔ مگر آفتاب سے جدا نہیں۔ اور واسطہ فیضان آفتاب در مخلوقات وہی شعاع ہے۔ اور اسی سے تربیت عالم متعلق ہے۔ لہٰذا یہی ذات محمدیؐ درمیان خالق و مخلوق واسطہ مطلقہ ہے۔ اور اس کو خالق سے بلاواسطہ تعلق ہے۔ اور یہی نمونہ بزرگ خداوند عالم مثل اعلائے الٰہی ہے۔ "وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی" مظہر کامل ذات جامع جمیع صفات کمالیہ جمالیہ و جلالیہ ہے۔ چنانچہ جن صفات کمالیہ سے خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو متصف کیا ہے کسی کو نہیں کیا۔

خدا اپنے تمام بندوں پر دُنیا میں رحمان ہے۔ اور آخرت میں مومنین پر خاص طور سے مہربان اور رحیم۔ وقال "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ"۔ اور تصریح رحمت رحمانیہ میں فرمایا۔ "وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ" "میری رحمت ہر شے پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی رحمت رحمانیہ سے کوئی شے خارج

نہیں۔ اور رحمتِ رحیمیہ کے باب میں فرماتا ہے "وَرَحْمَةُ اللهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ" رحمتِ خدا خاص نکوکاروں کے قریب ہے۔ بدکار اس رحمتِ خاصہ سے محروم ہیں۔ پس وہ مومنین و محسنین پر خاص طور سے رؤف و رحیم و نرم و مہربان ہے۔ اُس نے اپنے پیغمبرؐ اور حبیبؐ خاص کو بھی صفت رحمانیت و رحیمیت اور رؤفیت سے متصف فرما کر اپنا مظہرِ کامل قرار دیا ہے۔ وَقَالَ عَزَّ وَعَلَا "وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ" "نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر تمام عوالم کے لئے رحمت۔ کوئی عالم اور کوئی موجود از موجوداتِ عالم رحمتِ محمدی سے خارج نہیں۔ کیونکہ مظہرِ رحمتِ رحمانیۂ خدا ہے۔ اور رحمتِ رحیمیت و رؤفیت کی نسبت فرمایا "لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ" (توبہ ع ۱۵) "البتہ تمہارے پاس تمہارے نفیس ترین نفوس میں سے ایسا رسول آیا ہے۔ کہ اگر تم کو کوئی رنج و تکلیف پہنچے۔ تو وہ اس پر نہایت گراں گزرتی ہے۔ اور تمہاری ہدایت کے لئے نہایت ہی حریص ہے۔ اور مومنین پر خاص طور سے نرم و مہربان" پس خدا رحمان و رحیم ہے۔ اور اس کا حبیبؐ مظہرِ رحمانیت و رحیمیت +

خدا نورِ زمین و آسمان ہے۔ "اَللهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكٰوةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الخ" "اللہ نورِ زمین و آسمان ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ چراغدان میں شمع ہو۔ اور شمع پر چمکتا ہوا شیشہ" اس کا حبیبؐ مرکزِ انوارِ عالم و عالمیان و نورِ مجسم۔ قَالَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى "قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللهِ نُورٌ وَكِتٰبٌ مُّبِينٌ" "تحقیق کہ خدا کی طرف سے تمہارے پاس ایک نورِ مجسم اور کتاب روشن آئی ہے +

خدا بُرہانِ کُل ہے۔ اور وہ ہر شے کی دلیل ہے۔ مگر اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ محبوبِ خدا بھی بُرہانِ قاطع و دلیلِ مجسم ہے۔ وَقَدْ قَالَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى "وَقَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا" "تحقیق کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک برہانِ مجسم آیا ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف نورِ روشن نازل کیا ہے" کیونکہ نفسِ وجودِ محمدی بُرہانِ توحیدِ الٰہی ہے۔ جس نے نبی کو پہچانا۔ اُس نے خدا کو پہچان لیا۔ اور وہ شمعِ روشن ہے۔ جو اس کی روشنی میں آگیا۔ نجات پا گیا۔ منزلِ مقصود پر پہنچ گیا +

خدا داعی الی الحق ہے۔ حیث یقول "وَاللهُ يَدْعُوا إِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلٰى صِرٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ" "خدا تمہیں دار السلام کی طرف بلاتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے۔ راہِ مستقیم دکھلاتا ہے۔ اس کا نبیؐ بھی داعی الی اللہ ہے۔ فَقَالَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ

اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا" اے رسول ہم نے تجھے شاہد و بشیر و نذیر اور داعی خلق بنا کر بھیجا ہے۔ اور تجھے ہدایت کے لئے شمع روشن قرار دیا ہے +

خدا ہادی خلق ہے۔ رسول خدا بھی ہادی ہے اللہ ہے۔ قَالَ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَاۤءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (یونس) جس کو چاہتا ہے۔ صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ وقال انک لتھدی الی صراط مستقیم" تحقیق کہ تو بھی صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے +

خدا صراط مستقیم پر ہے۔ رسول خدا بھی صراط مستقیم پر ہے۔ قال عز من قائلہ" وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" کوئی متحرک زمین پر چلنے والا نہیں مگر خدا اس کی پیشانی کو پکڑے ہوئے ہے۔ تحقیق کہ میرا پروردگار صراط مستقیم پر ہے۔ وقال" يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" اے یسین (محمدؐ) قسم ہے قرآن حکیم کی تحقیق کہ تو مرسلین میں سے ہے۔ اور تو صراط مستقیم پر ہے +

خدا علیم و حکیم ہے۔ اس کا پیغمبر بھی صاحب علم و حکمت ہے۔ اور معلم کتاب و حکمت۔ وقال عز وجل" بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ الخ" اللہ نے اُمیین میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے۔ جو اُن پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے۔ اور تزکیہ کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے +

خدا صاحب عرش مالک علم تقدیر و تدبیر ہے۔ اور اس کا رسولؐ خزینۂ علم الٰہی اور حامل عرش علم تدبیر ہے۔ قال سبحانہ وتعالیٰ" رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ" خدا درجات کا بلند کرنے والا صاحب عرش علم ہے" وقال هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاۤءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" (ھود ع ۱) "وہی خدا ہے۔ جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ تاکہ تمہارا امتحان کرے۔ کہ کون تم میں سے سب سے بہتر عمل کرتا ہے"۔ یہاں ماء سے مراد حقیقت روحانیہ محمدیہ ہے۔ جو اوّل مخلوق و مصنوع و واسطہ مطلقہ فیضان الٰہی ہے۔ وہی حامل عرش الٰہی یعنی خزینۂ علم الٰہی وجود رسالت پناہی ہے۔ وکذا قال صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ" میں علم کا شہر ہوں۔ یعنی میرا نفس وجود شہر علم الٰہی ہے +

خدا سمیع و بصیر و شہید علے الخلق ہے۔ پیغمبر خدا بھی مظہر سماعت و بصارت الٰہی اور شہید علے الخلق ہے۔ وقال سبحانہ وتعالیٰ" اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ" کیا تیرے پروردگار کے علم و قدرت و سماعت و بصارت کے لئے یہی کافی نہیں ہے۔ کہ وہ ہر شے پر شہید و حاضر و ناظر ہے۔

اور سب پر احاطہ رکھتا ہے۔ اور تعالیٰ فی شان النبیؐ "کیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید و جئنا بک
علیٰ ھؤلاء شہیدا" "اس دن کیا ہوگا؟ جب ہم ہر ایک اُمت میں ایک شہید کو لائینگے۔ اور اے
ہمارے حبیبؐ تجھ کو ان تمام شہیدوں پر شہید قرار دینگے"۔ تمام انبیاؑ اپنی اپنی امت پر شہید ہیں اور محبوبؐ خدا
تمام انبیاؑ پر شہید۔ حضرت آدمؑ سے لیکر تا حضرت عیسےٰؑ سب آپ کے زیرِ شہادت ہیں چنانچہ خدا
تمام بندوں کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ اس کا رسولؐ بھی تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔ اور ان پر شہید
ہے۔ قال عز وجل "قل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ" (توبہ ع ۱۳) "کہدو اے حبیبؐ کہ
جو تمہارا دل چاہے عمل کرو۔ خدا اور اس کا رسولؐ تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں"۔ چونکہ یری مکرر نہیں
آیا۔ اس لئے رویت خدا و رویت پیغمبرؐ دونو ایک ہی سی ہیں۔ یعنی رویتِ خدا جس طرح سے بطورِ احاطہ ہے۔
نہ بطورِ اخبار۔ اسی طرح سے رویتِ پیغمبرؐ بھی بطورِ احاطہ ہے۔ کہ شہید علی الناس ہے۔ نہ بطورِ اخبار۔ لیکن
خدا بالذات شہید ہے۔ اور پیغمبرؐ بالعرض باعطاء قوت لدنیہ *

خدا ولی مطلق و متصرف کل ہے۔ کما قال "اللہ ھو الولی" خدا ہی ولی مطلق ہے۔ اور تمام عوالم
پر تصرف کلی رکھتا ہے۔ بعدِ خدا اس کا حبیبؐ ولی مطلق۔ فقال "انما ولیکم اللہ و رسولہ" "سوائے اس کے
نہیں ہے کہ تمہارا ولی خدا ہے اور اس کا رسول"۔ اوّل مظہرِ ولایت پیغمبرؐ خدا ہیں *

خدا علیم بالذات حکیم بالذات۔ کریم بالذات۔ رؤف بالذات۔ رحیم بالذات۔ اور عدل مطلق نفس خُلق و
عین خُلق ہے۔ اس کا حبیبؐ محیط بر خلقِ عظیم۔ فقال سبحانہ و تعالیٰ "انک لعلی خلق عظیم" "تحقیق کہ اے
ہمارے حبیبؐ تو خلق عظیم پر احاطہ رکھتا ہے *

غرض نمونہ صفات کاملہ اس کے مظہر کل و مصدر کل میں موجود ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ ایک حکیم
کا خلیفہ و جانشین و قائم مقام ایک حکیم ہی ہوگا نہ کہ سفیہ۔ ایک عالم کا جانشین عالم ہوگا نہ جاہل مطلق۔
ایک شجاع کا قائم مقام ایک بہادر و دلیر ہی ہوگا نہ کہ نامرد و بزدل پس خداوند عالم حی و قیوم۔ قادر و
مختار۔ علیم و حکیم۔ سمیع و بصیر۔ لطیف و خبیر۔ حلیم و کریم۔ عطوف و رؤف و رحمان و رحیم کا خلیفہ و جانشین
و قائم مقام۔ فنا مجسم۔ بے قدرت و اختیار۔ جاہل و سفیہ۔ بد مزاج تند خو۔ فظ غلیظ القلب۔
اعمےٰ و اصم۔ خسیس و بخیل۔ بد خلق و نامہربان۔ صاحب خشونت و شراست نہیں ہو سکتا۔ بلکہ صاحب
قدرت و ارادہ و علم و حکمت و سماعت و بصارت و لطف و کرم۔ حلم و عطوفت و رحمانیت و رحیمیت و صاحب
فہم و فراست ہوگا۔ لہذا افضل خلفاء اللہ حضرت محمد مصطفےٰؐ تمام صفاتِ کاملہ و اخلاقِ فاضلہ سے متصف و
موصوف ہے۔ اور چونکہ وہ اوصافِ خدائی سے متصف ہے۔ اور اس سے بلا واسطہ تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کو

اپنے مستخلف سے وہ نسبت اتصالیہ ہے۔ جو شعاعِ آفتاب۔ جرمِ آفتاب سے ہوتی ہے۔ اِس لئے وہ بمنزلۂ آلات عمالہ الٰہی ہے۔ اور اسی سے افعالِ خدائی صادر ہوتے ہیں۔ خدا چشمِ محمدی سے دیکھتا ہے۔ اور گوشِ محمدی سے سنتا ہے۔ اس کی زبان سے بولتا ہے اور اس کے ہاتھ سے دیتا اور لیتا ہے۔ وہ عین اللہ و اذن اللہ و لسان اللہ و ید اللہ و جنب اللہ ہے۔ ملاحظہ ہوں نصوصاتِ قرآنیہ۔ "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ" اے ہمارے حبیبؐ جو لوگ تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ وہ ہم سے بیعت کرتے ہیں۔ اور ہمارا ہاتھ در اصل اُن کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ کیونکہ دستِ محمدی دستِ خدائی ہے۔ "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی" اے ہمارے حبیبؐ تو نے خاک نہیں پھینکی جبکہ پھینکی یعنی پھینکی تو نے ہی ہے۔ مگر در اصل تو نے نہیں پھینکی۔ لیکن اللہ نے پھینکی ہے۔ کیونکہ تیرا ہاتھ ید باسطۂ الٰہی ہے۔ ہم جو کرتے ہیں تیرے ہاتھ پر کرتے ہیں۔ اور تیرے ہاتھ سے اس کا ظہور ہوتا ہے۔ "وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی" پیغمبرؐ اپنی خواہشِ نفس اور طبیعت سے کچھ نہیں بولتا۔ جو کچھ اس کی زبان سے نکلتا ہے کلامِ خدا و وحی الٰہی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ لسان اللہ ہے۔ ع

"اللہ بولتا ہے انہی کی زباں سے"

"قُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ" خدا اعمالِ بندگان کو دیکھتا ہے۔ اس کا پیغمبرؐ بھی اعمالِ بندگان خدا کو اسی قوتِ نورانیۂ الٰہیہ سے جو اس کو دی گئی ہے دیکھتا ہے۔ اور اس نور کا ظہور چشمِ حبیبؐ سے ہوتا ہے۔ وہ شہید بر خلق ہے۔ اور اس کے لئے خواب و بیداری مساوی ہے۔ کیونکہ شہید ہے۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے۔ کہ آپ خواب سے بیدار ہو کر بلا وضو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اور ایک مرتبہ اُمّ المومنین عائشہ نے دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ "تَنَامُ عَیْنِیْ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ" میری آنکھ بند ہو جاتی ہے اور دل بیدار رہتا ہے۔ اور کس طرح ایسا نہ ہو حالانکہ وہ اس ذاتِ واجب الوجود کا خلیفہ و جانشین و مظہرِ کامل ہے جس کی صفت "لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ" ہے۔ نہ اُس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ اور چونکہ افعالِ محمدی افعالِ الٰہی ہیں۔ اس لئے اطاعتِ پیغمبرؐ عین اطاعت اللہ ہے۔ فقال عزّ و جل "وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔ اور اسی واسطے بعد اپنی اطاعت کے لوگوں پر اپنے حبیبؐ کی اطاعت بھی واجب کی ہے۔ فقال "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" اطاعت کرو خدا کی۔ اور اطاعت کرو اس کے رسولؐ کی۔ خدا معبودِ حق ہے۔ اور پیغمبرؐ معبود الطاعت۔ اور بلا اطاعتِ رسولؐ کوئی عبادتِ خدا قبول نہیں۔ اسی واسطے نماز میں جو حدِ توحید اور رکن دین ہے پیغمبرؐ شریک ہے۔ اور بلا اس پر صلوات بھیجے نماز درست نہیں۔ باطل ہے۔ اور اسی واسطے پیغمبرؐ مومنین کی جانوں کا خود ان سے زیادہ مالک ہے۔ "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی

بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ" نبی مومنین کی جانوں کا خود ان سے زیادہ مالک اور ان پر متصرف ہے۔ اور
حکم پیغمبرؐ واجب الاتباع ہے۔ اگرچہ انسان عبادت خدا نماز میں ہی کیوں مشغول نہ ہو۔ اگر پیغمبرؐ بلائے۔ اور
حکم دے۔ تو فوراً نماز کو قطع کر دینا واجب ہے۔ فقال عز وجل "اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ" جواب دو اللہ اور
اس کے رسولؐ کو۔ خواہ کسی حال میں ہو۔

فی الجملہ پیغمبرؐ چونکہ مظہر کامل خداوند عالم اور نمونہ بزرگ الٰہی اور آئینہ جمیع صفات کمالیہ۔ جلالیہ و جمالیہ
ہے فعل اس کا فعل خدا ہے۔ اور قول اس کا قول خدا۔ اطاعت اس کی اطاعتِ خدا اور حکم اس کا مثل حکم خدا
اور وہ خلیفہ و قائم مقام خدا متخلق باخلاق الٰہی ہے۔ قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ
فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمِیْ وَاَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ" خدا نے مجھے تعلیم دی اور بہت اچھی تعلیم دی
اور میری تادیب کی اور خوب اچھی طرح تادیب کی جب اس طرح سے اپنے محبوبؐ کو اپنے اخلاق و آداب
و علوم و فنون سے مکمل بنا دیا تو اس کو اپنا قائم مقام بنا دیا اور اپنے بندوں کو حکم دیدیا۔ کہ ہر ایک امر میں
اس کی اطاعت کرو۔ "مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا" جو کچھ تمہیں رسولؐ حکم دے
اس کا امر کرے۔ اس کو مان لو۔ اور جس چیز سے منع کرے۔ اس سے باز رہو یہ ہیں معنی **خلافت الٰہیہ** اور یہی
ہے **خلافت ثابتہ قائمہ راشدہ**۔

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں۔ کہ اصل اصول کمالات اور مقدم صفات علم ہے۔ اس لئے حضرت آدمؑ کی
خلافت کے اظہار کے موقع پر ملائکہ سے اس علم کا اظہار کیا گیا۔ کہ اگر تم ادعائے استحقاق خلافت میں سچے ہو۔ تو
اپنے علم کا امتحان دو۔ اور ان تمام چیزوں کے نام بتلاؤ۔ آدمؑ اس امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اور ملائکہ فیل۔ کیونکہ
حضرتؑ ہی کو خدا نے اس صفتِ علم سے متصف اور مختص کیا تھا۔

اسی طرح اپنے کمالات کے اظہار کے موقع پر پیغمبر خداؐ و افضل خلفاء اللہ نے اپنی کسی فضیلت
اور شرافت کو ذکر نہیں فرمایا۔ اور نہ اپنی عبادت تسبیح تہلیل تقدیس اور تحمید کا ذکر کیا۔ حالانکہ احمدؐ یقینی
تمام حامدین سے زیادہ حمد خدا بجا لانے والے تھے۔ بلکہ خود ذکر مجسم تھے۔ فقال عز وجل
"وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا" ہم نے تمہاری طرف ایک ذکر مجسم بھیجا ہے۔ جو رسولؐ ہے۔ بلکہ فضیلت
و کمال علمی ہی کو ذکر فرمایا۔ اور کہا "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ" میں شہر علم ہوں۔ اور تمام فضائل و کمالات تحتِ علم
ہیں پس خلیفہ خدا کا اول صفتِ علم موہبتی سے متصف ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ علم علم موہبتی ہی ہے۔
نہ کسبی۔ جیسا کہ ہم قصہ حضرت آدمؑ میں ثابت کر چکے ہیں۔ اور اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ کہ
وجود محمدیؐ خزانہ علم الٰہی ہے۔ اور ہر ایک خلیفہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور نبی شکم مادر ہی سے عالم بلکہ

علیم پیدا ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو قصہ حضرت اسحاقؑ "وَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ" ہم نے ابراہیمؑ کو ایک علیم لڑکے کی بشارت دی یعنی ایک بچے کی جو ماں کے پیٹ سے علم اپنے وجود اور صفات کے ساتھ لیکر آئیگا۔ نبی اللہ و خلیفہ خدا ہوگا۔ نیز ملاحظہ ہو قول حضرت عیسیٰؑ "آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا" مجھ کو خدا نے حقیقت کتاب علم دی ہے۔ اور نبی بنایا ہے +

لیکن علم حسب ضرورت مکان و زمان مختلف و متفاوت ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت آدمؑ کو صرف علم اسماء و مسمیات دیا گیا تھا۔ نہ کہ علم حقائق و ماہیات۔ کیونکہ نوع انسانی کی ابتدا تھی۔ اور تعلیم اوّلی و ابتدائی۔ اور تعلیم اوّلی میں صرف اسماء سکھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعد ازاں مراتب علم حسب ضرورت و مصلحت زیادہ ہوتے گئے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں حقائق بھی تعلیم ہوئے۔ فقال عزّ وجلّ "وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو بواطن زمین و آسمان دکھلائینگے۔ اور جب مقام ختم نبوت و نبوت مطلقہ و خلافت مطلقہ پہنچا۔ تو کسی خاص علم کی قید نہیں رکھی گئی۔ بلکہ فرمایا "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" اے حبیبؐ جو کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا خدا نے وہ تجھے سکھا دیا۔ کیونکہ وہ کتاب (قرآن) تعلیم دی گئی۔ جو جامع جمیع کتب و تبیان کل شیٔ ہے۔ فقال "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ" رحمان نے اپنے محبوبؐ کو قرآن تعلیم دیا۔ وہ قرآن جس کی صفت یہ ہے "وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا" یعنی اگر کوئی ایسا قرآن ہے۔ کہ پہاڑ اس سے چل نکلیں۔ زمین پارہ پارہ ہو جاتے۔ طی الارض ہو جائے۔ مُردے اس کے ذریعہ سے بول اٹھیں۔ بلکہ ہر ایک امر الٰہی اس سے انجام پا جائے۔ تو وہ یہی قرآن ہے۔" پس جس کو خدا نے اس قرآن کا علم دیدیا ہو۔ اس کے احاطۂ علمی کی کیا انتہا؟ وہ اگر چاہے۔ تو ایک دم میں مشرق سے مغرب پہنچ جائے۔ بلکہ فرش سے عرش تک چشم زدن میں جائے اور آئے۔ پہاڑوں کو حکم دے۔ تو چل نکلیں۔ مُردوں نہیں بلکہ سوکھے درختوں کو حکم دے۔ تو بول اٹھیں اور کلام کریں۔ چاند کو حکم دے تو ٹکڑے ہو جائے۔ غرض تمام امور الٰہی کو اسی سے انجام دے سکتا ہے اور دیتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے سے نذیر عالمین و ولی مطلق و متصرف کل ہے۔ "إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ" یہ قرآن وجود محمدی میں ہے۔ اور نفس وجود محمدی کتاب لاریب فیہ۔ قرآن وہ صورت مقروء ہے۔ جو زبان پیغمبرؐ سے نکلی۔ قال اللہ تعالیٰ "إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ" یہ قرآن کریم ہے کتاب مکنون کے اندر۔ اس کو سوائے مطہرین کے کوئی مس نہیں کر سکتا۔ کون مطہر؟ جن کی شان میں آیا ہے "إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا" الحاصل پیغمبر خاتم النبیین

چونکہ خلیفہ مطلق و افضل الخلفاء ہے۔ اس لئے اُس کو معیارِ خلافت یعنی علم الٰہی میں سے اتنا حصہ دیا گیا ہے۔ جو اور کسی کو نہیں دیا گیا +

تنبیہ۔ بیانِ سابق سے کہ خلیفہ خدا مظہرِ خدا ہے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ نبی اللہ خلیفۃ اللہ معصوم ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا خیر مطلق ہے۔ اور اپنے خلیفہ کو اپنی صفات کاملہ سے موصوف کیا ہے۔ اور اس کو خدا سے بلاواسطہ تعلق ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے شرک کبھی صادر نہیں ہو سکتا جو ظلم جلی ہے۔ اور چونکہ رُوح اس کی رُوح خاص ہے۔ جو خدا کی طرف منسوب ہے۔ اور جن و انس و ملائکہ سے افضل اور ان سے فوق ہے۔ اس لئے شیاطین اس پر مسلّط نہیں ہو سکتے۔ اور معصیت پر آمادہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ کوئی شے ماتحت اپنے مافوق پر غالب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ان سے معاصی صادر نہیں ہو سکتے۔ جو ظلم خفی ہیں پس خلیفۂ خدا ظلم جلی اور ظلم خفی دونوں سے مبرّا و منزّہ ہوتا ہے۔ اور یہی معنی عصمت ہیں موجود لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ پس یہی خلیفۃ اللہ اوّل عہد سے آخر عہد تک معصوم ہر ایک گناہ سے پاک ہوتا ہے +

بابِ دُوم

تحقیق و تشخیصِ خلافتِ نبوّتِ مُطلقہ کُلّیہ

ثبوتِ معیارِ خلافت درِ علی ابنِ ابی طالبؑ

بابِ اوّل کو صرف معنی خلافت سمجھانے کے لئے اتنا مشرح لکھا ہے۔ اور جب معنی خلافت سمجھ میں آ گئے۔ کہ خلافت اتصاف باوصاف۔ تخلق باخلاق و تادّب بآداب اور توارثِ صفات کا نام ہے۔ اور خلیفہ اپنے مستخلف کا آئینہ ہوتا ہے جس میں تمام اوصافِ مستخلف کا عکس نظر آتا ہے۔ بشرطیکہ انسان چشم بصیرت رکھتا ہو۔ تو اب اس کے سمجھنے اور معلوم کرنے میں ذرا بھی دقّت نہیں ہو سکتی۔ کہ پیغمبر خاتم النبیین و افضل و اکمل خلفاء رب العالمین کا خلیفہ و جانشین اس کا قائم مقام اور اس کی

جگہ اس کا کارکن اور کارِ نبوی انجام دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ یعنی جانشین نبی بعد نبی وہی شخص ہوگا جو جملہ کمالاتِ پیغمبری کا مظہر اور اس کی تمام صفاتِ حسنہ کا نمونہ اور مکمل اوصاف و اخلاق فاضلہ کا آئینہ ہو۔ جس میں ہر فضیلت پیغمبری کا عکس نظر آتا ہو۔ اور جس کے چہرے میں جمال محمدی دکھائی دیتا ہو۔ اور جس کے چہرے پر نظر کرنا پیغمبرؐ کے چہرۂ مبارک پر نظر کرنا اور عین عبادتِ خدا ہو۔ وہ عقل و فہم و علم و حلم۔ قدرت و عزم و شجاعت و سخاوت و قناعت و حسب و نسب۔ تحمل و تجمل و صبر و استقلال و رضا و اطمینان۔ لطف و کرم۔ رئوفیت و رحیمیت اور طہارت و عصمت میں مثلِ پیغمبرؐ ہو۔ اگر وہ صاحب آیاتِ بینات و معجزات باہرات ہو۔ تو یہ صاحب اعجاز و کرامات۔ اگر وہ علم احاطی رکھتا ہے۔ تو اس کا بھی احاطی ہو نہ اخباری۔ اگر اس کا علم موہبتی الٰہی ہے۔ تو اس کا بھی وہبی و لدنی۔ نہ تصوری فرہنگی۔ اگر وہ مدینۂ علم ہے۔ تو یہ بھی بابِ علوم۔ اگر وہ حامل عرش علم التقدیری ہے۔ تو یہ بھی صندوق اسرار و وارثِ علم تدبیری۔ اگر وہ صاحب خُلق عظیم ہے۔ تو یہ بھی خُلق مجسم۔ نہ فظِ غلیظ القلب۔ صاحبِ خشونت و شراست۔ اگر وہ شجاع ہے۔ تو یہ بھی شیر بیشۂ ہیجا۔ اگر وہ نور کبریا ہے۔ تو یہ بھی شمع ہدیٰ۔ اگر وہ آفتاب ہدایت و ارشاد ہے۔ تو یہ بھی ماہتاب صداقت و سداد۔ اگر وہ معراجِ عالم ہے۔ تو یہ بھی نفسِ ناطقۂ بنی آدم۔ اگر وہ سامی النسب و عالی الحسب ہے۔ تو یہ بھی فخرِ قبائلِ عجم و عرب۔ اگر وہ اوّل المسلمین ہے۔ تو یہ بھی اوّل المومنین۔ اگر وہ سید المرسلین ہے۔ تو یہ سید الوصیین۔ اگر وہ خاتم الانبیاء ہے۔ تو یہ خاتم الاوصیاء و الاولیاء۔ اگر وہ امّ الارواح ہے۔ تو یہ ابو الاجسام و الاجساد (ابو تراب)۔ اگر وہ مرکزِ انوار ہے۔ تو یہ مصدر انوار۔ اگر وہ صادق و امین ہے۔ تو یہ لسانِ صدق فی الآخرین۔ اگر وہ افضل المعصومین ہے۔ تو یہ ابو الائمۃ المعصومین۔ اگر وہ نوید بزرگ خدائے علیم ہے۔ تو یہ نبأ عظیم۔ اگر وہ از جانبِ خدا معلم حکمت و کتاب کریم ہے۔ تو یہ عند اللہ علی حکیم۔ اگر وہ اشرف المقربین السابقین ہے۔ تو یہ صالح المومنین۔ اگر وہ حامی روزِ محشر ہے۔ تو یہ ساقی حوض کوثر۔ اگر وہ صاحبِ مقامِ محمود ہے۔ تو یہ حامل لوائے حمد یوم المشہود۔ نہیں رسولؐ اور خلیفۂ رسولؐ ایک نور کے دو ٹکڑے۔ ایک اصل کے دو تنے۔ ایک صدف کے دو موتی۔ ایک کان کے دو گوہر۔ ایک آسمانِ ہدایت کے آفتاب و ماہتاب۔ نہیں نہیں دونوں ایک ایسا اتحاد ذاتی و صفاتی رکھتے ہوں۔ کہ دوئی کا شبہ ہی جاتا رہے۔ اور خلیفۂ رسولؐ نفسِ رسولؐ ہو۔ ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

صفاتِ علویؑ و خلافتِ نبویؐ

بہر کیف اوصاف خلیفۂ نبی تمام تر اوصافِ نبیؐ ہیں۔ چنانچہ مقامِ اظہار

میں جو معیار خلافت اپنے لئے قرار دیا ہے۔ وہی اپنے جانشین کے لئے قرار دیا ہے۔ نقال صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم "انا مدینۃ العلم وعلیٌّ بابھا" میں شہر علم ہوں۔ اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح ترمذی وغیرہ "وانا دار الحکمۃ وعلیٌّ بابھا ومن اراد الحکمۃ فلیاتھا من بابھا" میں خانۂ حکمت ہوں۔ اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ اور جو شخص حکمت چاہتا ہے۔ اس کو چاہئے کہ باب حکمت سے خانۂ حکمت میں داخل ہو۔ کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے "واتوا البیوت من ابوابھا" گھروں میں ان کے دروازے سے داخل ہو۔ اس سے مراد ہمارے گھروں کے دروازے نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اگر اس سے مراد ہمارے گھروں کے دروازے ہوں۔ تو یہ حکم فضول ہوگا۔ اس واسطے کہ کوئی احمق سے احمق بھی ایسا نہیں ہے۔ جو اپنے گھر میں پشت کی طرف سے یا دیوار کود کر داخل ہوتا ہو۔ بلکہ مراد اس سے باب شہر علم اور باب بیت نبوت و رسالت ہے۔ پس جو چاہتا ہے علوم نبوی سے مستفیض اور خانۂ نبوت میں داخل ہو۔ وہ باب علوم کے پاس آئے۔ کیونکہ وہی قائم مقام نبی و آئینہ جمال نبوی ہے۔ اور فیض نبی اسی کے ہاتھ پر جاری۔ حتےٰ کہ آخرت میں بھی۔ اس لئے کہ مالک کوثر پیغمبر ہے۔ کما قال عز وجل "انا اعطیناک الکوثر" ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا ہے۔ اور ساقی کوثر روز محشر اس کا خلیفہ و جانشین علیؑ بن ابی طالب ہے۔ کیونکہ یہ خلافت بھی خلافت الٰہیہ ہے۔ جیسا کہ پہلے ثابت کیا گیا۔ صرف فرق یہ ہے۔ کہ بعد نبی خلیفہ نبی صاحب شریعت جدیدہ نہیں ہوتا۔ اسی شریعت نبوی کا مبلغ ہوتا ہے +

علم علوی

پس خدا نے اپنے نبیؐ کو قرآن پڑھایا۔ اور علیؑ کو علم جنس کتاب عطا کیا۔ نقال "قل کفی باللہ شھیدا بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب" کہدو اے پیغمبر کہ اے مخالفو و منکرو میرے اور تمہارے درمیان میرا خدا شہادت کے لئے کافی ہے۔ اور وہ جس کو علم کتاب حاصل ہے۔ اگر کتاب سے مراد جنس کتاب ہے تو۔ اور اگر خاص کتاب یعنی قرآن مراد ہے تو۔ ہر حال میں عالم علم کتاب "ومن عندہ علم الکتاب" وہی شخص ہو سکتا ہے۔ جو علم مطلق رکھتا ہو۔ اور کسی سوال کے جواب میں عاجز نہ ہو۔ اور سا ٹھہرا کر مجمع میں بر سر منبر بکمال قوت قلب فرمائے "سلونی قبل ان تفقدونی عما شئتم فانی اعلم بطرق السمٰوات من طرق الارض" پوچھو مجھ سے قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ جو کچھ تمہارا دل چاہے (خواہ زمین کی باتیں پوچھو یا آسمان کی)۔ کیونکہ میں طرق زمین سے طرق آسمان کا زیادہ عالم ہوں۔ اور وہ علی بن ابی طالبؑ ہے نہ کوئی اور۔ ملاحظہ ہوں کتب تواریخ و سیر و حالات جنگ جمل و خطبہ حضرت امیر المومنینؑ بعد فتح بصرہ۔ تمام اہل اسلام متفق ہیں۔ کہ یہ کلام حقائق التیام کلام جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے +

عالم علم کتاب وہ ہو سکتا ہے۔ جو یہ فرمائے " لَوْکُشِفَ الْغِطَاءُ لَمَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا " اگر تمام حجابہائے حدوث و امکان اور پردہائے ظلماتِ جسمانیہ فانیہ مادیہ و استارہائے مراتب دہریہ میرے اور واجب الوجود حی قیوم ازلی و ابدی و سرمدی خالق زمین و آسمان کے درمیان سے اٹھائے جائیں۔ تو جو علم و یقین اس کی معرفت مجھے اب حاصل ہے۔ اس میں کچھ زیادتی نہ ہوگی (فواتح بیبندی وغیرہ)۔ کیونکہ وہ خلیفۂ خدا و نور کبریا مظہر اوصافِ الٰہی و خود آئینۂ جمال خداوندی ہے۔ اس کی معرفت میں حجابہائے ظلماتِ جسمانیہ وغیرہا کیونکر حائل ہو سکتے ہیں۔ وہ خود حجۃ اللہ و دلیل و برہان حق ہے۔ ونعم ما قیل فیہ ؎

هَا عَلِیٌّ بَشَرٌ کَیْفَ بَشَرٌ   رَبُّہٗ فِیْہِ تَجَلّٰی وَ ظَهَرْ

آگاہ ہو کہ علی بشر ہے۔ مگر کیسا بشر ہے۔ کہ اس کے پروردگار نے اس میں ظہور کیا ہے۔ وہ مظہر کمالاتِ الٰہی ہے۔ وقال ابن الحدید ؎

فَذَاتُ لِمَخْلُوْقٍ وَوَصْفٌ لِخَالِقٍ   وَقَدْ حَارَتِ الْاَلْبَابُ اٰیَةً حَیْرَةٍ

وہ مخلوقات کی اصل و معراج سوال ہے۔ اور خدا کا آئینۂ اوصاف۔ اور عقلیں اس کے باب میں سخت حیرت میں ہیں +

قرآن کی صفت معلوم ہے۔ کہ تِبْیَانٌ کُلِّ شَیْءٍ ہے۔ اور پہاڑ اس سے حرکت کر سکتے ہیں۔ زمین قطع ہو سکتی ہے۔ مُردے بول سکتے ہیں۔ بلکہ ہر ایک امر الٰہی اس سے انجام پا سکتا ہے پس عالم علم کتاب حامل کتاب " وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ " وہی ہو سکتا ہے۔ جو تمام امور میں تصرف رکھتا ہو۔ اگر درخت کو حکم دے چلا آئے۔ اگر آفتاب کو حکم دے تو لوٹ آئے چشم زدن میں مشرق سے مغرب تک پہنچ جائے۔ ایک وقت میں چالیس جگہ مہمان ہو۔ زمین پر ہو۔ آسمان پر ہو۔ غرض مظہر العجائب و مظہر الغرائب ہو " نَادِ عَلِیًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْہُ عَوْنًا لَکَ فِی النَّوَائِبِ " اور کیونکر ایسا نہ ہو۔ حالانکہ آصف برخیا وصی حضرت سلیمانؑ کو صرف کتاب کا تھوڑا سا علم حاصل تھا۔ انہوں نے چشم زدن سے پہلے تخت بلقیس اٹھالیا یعنی ایک ماہ کی راہ سے لا کر رکھ دیا تھا " وَقَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ " یعنی جس کو کتاب کا کچھ علم حاصل تھا اُس نے کہا۔ میں تخت بلقیس کو تمہاری پلک جھپکنے سے پہلے لا دونگا۔ پس جس کو کل کتاب کا علم ہو۔ اُس کی قوت و قدرت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے " ھُوَ مَظْهَرُ الْعَجَائِبِ وَالْغَرَائِبِ " تفصیل حصہ دوم میں ملاحظہ ہو +

طہارت علوی

ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ کتاب در اصل نفس وجود نبوی ہے۔ اور قرآن وہ سورت بقرہ۔ جو پیغمبرؐ نے اپنی زبان مبارک سے

بوحی الٰہی تلاوت فرمائی۔ اور "اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ" (بیشک یہ قرآن کریم
کتاب مکنون میں ہے۔ نہیں مس کرتے ہیں اس کو مگر مطہرین) اس پر شاہد۔ پس "مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ" وہی
ہوگا جس کے پاس علم نبیؐ ہو۔ اور وہ مالک و وارث علم نبوت و باب شہر علم نبویؐ۔ فقال "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ
وَعَلِیٌّ بَابُہَا" پس "مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ" کا مصداق غیر از علیؑ ابن ابی طالبؑ اور کوئی نہیں ہو سکتا چنانچہ
ثعلبی وغیرہ نے عبداللہ بن سلام سے روایت کی ہے۔ کہ "مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ" سے مراد علیؑ ابن
ابی طالبؑ ہیں۔ اور یہ بالکل غلط ہے۔ کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ
خود عبداللہ بن سلام ہی کے قول سے ظاہر ہے۔ اور سعید بن منصور و ابن جریر۔ ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے
سعید بن جبیر سے روایت کی ہے۔ کہ جب ان سے پوچھا گیا۔ کہ کیا "مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ" عبداللہ
بن سلام کی شان میں آئی ہے۔ فرمایا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ سورۂ مکیہ ہے۔ اور عبداللہ بن سلام مدینہ میں
مسلمان ہوئے تھے۔ اور ابن منذر نے ایک یہ بھی روایت کی ہے۔ کہ عبداللہ بن سلام کی شان میں کوئی آیت
نازل نہیں ہوئی (جیسا کہ تفسیر سیوطی میں ہے)۔ وھو الحق۔ اس سے مراد علیؑ ابن ابی طالبؑ باب علم نبوی
ہیں۔ علاوہ ازیں کتاب کے مس کرنے میں طہارت مطلقہ کی شرط ہے۔ غیر مطہرین اس کتاب لاریب فیہ کو
مس باطنی نہیں کر سکتے۔ جو نفس وجود محمدیؐ ہیں۔ اور مطہرین کے باب میں خدا فرماتا ہے "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ
لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا" اور علیؑ ابن ابی طالبؑ اس تطہیر باطنی
میں مع اپنے فرزندوں حسنؑ و حسینؑ و زوجہ طاہرہ جناب فاطمۃ الزہراؑ و جناب ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ و
آلہٖ وسلم کے داخل ہیں۔ بلکہ نہیں ہیں مراد اہل بیتؑ سے مگر آنحضرتؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ اور انکی
اولاد جو بعد ان کے ان صفات سے متصف اور وارث بیت شرف نبی یعنی وارث نبوت و رسالت
ہیں۔ پس علیؑ ہی بعد پیغمبرؐ اس کتاب مکنون سے مس کرنے والے اور لینے والے ہیں۔ یا ان کی اولاد جو اس
تطہیر الٰہی میں داخل ہے نہ اور کوئی۔ جو مدت تک نجاست کفر و شرک میں ملوث ہو۔ وہ حقیقت باطنیہ
محمدیہؐ کو مس نہیں کر سکتا۔ اور اس لئے وارث کتاب و حامل علوم نبوی نہیں ہو سکتا۔

ملاحظہ ہوں احادیث و روایات متعلقہ آیۂ تطہیر۔ امام ابو عیسےٰ ترمذی نے اپنی صحیح میں
اور ابن جریر۔ ابن منذر۔ حاکم۔ ابن مردویہ اور بیہقی نے طرق متعددہ سے نقل کیا ہے۔ اور
ترمذی و حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ کہ ام سلمہؓ زوجہ نبیؐ نے فرمایا۔ کہ آیۂ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ الخ" میرے
گھر میں نازل ہوئی ہے۔ در آنحالیکہ گھر میں علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ تھے پس آپ نے ان سب کو اپنی کملی
میں لے لیا۔ اور فرمایا "اَللّٰہُمَّ ہٰٓؤُلَآءِ اَہْلُ بَیْتِیْ فَاَذْہِبْ عَنْہُمُ الرِّجْسَ وَطَہِّرْہُمْ تَطْہِیْرًا" یہی میرے

اہلبیت ہیں۔ بارالٰہا ان سے رجس کو دور کر اور ان کی تطہیر فرما جو حق تطہیر ہے۔ احمد۔ ابن جریر۔ ابن منذر۔ ابن ابی حاتم۔ طبرانی و ابن مردویہ نے دوسرے طرق سے قریب قریب یہی مضمون ام سلمہؓ ہی سے روایت کیا ہے۔ اور اس میں اتنی زیادتی کی ہے۔ کہ ام سلمہؓ نے فرمایا۔ کہ میں نے بھی اپنا سر اس پردے میں داخل کیا اور کہا۔ اے رسول اللہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ آپ نے دو مرتبہ فرمایا تم خیر پر ہو۔ اور بعض روایات میں یہ لفظ زیادہ ہیں "انا حرب لمن حاربھم و سلم لمن سالمھم و عدو لمن عاداھم" جو ان سے لڑے۔ میں اس کا محارب ہوں اور جو ان سے صلح رکھے میں بھی اس سے راضی ہوں اور صلح رکھتا ہوں۔ جو ان سے عداوت کرے۔ میں اس کا دشمن ہوں*

اور امام مسلم بن الحجاج۔ امام احمد بن حنبل و ابن ابی شیبہ و ابن جریر و ابن ابی حاتم اور حاکم نے حضرت عائشہ ام المومنینؓ سے روایت کی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ ایک دن رسول خداؐ ایک بالوں کی سیاہ چادر اوڑھے ہوئے نکلے کہ حسنینؑ آ گئے۔ حضرتؐ نے ان کو چادر میں لے لیا۔ پھر فاطمہؑ آئیں۔ ان کو بھی چادر میں لے لیا۔ اور پھر علیؑ آئے۔ ان کو بھی اسی میں داخل کر لیا۔ اور پھر فرمایا۔ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا" اور ابن ابی شیبہ ابن جریر و ابن المنذر۔ طبرانی۔ ابن ابی حاتم۔ حاکم اور بیہقی نے واثلہ ابن الاسقع سے قریب قریب یہی روایت کی ہے۔ اور ابن ابی شیبہ۔ احمد ترمذی۔ ابن جریر۔ ابن المنذر۔ طبرانی۔ حاکم اور ابن مردویہ نے انس سے روایت کی ہے۔ کہ جس وقت حضرتؐ نماز صبح کو نکلتے تھے۔ تو علیؑ و فاطمہؑ کے دروازے پر فرماتے تھے "الصلوٰۃ یا اہل البیت الصلوٰۃ انما یرید اللہ" (رشفۃ الصادی۔ مطالب السئول۔ ینابیع المودۃ۔ مودۃ القربیٰ وغیرہ)۔ اور بھی متعدد طرق و اسناد سے یہ مضمون مروی ہے۔ اور گویا متفق علیہ علماء اہل اسلام ہے۔ کہ علیؑ آیۂ تطہیر میں رسول خداؐ کے شریک ہیں۔ اور یہ کہ اہل البیت خمسہ نجباء پنجتن پاک اور ان کی وہ اولاد طاہرہ ہے۔ جو ان کی صفات خاصہ نبوی سے متصف ہے۔ کیونکہ بیت سے مراد بیت شرف نبیؐ ہے۔ اور شرف نبیؐ نبوت سے ہے۔ پس اہل بیت وارثان نبوت ہیں۔ بیت سکنیٰ یا بیت نسب مراد نہیں ہے۔ پس علم کتاب انہی مطہرین کو حاصل ہے۔ اور یہی وجود محمد صلعم (جو کتاب وجود و کتاب لاریب ہے) سے مس باطنی رکھتے ہیں۔ کیونکہ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے ہیں۔ فافہم۔ (بحث تطہیر مفصل و مکمل رسالہ اہل البیت میں ملاحظہ ہو)*

اور یہی وہ ہیں جن کی شان میں آیا ہے "کَذٰلِکَ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمِنْ ھٰؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ" (سورۂ عنکبوت)۔ اور اسی طرح سے تجھ پر ہم نے کتاب نازل کی ہے۔ پس وہ لوگ جن کو ہم نے پہلے سے کتاب دیدی ہے۔

وہ سب اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان لوگوں میں سے بھی بعض اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور نہیں انکار
کرتے ہماری آیات کا مگر منکرین۔ نہ کہ یہود و نصاریٰ مگر ایسا ہو۔ تو حق یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہوگا۔
نہ اہل اسلام کے ساتھ۔ کیونکہ اس سے ثابت ہے۔ کہ وہ سب کے سب اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمان بعض۔
حالانکہ یہ بدیہی البطلان ہے۔ تمام یہود و نصاریٰ آج تک بھی قرآن پر ایمان نہیں لائے۔ کروڑوں منکر قرآن
آج موجود ہیں۔ علاوہ ازیں جہاں کہیں اٰتی بصیغہ ماضی معروف کتاب کے ساتھ مضاف ہے۔ وہاں کتاب
سے علم کتاب و حقیقت کتاب مراد ہے۔ اور جہاں بصیغہ ماضی مجہول اُوتُوا بطرف کتاب منسوب ہے۔
وہاں وہ لوگ مراد ہیں جن پر کوئی پیغمبر کتاب لیکر آیا ہے۔ جیسے یہود و نصاریٰ اُوتوا الکتاب و اہل الکتاب
کہلاتے ہیں۔ بخلاف اٰتی بصیغہ معروف۔ کہ یہ انبیاءؑ کی شان میں آیا ہے۔ جن کو علم کتاب ان کے
وجود کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ کما قال عزّ وجلّ "وَاٰتَیْنٰهُمَا الْکِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ"۔ ان سب کو
ہم نے کتاب روشن عطا کی ہے۔ "وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ" (اور ہم نے موسےٰ کو کتاب عطا کی)۔
پس انبیاءؑ کو یقیناً علم کتاب دیا جاتا ہے۔ نہ کہ اسی طرح انبیاء صاحب کتاب کہلاتے ہیں جس طرح انکی امت۔
جن میں سے اکثر بلکہ تمام حقیقت کتاب سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اور اگر جانتے ہیں تو کچھ جزوی۔ چنانچہ
قول حضرت عیسےٰ اس کی پوری تصریح ہے "اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا"۔ میں بندۂ خدا ہوں۔
مجھ کو خدا نے کتاب عطا کی ہے اور نبی بنایا ہے۔ پس اس اعطاء کتاب سے علم کتاب و حقیقت کتاب مراد ہے۔
نہ کہ انجیل بصورت تنزیلی۔ کیونکہ حضرت پر تینتیس سال کے بعد نازل ہوئی ہے۔ ضرور اس کتاب سے علم کتاب و
حقیقت وجودیہ مراد ہے۔ اور نبی بعد اعطاء علم ہی بنایا جاتا ہے۔ نہ کہ جاہل نبی ہوتا ہے۔ اس لیے جعل نبوت
بعد اعطاء کتاب یعنی علم کتاب ہے۔ وقال سبحانہ وتعالیٰ "وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ
عَلَیْکَ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ اِذْ اَیَّدْتُّکَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَکَهْلًا وَاِذْ عَلَّمْتُکَ
الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ الخ (مائدہ)"۔ یاد کر اس وقت کو جبکہ خدا نے کہا۔ اے
عیسےٰ بن مریم یاد کر میری اس نعمت کو جو تجھ کو اور تیری والدہ کو دی گئی جبکہ میں نے روح القدس سے تیری
تائید کی۔ تو گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں لوگوں سے کلام کرتا تھا یعنی دونو حالتیں مساوی تھیں۔ اور جبکہ
میں نے تجھ کو کتاب وحکمت وتوریت وانجیل تعلیم دی"۔ اس آیت سے بکمال وضاحت ثابت ہے۔ کہ
کتاب سے مراد یہاں انجیل نہیں ہے۔ انجیل علیحدہ ہے اور اس کی تعلیم علیحدہ۔ کیونکہ وہ صورت تنزیلی
تدریجی ہے۔ اور کتاب حقیقت وجودیہ۔ اور یہ تمام انبیاءؑ سے مخصوص ہے۔ اور جملہ انبیاء کتاب وجودی
رکھتے ہیں۔ قال سبحانہ وتعالیٰ "وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْکِتٰبَ"۔ ہم نے ذریت نوح ع

اور ابراہیمؑ میں کتاب اور نبوت قرار دیدی ہے۔ کوئی زمانہ اس کتاب سے خالی نہیں ہوتا +

غرض "اٰتینٰھم الکتاب" سے علم کتاب مراد ہے۔ اور یہ وہی بزرگوار ہیں جو قبل نزول ظاہری کتاب عالم کتاب تھے۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ۔ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِہٖ ھُمْ بِہٖ یُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِہٖٓ اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِہٖ مُسْلِمِیْنَ اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْہُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰھِلِیْنَ (سورۂ قصص ع ۵)" اور وہ لوگ جن کو ہم نے پہلے سے کتاب دیدی ہے۔ وہ سب اسی قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب ان پر اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ تو کہتے ہیں۔ کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے۔ اور ہم تو پہلے ہی سے اس پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو دو مرتبہ اجر دیا جائیگا کہ اُنہوں نے صبر کیا۔ اور بدی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں۔ اور اپنے رزق خاص کو راہ خدا میں دیدیتے ہیں۔ اور لغو سے اعراض کرتے ہیں۔ اور اہل لغو سے کہتے ہیں۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ دور ہی سے تم پر سلام ہے۔ ہم جاہلین کی صحبت نہیں چاہتے"۔ اس آیت میں جو اوصاف صاحبان "اٰتینٰھم الکتاب" مذکور ہوئے ہیں۔ اُن میں اگر انسان ادنےٰ تفکر کرے۔ اور دل میں انصاف کرے۔ تو یقین کرلیگا۔ کہ کفار و مشرکین و یہود و نصاریٰ نہیں ہیں۔ اگر یہود و نصاریٰ اس کا مصداق ہوتے۔ جیسا کہ بعض نافہم مفسروں نے لکھ دیا ہے۔ تو پھر ان سے بہتر و کامل الایمان کوئی شخص نہیں ہوسکتا۔ جو سب کے سب قبل نزول قرآن عالم قرآن ہیں۔ اور اس کے حرف بحرف پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ تو اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور وہ پہلے ہی سے اسلام لائے ہوئے ہیں۔ اور اُن کو دو مرتبہ اجر دیا جائیگا۔ اور ان کی صفت ایثار رزق خاص راہ خدا میں خرچ کردینا اور نیکی سے بدی کا جواب دینا اور لغو سے اعراض کرنا ہے۔ یہ لوگ نہیں ہیں مگر وہ جو پیغمبرؐ سے اتحاد ذاتی و صفاتی رکھتے ہیں۔ اسی نور کے ٹکڑے اور نفس رسولؐ ہیں یعنی علیؑ و اولاد علیؑ۔ جو قبل ظاہری نزول قرآن عالم قرآن ہیں۔ اور پہلے ہی سے صاحب اسلام۔ اور وہ امت مسلمہ ہیں جن کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے سینوں میں قرآن بطور آیات بینہ موجود ہے "بَلْ ھُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ" یہ قرآن ایسا نہیں ہے۔ کہ پیغمبرؐ نے خود لکھ پڑھ کے جمع کرلیا ہو۔ بلکہ یہ آیات بینات ہے سینوں میں اُن لوگوں کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے۔ اور یہ وہ صاحبان اُوتوا العلم ہیں۔ جو زمانۂ پیغمبرؐ میں مشہور

معروف تھے۔ اور لوگ اُن کو پہچانتے تھے۔ کما قال عز وجل:- ومنھم من یستمع الیک فاذا خرجوا من عندک قالوا للذین اوتوا العلم ما ذا قال انفا۔ (انعام ع ۳)۔ بعض ان اصحاب میں اے پیغمبر وہ لوگ ہیں جو غور سے تیرا کلام سنتے ہیں (مگر کچھ نہیں سمجھتے)۔ پس جب تیرے پاس سے اٹھ کر جاتے ہیں۔ تو ان لوگوں سے جن کو علم دیا ہوا ہے پوچھتے ہیں کہ پیغمبر نے ابھی کیا فرمایا ہم کچھ نہیں سمجھے۔ یہ غیر از علیؑ و اولاد علیؑ کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مسلم محقق ہے کہ جس وقت حضرت علیؑ پیدا ہوئے۔ تو جناب رسول خداؐ تشریف لائے۔ علیؑ حضرت کو دیکھ کر مسکرائے۔ اور فرمایا۔ "السلام علیک یا رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ"۔ اور آپ کی طرف متوجہ ہو کر قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ اور سورہ مومنون کو ھم فیھا خالدون تک تلاوت کیا۔ اور حضرتؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ تمہارے سبب سے ان مومنوں نے رستگاری پائی جیسا کہ محمد بن محمود قزوینی شافعی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اور بعض روایات میں تمام قرآن کا پڑھنا مرقوم ہے۔ اور بعض نے تمام دیگر کتب آسمانی کا پڑھنا بھی۔ اور اتنا اہل علم کے نزدیک محقق و مسلم ہے۔ اور متفق علیہ علمائے اسلام ہے۔ کہ حضرت علیؑ نے وقت ولادت تلاوت قرآن فرمائی۔ پس یہی صاحب اوتوا العلم ہیں۔ جو قبل نزول قرآن عالم قرآن ہیں۔ اور قرآن اُن کے سینوں میں ہے۔ اور انہی واقعات کی وجہ سے زمانہ رسولؐ میں یہ صاحبان علم مشہور و معروف تھے۔ اور لوگ انہی سے سوال کرتے تھے۔ روایات اس باب میں بیشمار ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر طبری و برہان و القمی وغیرہ اگر ہمارے اثبات مدعا کے لئے صرف آیات ہی کافی ہیں۔ منکر چاہے۔ دشمنی اہلبیت نبویؐ میں ان آیات کا مصداق کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو بنا دیں۔ ورنہ "من عندہ علم الکتاب" و "اتیناھم الکتاب" کا مصداق فی الحقیقت ایک ہی ہے ⁕

اسی من عندہ علم الکتاب و اتیناھم الکتاب و اوتوا العلم وہی ذریت ابراہیمؑ ہے۔ جس میں کتاب جعل الٰہی ہمیشہ ہمیشہ موجود ہے۔ "وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب"۔ حضرت ابراہیمؑ سے حضرت خاتم النبیینؐ تک پہنچی۔ نبوت بنص آیہ "خاتم النبیین" آنحضرتؐ پر ختم ہو گئی۔ مگر کتاب آپکی عترتؑ و ذریت میں ہمیشہ باقی رہی اور رہیگی۔ اور ذریت آنحضرتؐ ذریت ابراہیمؑ ہے۔ اسی وجہ سے حضرتؐ نے اپنی عترت و ذریت و اہلبیت کو ثانی ثقلین و تالی کتاب قرار دیا ہے۔ کیونکہ کتاب ان کے ساتھ ہے اور وہ کتاب کے ساتھ۔ اور اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث ثقلین۔ قال صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم علیہ افضل الصلوٰۃ انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی و انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں۔ کہ جبتک اس سے تمسک رکھو گے۔ کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ کتاب اللہ اور میری عترت۔ میرے اہل بیتؑ ہیں۔

اور کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے۔ تا اینکہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں +

بعض کتب میں بعض الفاظ کا فرق ہے۔ مثلاً "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہلبیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض" چنانچہ ستر بہتر طرق سے یہ حدیث اہل اسلام میں مروی ہے۔ اور تقریباً پندرہ طرق سے علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اس کو درج کیا ہے۔ پس حامل کتاب وعالم کتاب ومن عندہ علم الکتاب ہمیشہ ذریت رسولؐ واہلبیت رسولؐ میں موجود ہیں۔ اور وہی وارث علم نبوت وجانشین وقائم مقام وخلیفۂ رسولؐ ہیں۔ اور اسی واسطے پیغمبرؐ نے فرمایا ہے "فِی کُلِّ خَلَفٍ مِنْ اُمَّتِیْ عُدُوْلٌ مِنْ اَھْلِ بَیْتِیْ" میری امت میں ہر زمانے اور ہر قرن میں میرے اہل بیتؑ سے نفوس عادلہ وعدل محض موجود رہینگے الخ "وَقَالَ اَھْلُ بَیْتِیْ اَمَانٌ لِاَھْلِ الْاَرْضِ فَاِذَا ذَھَبَ اَھْلُ بَیْتِیْ ذَھَبَ اَھْلُ الْاَرْضِ" میرے اہل بیتؑ اہل زمین کے لئے امان ہیں۔ پس جب میرے اہل بیتؑ زمین سے اٹھ جائینگے۔ تو اہل الارض بھی نیست ونابود ہو جائینگے "وَقَالَ لَوْ رُفِعَ الْاِمَامُ لَسَاخَتِ الْاَرْضُ بِاَھْلِھَا" اگر امام دنیا سے اٹھ جائے۔ اور زمانے میں کوئی امام نہ ہو۔ تو زمین اپنے ساکنین سمیت منخسف ہو جائے۔ اور نیز ابن عباس سے فرمایا "اَھْلُ بَیْتِیْ اَمَانٌ لِاُمَّتِیْ مِنَ الْاِخْتِلَافِ" میرے اہلبیتؑ میری امت کے لئے اختلاف سے امان ہیں۔ اگر میری امت ان سے متمسک رہیگی۔ تو کبھی اس میں اختلاف نہ پڑیگا۔ ملاحظہ ہو کتاب رشفۃ الصادی ومطالب السئول وصواعق محرقہ کتاب لمناقب مسند احمد بن حنبل وفوائد السمطین ینابیع المودۃ وکتب تفاسیر در ذیل آیۂ مجیدہ "وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ" اے پیغمبرؐ جب تک تو ان میں ہے۔ خدا ان پر عذاب نہیں کرتا پس چاہیئے کہ بعد پیغمبرؐ مثل پیغمبرؐ ذریت پیغمبرؐ سے قائم مقام وجانشین پیغمبرؐ ہمیشہ ہمیشہ موجود رہے۔ اور ایسا ہی ہے اور اسی وجہ سے لوگ عذاب سے مامون ہیں۔ وجود امام از ذریت خیر الانامؐ ہر زمان ضروری ہے۔ منکر وجود امام غائب منکر آیات واحادیث ہیں +

بہرحال ان آیات واحادیث مذکورہ سے مثل روز روشن ظاہر وہویدا ہے۔ کہ خدا نے مثل پیغمبرؐ کے علیؑ کو علم کتاب وعلم قرآن قبل نزول قرآن عطا فرمایا ہے۔ اور وہ باب علوم نبویؐ ہے۔ اور وہ وارث علم نبیؐ ہے۔ اور تمام محققین اہل اسلام متفق ہیں۔ کہ تمام علوم اسلامیہ اصولاً وفروعاً حضرت علیؑ پر منتہی ہوتے ہیں۔ اور محی الدین العربی حضرتؑ کی شان میں لکھتے ہیں "مَادَّۃُ الْعُلُوْمِ الْغَیْرِ الْمُتَنَاھِیَۃِ حَقِیْقَۃُ النُّقْطَۃِ الْبَائِیَّۃِ" یعنی علیؑ حقیقت نقطہ بائے بسم اللہ اور مادہ علوم غیر متناہیہ ہیں۔ اور یہ علم علم موہبتی ہے نہ کہ اکتسابی۔ جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ حضرتؑ نے وقت ولادت تلاوت قرآن فرمائی۔

اور امام غزالی لکھتے ہیں۔ اَلْعِلْمُ اللَّدُنِّیُ یَکُوْنُ لِاَھْلِ النُّبُوَّۃِ وَالْوِلَایَۃِ کَمَا حَصَلَ لِلْخِضْرِ وَکَمَا حَصَلَ لِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔ یعنی علم موہبتی لدنی صاحبان نبوت وولایت کو حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ خضرؑ اور علیؑ ابن ابی طالب علیہما السلام کو حاصل ہوا۔ خضرؑ نبی تھے اور علیؑ ولی اللہ۔ (رسالۃ الغزالی فی العلم اللدنی) +

پس معیار خلافت یعنی علم بکمال وضاحت حضرت علیؑ کے لئے ثابت ہے۔ اور اس لئے وہ خلیفہ وجانشین پیغمبرؐ ہیں۔ کیونکہ خلافت نہیں ہے مگر توارث صفات واتصاف باوصاف وتخلق باخلاق مستخلف اور علیؑ نمونۂ اوصاف نبویؐ ہے۔ وھو المطلوب +

علیؑ نور خدا ہے

پس خدا نے جن صفات سے اپنے پیغمبرؐ کو متصف کیا ہے۔ انہی سے اپنے ولی اور خلیفہ اور وصی پیغمبرؐ کو موصوف کیا ہے۔ نبی نور کبریا ہے "قد جاءکم من اللہ نور" علیؑ بھی خدا کا نور ہے۔ اور اسی نور محمدیؐ کا جزو ہے۔ اور اسی کے ساتھ کتم عدم سے ساحتِ وجود میں آیا ہے "وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَہٗ" اور اتباع کیا ان لوگوں نے اس نور کا۔ جو اس کے ساتھ ساتھ اُتارا گیا۔ یہ ہیں۔ ملاحظہ ہو حصۂ دوم +

اور نیز ملاحظہ ہو تفسیر ثعلبی درذیل آیہ مجیدہ "وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَھَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُکُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ" صورت تنزیلی آیت کی ظاہر ہے صورتِ تاویل میں تفسیر مذکور میں جابر بن عبد اللہ الانصاری سے مروی ہے کہ میں نے حضرت رسولؐ کو کہتے ہوئے سنا "اَنَا وَعَلِیٌّ مِّنْ شَجَرَۃٍ وَّاحِدَۃٍ وَالنَّاسُ مِنْ اَشْجَارٍ شَتّٰی" میں اور علیؑ ایک درخت سے ہیں۔ اور ایک جڑ کی دو شاخیں ہیں۔ اور لوگ مختلف درختوں اور مختلف اصلوں سے ہیں۔ اور اسی آیت مذکورہ کو تلاوت فرمایا۔ یہیں سے یہ حدیث مشہور و معروف مستنبط ہے "اَنَا وَعَلِیٌّ مِّنْ نُّوْرٍ وَّاحِدٍ" میں اور علیؑ ایک نور سے اور ایک نور کے دو ٹکڑے ہیں۔ اور یہی مطلب حدیث مذکورۃ الصدر کا ہے۔ پس علیؑ و نبیؐ ایک ہی نور سے ہیں۔ اور دونوں نورِ کبریا۔ تفصیل حصۂ دوم میں ملاحظہ ہو +

علیؑ رحیم ہے

خدا نے اپنے نبیؐ کو رؤف ورحیم فرمایا ہے۔ تو اپنے ولی اور وصی نبیؐ کو بھی اسی صفت سے موصوف کیا ہے۔ فَقَالَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ (فتح ع ۴) محمدؐ پیغمبر خدا ہیں۔ اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں۔ اور

اسی سے معیت رکھتے ہیں۔ان کی صفت یہ ہے۔کہ وہ کفار کے لئے سخت ہیں۔اور آپس میں ایک دوسرے پر رحیم و مہربان یعنی اہل اسلام کے لئے باعث رحمت جب تم انہیں دیکھوگے۔تو رکوع وسجود میں پاؤگے۔کہ وہ خدا کے تفضل اور اُس کی خوشنودی کے خواستگار رہتے ہیں۔اور بکثرت سجود سے ان کی پیشانیوں میں نشان پڑے ہوتے ہیں تفصیل حصۂ دوم میں ملاحظہ ہو +

ظاہر ہے۔کہ اگر یہاں معیت سے معیت جزئیہ مراد لی جائے۔تو اس میں ہر ایک مسلمان داخل ہوگا کیونکہ ہر ایک شخص کسی نہ کسی امر میں رسولؐ کے ساتھ معیت رکھتا ہے۔اور یہ خلاف آیہ ہے اور خلاف واقع۔کیونکہ تمام اہل اسلام میں صفات مذکورہ ہرگز نہیں پائی جاتیں پس ضرور معیت سے مراد معیت کلیہ مطلقہ ہے۔یعنی وہ شخص جو پیغمبر سے معیت تامہ رکھتا ہے۔اور ازل سے ہر زمان وہر مکان اور ہر نشاۂ۔اور یہاں ہر حال سفر و حضر و روز و شب میں اس کے ساتھ ساتھ ہے۔اور اس کے نور کے ساتھ بھی معیت ہے۔روح کے ساتھ بھی معیت ہے۔ طہارت میں معیت ہے علم میں معیت ہے۔اسلام وایمان میں معیت ہے۔ولایت میں معیت ہے۔امامت میں معیت ہے۔اطاعت میں معیت ہے۔مودت میں معیت ہے وغیرہ۔جملہ صفات میں نبیؐ کے ساتھ ساتھ بلکہ شریک صفات نبوتی ہے۔اور ایسا شخص غیر از علی ابن ابی طالبؑ اور کوئی نہیں جو نور نبی اور نفس نبی ہے۔اور یہ صفات مذکورہ اسی پر صادق آتی ہیں۔بشرطیکہ انسان چشم بصیرت سے غور کرے۔ورنہ فضول ومہمل ولغو تاویلات کے لئے میدان وسیع ہے۔ولاکن ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" چاہیے۔کہ علیؑ کی سی معیت رسولؐ کے ساتھ کسی دوسرے میں ثابت کرے" وان اللہ عادی لا تقبل الا بالبراھین والبینات" مزید ثبوت حصۂ دوم میں ملاحظہ ہو +

علی داعیٔ حق ہے

خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو داعی الی الحق فرمایا ہے۔اس کے اوصیاء کو بھی داعی الی الحق قرار دیا ہے۔فقال" ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر" چاہیئے کہ تم میں سے ہمیشہ ایک امت ایسی موجود رہے جو خیر مطلق کی طرف دعوت دے۔اور امر بالمعروف کرے اور نہی عن المنکر کرے۔اور یہ امت غیر از ذریت رسول" واہلبیت رسولؐ اور کوئی نہیں۔وہ ہی ذریت رسول ہے۔جس کا ایک فرد ہمیشہ موجود ہے۔اگر وہ زمین سے اٹھ جائے۔تو زمین مع اہل زمین منخسف ہو جائے اور دنیا نیست ونابود۔دعوت الی الحق موقوف ہے علم احاطی پر۔اور علم سر علیؑ اور اولاد علیؑ کا ثابت کر چکے ہیں۔پس ہدایت ودعوت الی الحق وہی کر سکتے ہیں۔جو علم میں سب سے مقدم ہیں۔اور علم اپنے وجود کے ساتھ لیکر آتے ہیں۔اور قبل نزول ظاہری قرآن کے عالم ہیں۔اور باب علوم نبوتی ہیں۔کیونکہ اگر ایسا نہ ہو۔تو وہ خود محتاج ہدایت غیر ہونگے۔اور

جب محتاج ہدایت غیر ہوئے۔ تو ہادی و داعی الی الحق نہیں ہو سکتے۔ کما قال عز و جل۔ "اَفَمَنْ یَّهْدِیْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْٓ اِلَّآ اَنْ یُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ"۔ "کیا وہ شخص سزاوار و مستحق اتباع ہے۔ جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ یا وہ شخص جو اپنی ہدایت میں دوسرے کا محتاج ہے۔ اور دوسرے شخص کی رہنمائی کی ہدایت ہی نہیں پا سکتا تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کہ ایسا خلاف فطرت و خلاف عقل حکم کرتے ہو"۔ ہدایت و دعوت الی الحق موقوف ہے علم موہبتی لدنی پر۔ اور یہ علم علیؑ و اولاد علیؑ میں ہے۔ اور وہ داعی الی الحق ہیں +

علیؑ ولی خدا ہے

خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو ولی قرار دیا ہے۔ وصی نبیؐ کو بھی ولی فرمایا ہے۔ فقال عز و جل "اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ"۔ سوائے اس کے نہیں ہے۔ کہ تمہارا ولی خدا ہے۔ اور اس کا رسولؐ۔ اور وہ اہل ایمان جو نماز کو قائم کرتے ہیں۔ اور حالت رکوع میں زکواۃ دیتے ہیں"۔ باتفاق مفسرین اس سے مراد علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ اور باتفاق اہل اسلام علیؑ ولی اللہ ہیں۔ جیسا کہ امام ابو اسحاق احمد بن محمد الثعلبی نے اپنی تفسیر میں اس کی شرح کی ہے۔ ملاحظہ ہو روایت ابن عباس و ابوذر غفاری وغیرہ۔ اور بعد اس کے وہ لوگ جو اس صفت زکواۃ دینے الرکوع سے متصف ہیں۔ اور راکعین مطلق ہیں "وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ"۔ یہ رکوع ایک معنی خاص رکھتا ہے۔ اور یہاں محض افہام و تفہیم کے لئے مذکور ہوا ہے۔ ورنہ دراصل اور فی الحقیقت رکوع سے مراد رکوع ظاہری نماز نہیں ہے۔ قال عز و جل "یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ"۔ "اے مریمؑ اپنے پروردگار سے دعا کر اور سجدہ بجالا۔ اور رکوع کر رکوع کرنیوالوں کے ساتھ۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ بلا سجدہ راکعین کے ساتھ رکوع کرنا بے معنی ہے"۔ "وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا یَرْكَعُوْنَ"۔ "اور جب کافرین سے کہا جاتا ہے۔ کہ رکوع کرو۔ تو وہ رکوع نہیں کرتے۔ کیا اس رکوع سے نماز کا رکوع مراد ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں +

پس رکوع سے مراد ایک حالت خاص ہے۔ جو یہاں بطور تشبیہ ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ نماز کی تین حالتیں ہیں۔ ایک حالت قیام۔ ایک رکوع۔ ایک سجدہ۔ قیام حالت استقامت ہے۔ سجود فنا و کمال عجز و انکسار و تواضع اور رکوع حالتِ وسطے۔ پس اسی طرح انسان تین حالتیں رکھتا ہے۔ ایک حالت استقامت ذاتیہ ہے۔ اور ایک حالتِ سجدہ ہے۔ کہ مقام فناء مطلق ہے۔ کہ اپنے وجود سے بالکل غافل ہوتا ہے۔ اور خدا کی طرف بالکلیہ مائل۔ ایک حالت رکوع ہے۔ کہ نہ استقامت ذاتیہ ہے۔ اور نہ فناء مطلق بلکہ بین بین۔ پس راکعین ایک جماعت خاص ہیں۔ جو واسطہ ہیں درمیان خالق و مخلوق۔ اور امامت وسط ہیں خدا سے لیتے

ہیں۔ اور مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ فقال عز وجل "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" اسی طرح سے خدا نے تمکو امتِ وسط قرار دیا ہے۔ کہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو۔ اور رسول تم پر شہید ہو۔ اور یہی وہ راکعین و ساجدین ہیں۔ جن کے لئے حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو حکم تھا کہ خانہ کعبہ کی ان کے لئے تطہیر کرو۔ فقال "وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ" اے ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ میرے گھر کو طواف کرنیوالوں اعتکاف کرنیوالوں اور راکعین و ساجدین کے واسطے پاک و پاکیزہ رکھو۔ یہ راکعین و ساجدین ذریتِ ابراہیمؑ و نسل اسمٰعیلؑ ہے۔ جس کی نسبت خود حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا ہے۔ "رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" اے میرے پروردگار میں نے اپنی بعض ذریت کو یہاں وادی بے زراعت میں تیرے خانہ محترم کے پاس مقیم کیا ہے۔ تاکہ یہ دنیا میں نماز کو قائم کریں۔ پس یہ راکعین امتِ وسط و واسطۂ فیضان الٰہی ہیں۔ اور یہی ولی امو خدا و نبی اور بعد پیغمبر اولیٰ بالتصرف و متصرف مطلق۔ یہ ہمیشہ تابع فرمانِ الٰہی اور اس کے ہر ایک حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔ اور دوسرے تمام لوگوں کو حکم ہے۔ کہ ان کے ساتھ ہو جائیں۔ ان کی اطاعت کریں۔ اور ان کے قدم بقدم چلیں اور ان کی اقتداء کریں۔ لیکن "اِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ" جب ان سے کہا جاتا ہے۔ کہ ان کے ساتھ ہو جاؤ۔ اور ان کی اقتداء کرو۔ وہ ایسا نہیں کرتے۔ اور یہی وہ ولایت مطلقہ و اولویت ہے جس کا اعلان جناب رسول مقبولؐ نے خم غدیر میں ان الفاظ کیا تھا "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ الخ" (جس کا میں مولا و ولی ہوں علیؑ بھی اس کا مولا ہے) اور اسی واسطے آپ نے اوّل حاضرین سے یہ اقرار لیا تھا "اَلَسْتُ اَوْلٰى بِكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ" کیا میں تمہارے نفسوں سے زیادہ تم پر متصرف نہیں ہوں؟ جو آیہ مجیدہ "اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" کا مفہوم ہے۔ اور جب سب نے اقرار کر لیا۔ اور "بلیٰ" کہدیا۔ اس وقت فرمایا۔ کہ پس علیؑ بھی ایسا ہی ہے۔ اور میرے بعد وہی ولی خدا و اولیٰ بالتصرف ہے۔ حکومت تحتِ ولایت مطلقہ ہے۔ (ان تمام مباحث کی تفصیل ہماری کتاب کشف الاسرار میں ملاحظہ ہو)

علیؑ صراطِ مستقیم ہے

خدا نے اپنے رسولؐ کو صراطِ مستقیم پر قرار دیا ہے۔ اور اپنے ولی کو بھی صراطِ مستقیم پر قرار دیا ہے۔ بلکہ نفس صراطِ مستقیم قرار دیا ہے۔ فقال "هٰذَا صِرَاطٌ عَلِيٌّ مُسْتَقِيْمٌ" یہ علیؑ کا سیدھا راستہ ہے۔ اور پیغمبرؐ کے لئے فرمایا "اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" و قال "اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ" یہ میرا سیدھا راستہ ہے۔ صرف اسی کا اتباع کرو۔

اور مختلف راستوں پہ نہ جاؤ۔ اگر ایسا کروگے۔ تو راہِ خدا سے جدا ہو جاؤ گے۔ یہ صراط علیؑ و اولاد علیؑ ہے کہ قائم مقام و جانشین رسولؐ ہے۔ صراطِ علیؑ صراطِ نبیؐ ہے۔ اور صراطِ نبیؐ صراطِ اللہ۔ ملاحظہ ہوں روایات رشید احمد ابن زین الحبشی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے سردار شیخ و امام اور قطب حبیب عبداللہ الحداد سے سُنا کہ وہ فرماتے تھے "اِنَّ طَرِیْقَةَ السَّادَةِ الْعَلَوِیَّةِ هِیَ الصِّرَاطُ الْمُشَارُ اِلَیْهِ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی اِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ" یعنی طریقہ سادات علویہ (علیؑ و اولاد علیؑ) ہے۔ وہ صراط مستقیم الٰہی ہے جس کی طرف قرآن شریف کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے۔ پس اسی کی اتباع کرو۔ اور دوسرے مختلف راستوں کو نہ چلو۔ اگر ایسا کروگے۔ تو راہ خدا سے دور ہو جاؤ گے۔ اور اسی طریقہ مستقیمہ کی کتاب اللہ میں تشریح ہے جس پر کبھی اور کسی طرف سے باطل کا دخل نہیں ہو سکتا۔ "هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ" اور یہی قول نبیؐ فعل نبیؐ اور تقریر نبیؐ سے ثابت ہے۔ اور یہی صالحین سلف اور تابعین کا عقیدہ رہا ہے۔ اور اسی کو امام ابو طالب مکیؒ اور امام ابو القاسم قشیریؒ نے نقل کیا ہے۔ اور یہ ان کے قدم بقدم چلے ہیں۔ اور انہوں نے اس باب میں مفصل و مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ کہ صراط مستقیم طریق علیؑ و اولاد علیؑ ہے۔ اور اسی کو امام حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی نے ثابت کیا ہے۔ یہ طریقہ مستقیمہ اولاد علیؑ میں اباً عن جدٍ بطور توارث چلا آیا ہے۔ چنانچہ اپنے باپ و نانا سے حسنینؑ نے پایا۔ اور ان سے علیؑ ابن الحسین زین العابدینؑ کو وراثۃً پہنچا۔ اور ان سے محمد الباقرؑ۔ اور ان سے جعفر الصادقؑ تا مہدیؑ آخر الزمان کہ اولاد علیؑ اور ذریت رسولؐ سے ہے۔ اور اس صورت سے ثابت ہے۔ کہ ان کا طریق محض کتاب و سنت ہے۔ پس جو شخص طریق علوی کے مخالف ہو۔ اس کا طریق ان سُبلِ متفرقہ میں سے ہے۔ جو سبیل اللہ و صراطِ الٰہی سے جدا ہیں۔ (رشفۃ الصاوی)

فَصِرَاطُ عَلِیٍّ مُسْتَقِیْمٌ" صراط علیؑ صراط نبیؐ ہے۔ اور صراط نبیؐ صراط اللہ۔ "وَاِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ" مفصل بحث حصہ دوم میں دیکھنی چاہیئے

اور ثابت البنانی رضؓ سے آیہ مجیدہ "وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی" (تحقیق میں بخشنے والا ہوں اس کو جو توبہ کرے۔ اور ایمان لائے۔ اور عمل صالح بجا لائے۔ اور وہ ہدایت یافتہ بھی ہو) کی تفسیر میں مروی ہے۔ کہ "اهْتَدٰی" سے مراد اہتداء الی ولایت اہلبیت نبیؐ ہے۔ یعنی خدا اسی کو بخشیگا جو اس راہ کو پائے ہوئے ہے۔ اور ان سے متمسک ہے۔ کیونکہ وہ سبیل اللہ صراط الٰہی ہیں

علیؑ شہید علی الخلق ہے

پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ شہید اوّلاً و بالذات خدا کی صفت ہے۔ اور ثانیاً و بالعرض بعطائے خدا اس کا رسولؐ شہید علی الخلق ہے۔

اسی طرح سے اس کے اوصیاء علیؑ و اولادِ علیؑ شہید ہیں۔ فقال سبحانہ و تعالیٰ۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ "اسی طرح سے ہم نے تم کو امتِ وسط قرار دیا ہے۔ کہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو۔ اور رسولؐ تم پر شہید ہو"۔ مفسرین کا یہ قول بالکل غلط و باطل بلکہ بدیہی البطلان ہے۔ کہ اس امتِ وسط سے مراد تمام اُمتِ محمدیؐ ہے۔ کیونکہ قرآن شاہد ہے۔ کہ خود اہل اسلام کے خود اپنے معاملات میں ان کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ بلکہ چاہئے۔ کہ ثبوت معا میں دو شاہد عادل پیش کریں بلکہ بعض معاملات میں چار شاہدوں بلکہ شہیدوں کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ باب زنا میں۔ اور بنص قرآن فاسق کی خبر مقبول نہیں جبتک کہ وہ شاہد و بینہ اپنے بیان پر پیش نہ کرے۔ پس کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ تمام صالحین و فاسقینِ امت کی شہادت غیروں کے حق میں مقبول ہو جائے۔ یہ شاہد بھی نہیں ہو سکتے۔ نہ کہ شہید جس کے معنی حاضر علی الشئے ہیں۔ "اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ"۔ کون ہے افراد امت میں سے جو مثلِ خدا احاطہ بر خلائق رکھتا ہو۔ مگر وہ شخص جو مظہرِ اوصافِ الٰہی اور خلیفۂ خدا ہو۔ اور ایسا شخص امتِ محمدیؐ میں نہیں مگر علیؑ اور اولادِ علیؑ جو آئینۂ اوصافِ نبوی ہیں۔ تصریح کے لئے ملاحظہ ہو یہ آیۂ سورۃ الحج۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا وَّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

اے ایمان والو رکوعؔ اختیار کرو۔ اور فنائے اللہ ہو جاؤ۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ اور خیر مطلق کو بجا لاؤ۔ اور اس کی راہ میں حق جہاد ادا کرو۔ اُس نے تمہیں کو اس واسطے اختیار و پسند کیا ہے۔ اور اس کے لئے چن لیا ہے۔ اور باوجود اس کے تم پر دین میں تنگی نہیں رکھی۔ یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت ہے۔ اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ پہلی کتب میں بھی اور اس میں بھی ذکر ہے۔ تاکہ تم پر پیغمبرؐ شہید ہے اور تم تمام لوگوں پر شہید ہو"۔ اور آیہ مجیدہ کی بارہ صفتیں یا بارہ خصوصیتیں یا بارہ حکم بتلا رہے ہیں کہ اس سے خاص برگزیدگانِ خدا ہی نفوس مراد ہیں۔ جو تمام اوصافِ نبیؐ میں شریک اور نفسِ رسولؐ ہیں۔ اور مثلِ رسولؐ شہید علی الناس ہیں۔ اور اولادِ ابراہیمؑ سے ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے اُن کو پہلے سے مسلمان قرار دیا ہے۔ پہلی کتب میں بھی اور اس کتاب میں بھی۔

ہم صرف اسی کتاب کے حوالہ کا ذکر یہاں کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ آخری کتاب اور مصدق جمیع کتب سابقہ ہے۔

اور بتلاتے ہیں۔ کہ کہاں ان کو حضرت ابراہیمؑ نے مسلمان فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ "اِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ (الیٰ ان قال) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ"......اے ہمارے پروردگار ہم دونوں (ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ) کو اپنا خاص مطیع و منقاد بنا۔ اور ہماری ذریت میں سے ایک اُمّت کو ایسا ہی مسلمان بنا۔ اور پھر اس کی تشخیص کے لئے فرمایا۔ "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ الخ" اور اے پروردگار ان میں ان ہی میں سے ایک کو رسول بنا"۔ ان آیات سے ثابت ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ذریت یعنی اولاد اسمٰعیلؑ میں ایک امت کے لئے اپنے سے اسلام کی خواہش کی ہے۔ اور اُسے ویسا ہی مسلمان قرار دیا ہے۔ اور یہ امتِ مسلمہ ہمیشہ ذریت ابراہیمؑ میں موجود ہے۔ اور یہ امتِ مسلمہ وہی ہے جس میں پیغمبر مبعوث ہوا ہے۔ اور وہ ان کا ایک فرد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پیغمبر بنی ہاشم سے ہے پس وہ امت بھی بنی ہاشم ہی سے ہے۔ اور ایسی اُمّتِ مسلمہ جو وقتِ بعثت مرسل مسلمان ہو۔ اور پیغمبر ان میں سے مبعوث ہوا سوائے علی ابن ابی طالبؑ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ پہلے سے مسلمان تھے اور وقتِ بعثت پیغمبر کی تصدیق کی "وَلَمْ یُشْرِکْ بِاللّٰہِ طَرْفَةَ عَیْنٍ اَبَدًا"۔ ایک چشم زدن کے واسطے شرک نہیں ہوئے پس وقتِ بعثتِ نبی بھی وہ مشرک نہ تھے۔ مُوحد مسلم تھے۔ اور رسولؐ پر ایمان لائے یعنی انکی تصدیق کی جس طرح حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لائے تھے یعنی انکی تصدیق کی تھی "وَاٰمَنَ مَعَهٗ لُوْطٌ" اور ابراہیمؑ پر لوطؑ ایمان لایا۔ اور اسی وجہ سے تمام اہل اسلام حضرت علیؑ کو کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔ کیونکہ کبھی شرک نہیں کیا۔ اور کسی بُت کے آگے نہیں جھکے۔ اور یہی وہ مسلمین ہیں جن کا ذکر آیہ سورۂ قصص میں آچکا ہے۔ یعنی جو وقتِ تلاوتِ قرآن کہتے ہیں۔ کہ ہم تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔ پس یہ قبل نزول قرآن اسلام لانے والے علیؑ اور اس کی صفت سے متصف اولادِ علیؑ ہیں۔ لہٰذا شہید یہی امت مسلمہ ہے جس کو حضرت ابراہیمؑ نے مسلمان قرار دیا ہے پس علیؑ بھی مثل رسولؐ شہید علی الناس ہیں۔ بعد ازاں دیگر آئمہؑ جو انکی صفات سے متصف اور وارث نبوت و خلافت و امامت ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ تمام الفاظ بصیغۂ جمع استعمال ہوئے ہیں یعنی باقی آئمہ اہلبیت بھی مثل نبیؐ و علیؑ شہید علی الناس ہیں +

علیؑ رائی اعمال خلق ہے

خدا نے اپنے حبیبؐ کو رویت اعمال میں شریک کیا ہے۔ کہ خدا اور اس کا رسولؐ لوگوں کے تمام اعمال کو دیکھتے ہیں پس اسی طرح سے کچھ مومنین خاص کو اسی صفت سے موصوف کیا ہے۔ فقال "قُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَى اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَةِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"۔ کہدو اے پیغمبرؐ کہ عمل کرو جو کچھ تمہارا دل چاہے۔ خدا تمہارے عمل کو دیکھتا ہے۔

اور اس کا رسول اور مومنین۔ اور عنقریب جب تم خداوند عالم الغیب والشہادت کی طرف جاؤ گے۔ پس وہ تم کو تمہارے اعمال سے آگاہ و متنبہ کریگا۔ یہ رویت اعمال تفسیر شہید علے الناس ہے۔ اور شہید تین ہیں۔ خدا رسول خدا اور وصی رسول خدا پس اعمال کو دیکھنے والے اور ان پر احاطہ رکھنے والے اور ان پر حاضر و ناظر بھی تین ہی ہیں خدا اور رسول خدا اور مومنین جو بعد رسول شہید علے الناس ہیں۔ اس تفسیر سے یہ بھی واضح تو ہوگیا۔ کہ شہید علے الناس تمام امت محمدی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ جو تمام اعمال ناس پر حاضر و ناظر ہو۔ عام مسلمان کسی ایک شخص کے اعمال ظاہریہ و باطنیہ پر جو شب و روز میں اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ احاطہ نہیں رکھتے۔ چہ جائیکہ تمام عالم کے لوگوں کے اعمال پر احاطہ رکھتے ہوں پس اعمال عباد کو دیکھنے والے وہی نفوس قدسیہ ہیں جو مظہر خدا اور آئینہ جمال رسول خدا ہیں۔ اور اول ان کا علیؑ ابن ابی طالب ہے۔ اسی کی تفسیر میں پیغمبرؐ نے فرمایا ہے" یا علی اِنَّکَ تَرٰی مَا اَرٰی وَتَسْمَعُ مَا اَسْمَعُ۔ اے علیؑ جو میں دیکھتا ہوں۔ وہی تو دیکھتا ہے۔ اور

علیؑ اذن واعیہ ہے

جو کچھ میں سنتا ہوں۔ وہی تو سنتا ہے۔ اسی کان کی صفت میں کلام حمید مجید میں آیا ہے" وَتَعِیَھَا اذن واعیہ" اور تمام آوازوں کو حفظ و ضبط رکھتا ہے۔ ایک کان جس کی صفت اذن واعیہ ہے یعنی اذن سامعہ نہیں بلکہ واعیہ ہے یعنی اس میں اتنی ظرفیت ہے۔ کہ تمام آوازوں کو بالتفصیل ضبط و حفظ رکھے۔ یہ کان جس کی ظرفیت ایسی ہے علی ابن ابی طالبؑ ہی کا کان ہے۔ اس کی تائید اور تفسیر میں تفسیر کبیر ملاحظہ ہو +

اور امام ابو اسحاق الثعلبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ تو رسول خداؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ یہ تمہارا کان ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ اس وقت سے میں کوئی چیز بھی نہیں بھولتا۔ اور نیز ثعلبی اور ابوالحسن علی ابن احمد الواحدی نے اسی مضمون کو بریدہ اسلمی سے روایت کیا ہے۔ کہ تعیھا اذن واعیہ" حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ پس وہ یہ کان ہے۔ جو تمام آوازوں کو بالتفصیل ضبط رکھتا ہے۔ اور کیونکر ایسا نہ ہو۔ وہ اسی خداوند سمیع و بصیر کا مظہر ہے۔ جس پر آوازیں مشتبہ نہیں ہوتیں۔ لا تشتبہ علیہ الاصوات +

اور جناب سر اللہ نے العالمین اپنے خطبے میں فرماتے ہیں۔ کہ معاشر الناس تم رسول اللہؐ سے میری قرابت قریبہ اور منزلت مخصوصہ کو جانتے ہو۔ میں بچہ تھا۔ تو رسولؐ نے مجھے اپنی گود میں بٹھایا۔ مجھے اپنے سینے سے لگاتے تھے۔ اور اپنے بستر پر سلاتے تھے۔ اور میرا بدن ان سے مس کرتا تھا۔ اور میں اُن کی خوشبو سونگھتا تھا۔ وہ جنابؐ اپنے منہ میں کچھ چباتے تھے۔ اور پھر مجھے کھلاتے تھے۔ پس اللہ تو

میری بات میں کبھی جھوٹ پایا گیا۔ اور نہ میرے فعل و عمل میں کوئی خطا و غلطی۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولؐ کے ساتھ دودھ بڑھائی کے زمانے سے ایک ملک اعظم ساتھ کیا ہُوا تھا۔ جو آنحضرتؐ کو مکارم اخلاق اور محاسن آداب پر شب و روز چلاتا تھا۔ اور میں ہمیشہ حضرتؐ کے ساتھ ساتھ اس طرح رہتا تھا جس طرح اُونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے نشان قدم پر چلتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ ہر روز وہ جناب میرے لئے ایک علم اخلاق بلند کرتے تھے۔ اور مجھے اقتدا کا حکم دیتے تھے۔ اور وہ جناب ہر سال میرے ساتھ کوہ حراء پر جاتے تھے۔ اور میرے اور خدیجہؑ کے سوا ان کو اور کوئی نہ دیکھتا تھا۔ اور ایک گھر میں جناب رسول خداؐ اور خدیجہؑ کبھی نہیں ہوئے مگر یہ کہ میں تیسرا ہوتا تھا۔ "اَرٰی نُوْرَ الْوَحْیِ وَالرِّسَالَۃِ وَاَشُمُّ رِیْحَ النُّبُوَّۃِ" میں نور وحی و رسالت دیکھتا تھا۔ اور بوئے نبوت سونگھتا تھا۔ اور جس وقت آنحضرتؐ پر اوّل وحی اجرائی نازل ہوئی۔ تو میں نے شیطان کے رونے کی آواز سُنی۔ اور میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ یہ کیسا نالہ ہے۔ فرمایا۔ یہ شیطان کے رونے کی آواز ہے۔ اب وہ اپنی عبادت سے مایوس ہو گیا۔ "اِنَّکَ تَسْمَعُ مَا اَسْمَعُ وَتَرٰی مَا اَرٰی اِلَّا اِنَّکَ لَسْتَ بِنَبِیٍّ وَاِنَّکَ لَوَزِیْرٌ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خَیْرٍ" بیشک تو سُنتا ہے جو میں سُنتا ہوں۔ اور دیکھتا ہے جیسا کہ میں دیکھتا ہوں۔ مگر تو نبی نہیں ہے۔ اور بتحقیق کہ تو وزیر ہے۔ اور تو بیشک خیر پر ہے۔ اور فرماتے ہیں۔ میں سُنتا تھا آواز کو۔ اور دیکھتا تھا روشنی کو تبلیغ و انذار سے سات سال قبل۔ اور صادقِ آلِ محمدؐ بیان فرماتے ہیں۔ کہ حضرت علیؑ جناب رسول خداؐ کے ساتھ قبل اظہار رسالت نور دیکھتے تھے۔ اور آواز سُنتے تھے۔ اور رسول مقبولؐ نے آپ سے فرمایا۔ اگر میں خاتم الانبیاء نہ ہوتا۔ تو اے علیؑ تم میرے شریک نبوت ہوتے (جیسے ہارونؑ تھے)۔ پس اگر تم نبی نہیں ہو۔ تو وصی نبیؐ ہو۔ اور وارث نبی ہو۔ بلکہ تم سید الاوصیاء و امام الاتقیاء ہو (کما فی المناقب)۔ پس یہی ہے اذن اللہ الواعیہ۔ اور یہی ہے عین اللہ و ید اللہ و وجہ اللہ و جنب اللہ۔

ھا علیٌّ بشرٌ کیف بشر ربّہ فیہ تجلّی وظہر

الحاصل علیؑ جملہ اوصاف و اخلاق و آداب و علوم و فنون و جمیع کمالات میں شریک رسولؐ ہیں۔ اور ان کی تمام صفات کا نمونہ اور ان کے جمال کا آئینہ۔ اسی واسطے فرماتے ہیں۔ "اَقَرَّتْ لِیَ الْمَلٰئِکَۃُ بِجَمِیْعِ مَا اَقَرَّتْ لِلنَّبِیِّ اِلَّا لَہٗ اِسْمُہٗ" تمام اوصاف و اخلاق و فضائل و کمالات جن کا ملائکہ نے نبیؐ کے لئے اقرار کیا ہے۔ انہی کا میرے لئے اقرار کیا ہے۔ اور انہی صفات سے مجھے متصف کیا ہے۔ مگر اسم نبوت کہ وہ مخصوص ہے آنحضرتؐ سے اور آں پر ختم۔ غرض سوائے منصوصات یعنی اسم نبوت۔ اباحۂ نساء باقی تمام فضائل میں علیؑ شریک نبیؐ و مثل نبیؐ ہیں۔ جس طرح کہ ہارونؑ جملہ صفات موسوی میں شریک حضرت موسےؑ تھے۔

اور اسی واسطے حضرتؐ نے فرمایا ہے "یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی" اے علیؑ تو مجھ سے وہ نسبت رکھتا ہے۔ اور اسی درجے میں ہے جس میں ہارونؑ تھے یعنی اسی طرح سے میری صفات سے متصف میرا وزیر میرا خلیفہ اور میرے امر میں شریک ہے۔ مگر یہ کہ نبوت مجھ پر ختم ہو گئی ہے۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اگر میرے بعد نبی ہوتا۔ تو تو بھی مثل ہارونؑ نبی کہلاتا۔ مایۂ النبوۃ تجھ میں موجود ہے۔ چنانچہ جملہ ثقات ائمہ حدیث مسلم و بخاری و ترمذی وغیرہم نے اپنی اسانید سے اپنی اپنی صحاح میں سعد بن وقاص وغیرہ سے نقل کیا۔ کہ جنگ تبوک کے موقع پر آنحضرتؐ علیؑ کو اپنے اہل پر خلیفہ بنا کر چھوڑ گئے۔ اس وقت حضرتؑ نے عرض کیا۔ آپ مجھے عورتوں بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ تب آپ نے فرمایا "اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ غیر انہ لا نبی بعدی" یعنی تم مثل ہارون میرے خلیفہ و قائم مقام ہو۔ اسی وجہ سے کہ وہ جناب تمام فضائل کمالات اور روحانیت و نورانیت میں مثل نبیؐ ہے۔ خدا نے اس کو نفس رسول قرار دیا ہے۔ فقال قل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتہل الخ۔ کہدو اے پیغمبر آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو۔ اور ہم اپنی نساء کو بلائیں اور تم اپنی نساء کو۔ اور ہم اپنے نفسوں کو بلائیں اور تم اپنے نفسوں کو۔ اور پھر ایک دوسرے کو بد دعا کریں۔ اور باتفاق مفسرین انفسنا سے مراد جناب امیرؑ ہیں۔ لیکن انفس بصیغہ جمع آنا اور پھر ضمیر جمع متکلم مع الغیر کی طرف مضاف ہونا ثابت کر رہا ہے۔ کہ یہ سب نفوس قدسیہ ایک دوسرے کا نفس اور نفس واحدہ ہیں۔ اور حسنینؑ اور فاطمہؑ بھی اسی طرح نفس رسولؐ ہیں جس طرح علیؑ۔ اور اسی وجہ سے یہ تینوں بزرگوار بھی مثل پیغمبر آیۂ تطہیر میں شامل اور حرمت صدقہ میں شریک اور اسی طرح وہ نفوس جو ان کی صفات سے متصف اور آئینہ جمال محمدی ہیں۔ اور جن کی شان میں خود پیغمبرؐ نے فرمایا ہے "یا علی انت اخی و وصیی و وارثی لحمک من لحمی و دمک من دمی و سلمک سلمی و حربک حربی و الایمان مخالط لحمک و دمک کما خالط لحمی و دمی و انت علی الحوض خلیفتی و تقضی دینی و تنجز عداتی" اے علیؑ تو میرا بھائی میرا وصی میرا وارث ہے۔ تیرا گوشت میرے گوشت سے ہے۔ اور تیرا خون میرے خون سے ہے۔ اور تجھ سے صلح مجھ سے صلح ہے۔ اور تجھ سے جنگ مجھ سے جنگ ہے۔ اور ایمان تیرے گوشت پوست میں مخلوط ہے جس طرح میرے گوشت پوست میں مخلوط ہے۔ اور تو ہی کل حوض کوثر پر بھی میرا قائم مقام ہوگا۔ تو میرے قرض کو ادا کریگا۔ اور میرے وعدے پورے کریگا۔ ملاحظہ ہو کتاب المناقب و ینابیع ✦

علیؑ مظہرِ کامل خداوند جلیل ہے

محمد بن الحکیم الترمذی رسالہ فتح المبین کی شرح میں ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے کہا۔ کہ علم کے دس حصے ہیں علیؑ کے لئے نو حصے ہیں۔ اور باقی تمام لوگوں کے لئے باقی دسواں حصہ۔ اور وہ جناب اس دسویں حصے میں بھی اور سب سے زیادہ عالم ہیں۔ اور فرمایا۔ کہ حضرتؑ ایک شب مجھ سے بائے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی شرح بیان کرتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ اور حضرتؑ شرح سے فارغ نہ ہوئے۔ اس وقت میرا علم اس بحرِ زخار کے مقابلہ میں مثل فوارے کے معلوم ہوتا تھا۔ اور اس جنابؑ نے فرمایا۔ اگر میرے لئے مسند بچھائی جائے۔ اور میں اس پر بیٹھوں۔ تو اہل توریت کے لئے توریت سے فیصلہ کروں۔ اور اہل انجیل میں انجیل سے۔ اور اہل قرآن میں قرآن سے۔ اسی واسطے صحابہ رضی اللہ عنہم احکام کتاب میں انہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور انہی سے فتوائے لیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے چند مرتبہ فرمایا۔ "لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ"۔ اگر علیؑ نہ ہوتے۔ تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ عالم ترین امت علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔ انتہی۔ اور صاحب شرح الکبریت الاحمر فرماتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ اگر میرے لئے مسند بچھائی جائے۔ تو میں اہل توریت میں توریت سے حکم کروں۔ اہل انجیل میں انجیل سے اور اہل فرقان میں ان کے فرقان سے۔ الحدیث۔ "فَلْیَنْظُرْ اِلٰی جَامِعِیَّتِہٖ بِعِلْمِ خَاتَمِ الرُّسُلِ وَبِعُلُوْمِ شَرَائِعِ الْاَنْبِیَاءِ السَّابِقِیْنَ وَلَیْسَتْ لَہٗ ھٰذِہِ الْجَامِعِیَّۃُ بِمُطَالَعَۃِ کُتُبِھِمْ بَلْ جَامِعِیَّتُہٗ مِنَ الْوِرَاثَۃِ وَالْعِلْمِ اللَّدُنِّیِّ وَالْاِلْھَامَاتِ الْاِلٰھِیَّۃِ وَھٰذِہِ الْمَرْتَبَۃُ لِلْاِنْسَانِ الْکَامِلِ وَھُوَ اٰخِرُ تَنَزُّلَاتِ الْخَمْسَۃِ عِنْدَ الصُّوْفِیَّۃِ وَالْاِنْسَانُ الْکَامِلُ جَامِعٌ جَمِیْعَ الْمَظَاھِرِ الْاِلٰھِیَّۃِ وَھُوَ نَبِیُّنَا وَوَارِثُہٗ انتھی"۔ پس اس جناب کا علوم خاتم الرسل اور علوم شرائع جمیع انبیاء سابقین کی جامعیت کو دیکھنا چاہئے۔ اور ان تمام علوم کی جامعیت اور احاطہ ان کو ان کی کتب کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ وراثت روحانی اور علم لدنی اور الہامات الہیہ کے ذریعے سے حاصل ہوا۔ اور یہ انسان کامل کا مرتبہ ہے۔ اور صوفیہ اس کو آخر درجہ تنزلات خمسہ قرار دیتے ہیں۔ اور انسان کامل جامع ہوتا ہے جمیع مظاہر الہیہ کو۔ اور وہ ہمارے نبی اور ان کا وارث علیؑ ہے۔ انتہی۔ پس جناب رسول خدا جامع جمیع مظاہر الہیہ مظہر کامل خداوند عالم ہیں اور علیؑ جامع جمیع اوصاف محمدی اور انسان کامل اور مظہر مطلق خداوند جلیل۔ پس بعد رسول وہ قائم مقام رسول ہیں +

علیؑ مطاعِ خلق ہے

اسی اتحاد ذاتی وصفاتی و توارث صفات و اتصاف باوصاف و تخلق باخلاق نبوی کی وجہ سے طاعتِ علیؑ مثل طاعتِ پیغمبرؐ

فرض و واجب کی گئی ہے۔ وقال سبحانہ وتعالیٰ " اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم " یعنی اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو اُس کے رسول کی اور اُن کی جو بعد رسول ولی امور نبوی و متصرف و مدبر امور الٰہی ہیں۔ جب تک کہ کوئی شخص وارث صفاتِ نبوی و نمونہ کمالاتِ خاتمی و آئینہ اوصافِ محمدی نہ ہو اطاعت اسکی مثل اطاعت پیغمبر ہرگز واجب نہیں ہوسکتی پس یہ ولی امر بعد رسول وہ ہے جو شریک صفات محمدی و نفس رسول ہے۔ اور اس کی اطاعت بعینہ رسول کی اطاعت ہے۔ اور شناخت اولے الامر یہ ہے " تنزل الملئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر " ملائکہ اور روح شب قدر میں ان کے پاس ہر ایک امر الٰہی لیکر نازل ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگ جن پر تمام امور الٰہی کی وحی ہوتی ہے بغیر نبی اور امام اور کوئی نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وحی شرط نبوت و امامت ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ " وجعلناھم ائمۃ یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وکانوا لنا عٰبدین " اور ہم نے اُن کو امام بنایا ہے کہ وہ ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں۔ اور ہمارا امر ان پر نازل ہوتا ہے۔ اور ہم نے اُن کو ہر فعل خیر اور اقامۂ صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ کی وحی کی ہے۔ بلا ہماری وحی کچھ نہیں کرتے۔ اور وہ ہمارے ہی عبادت گزار ہیں۔ پس صاحبان امر و والیان امور و مدبر امور سوائے ائمہ معصومین اہلبیتؑ جو وارث صفاتِ نبوی ہیں اور کوئی نہیں ہے۔ وھو المطلوب ✦

اور تصرف امری کے سمجھنے کے لئے ملاحظہ ہو آیہ ذیل " النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم " (نبی مؤمنین کی جانوں کا خود اُن سے زیادہ مالک اور ان پر متصرف ہے) جبکہ امر پیغمبر ہر حال میں واجب الاتباع ہے۔ خواہ عبادت خدا اور نماز ہی میں کیوں نہ ہو جیسا کہ ثابت کیا جاچکا ہے۔ یہ حکم بعد پیغمبر اولے الامر کیواسطے ہے۔ اور اولے الامر مثل پیغمبر مومنین کی جانوں کا مالک ہے۔ اور امر اس کا مثل امر پیغمبر ہی ہر حال میں واجب الاتباع ہے۔ نماز کو ترک کرے اور حکم نبیؐ و اولے الامرؑ بجالائے۔ یہی معنی اولے الامر کے سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ بعد پیغمبر اولے الامر نفس رسولؐ ہے۔ کہ حکم اس کا مثل حکم پیغمبر ہے۔ نہ کہ حاکم و بادشاہ۔ یہ ہرگز اولے الامر نہیں ہوسکتے۔ فتدبر فیہ۔ تفصیل کشف الاسرار میں ملاحظہ ہو ✦

علیؑ افضل المرسلین لسابقین و خلیفہ ربّ العالمین ہے

بنص آیات کریمہ مثل آیۂ شہادت و آیۂ نذارت مطلقہ (لیکون للعٰلمین نذیرا) و آیۂ میثاق نبیین ثابت و محقق ہے۔ کہ پیغمبر خاتم النبیین تمام انبیاءِ سابقین سے افضل ہیں۔ بلکہ تمام ملائکہ و ارواح و عقول قادسہ جملہ ماسوے اللہ تحتِ نبوت مطلقہ خاتم النبیین داخل اور آپؐ کی امت میں شامل اور آنحضرتؐ تمام اُن فضائل و کمالات کے جامع ہیں۔ جو جملہ انبیاءؑ فرداً فرداً

رکھتے تھے۔ اور علیؑ چونکہ نفس رسولؐ اور تمام صفات میں مثل رسولؐ و آئینہ کمالاتِ رسول ہیں۔ اس لئے وہ بھی تمام انبیاءؑ سے افضل ہیں۔ لہذا آنحضرتؐ نے ایک دن جبکہ حضرت علیؑ باہر سے تشریف لائے فرمایا "مَرحبا بِسَیّدِ المُرسَلِین وَاِمَامِ المُتَّقِین" "مرحبا اے سید المرسلین و امام المتقین" جیسا کہ حافظ ابونعیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے۔ اور امام بیہقی نے فضائل الصحابہ میں آنحضرتؐ سے باسناد خود روایت کی ہے۔ کہ حضرتؐ نے فرمایا "مَن اَرادَ اَن یَنظُرَ اِلیٰ اٰدَمَ فِی عِلمِہٖ وَاِلیٰ نُوحٍ فِی تَقوَاہُ وَاِلیٰ اِبرَاہِیمَ فِی حِلمِہٖ وَاِلیٰ مُوسیٰ فِی ھَیبَتِہٖ وَاِلیٰ عِیسیٰ فِی عِبَادَتِہٖ فَلیَنظُر اِلیٰ عَلِیِّ ابنِ اَبِیطَالِبؑ" یعنی جو چاہے کہ علم آدمؑ، تقوائے نوحؑ، حلم ابراہیمؑ، ہیبت موسیٰؑ اور عبادت عیسیٰؑ کو دیکھے۔ تو وہ علی بن ابی طالبؑ کو دیکھے۔ کہ جامع جمیع صفات انبیاءؑ ہے۔ پس وہ علم معیارِ خلافت جو حضرت آدمؑ رکھتے تھے حضرت علیؑ بھی رکھتے ہیں۔ اور جو حلم و تقوٰے و ہیبت و عبادت دوسرے انبیاءؑ میں تھی۔ ان میں بھی ہے مع شے زائد۔ کہ جو صفات خاتمی ہیں۔ اور جس طرح جامع جمیع صفات خاتم النبیینؐ تھے آپ بھی ہیں۔ پس حضرت امیرؑ خلیفۃ اللہ و مظہر صفات کمالیہ الٰہیہ بلکہ مثل رسولؐ افضل خلفاء اللہ ہیں۔ اور جن صفات پر خدا نے اپنے دوسرے خلفاء انبیاءؑ کو خلق کیا ہے۔ انہی صفات پر حضرت علیؑ کو خلق کیا۔ پس جس طرح سے خدا نے آدمؑ و داؤدؑ وغیرہما کو اپنا خلیفہ و جانشین قائم مقام اور اپنی صفات کاملہ کا مظہر کامل اور صورت صفاتیہ کا نمونہ بنایا ہے۔ اسی طرح سے علیؑ کو اپنی صفات کمالیہ کا نمونہ و خلیفہ و جانشین بنایا ہے "وَھُوَ خَلِیفَۃُ رَبِّ العَالَمِینَ وَوَعَدَ اللّٰہُ الَّذِینَ اٰمَنُوا مِنکُم وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَستَخلِفَنَّھُم فِی الاَرضِ کَمَا استَخلَفَ الَّذِینَ مِن قَبلِھِم" پس یہ ہے خلافتِ الٰہیہ اور یہی ہے **خلافتِ راشدہ**۔ یہی ہے **خلافت قائمہ و ثابتہ الیٰ یوم القیامہ**۔ کہ بحکم الٰہی ذریت ابراہیمؑ میں قرار دی گئی ہے۔ "وَجَعَلَھَا کَلِمَۃً بَاقِیَۃً فِی عَقِبِہٖ"۔ "ولذا قالوا علیہم السلام" "نَحنُ خُلَفَاءُ اللّٰہِ فِی اَرضِہٖ" ہم خدا کی زمین میں اس کے جانشین و قائم مقام ہیں۔ اور خود حضرتؑ اپنے خطبہ میں فرماتے ہیں "اَنَا اَمِیرُ المُؤمِنِینَ وَیَعسُوبُ المُتَّقِینَ وَاٰیَۃُ السَّابِقِینَ وَلِسَانُ النَّاطِقِینَ وَخَاتِمُ الوَصِیِّینَ وَوَارِثُ النَّبِیِّینَ وَخَلِیفَۃُ رَبِّ العَالَمِینَ" میں امیر المومنین سردار متقین آیۂ سابقین، لسان ناطقین و خاتم وصیین و وارث نبیین اور خلیفہ رب العالمین ہوں۔ یہ خلفاء اللہ مثل افضل خلفاء رب العالمین حضرت خاتم النبیین وجہ اللہ۔ ید اللہ و لسان اللہ و جنب اللہ و باب اللہ و کلمۃ اللہ و عین اللہ و اذن اللہ ہیں۔ اس خلافت راشدہ الٰہیہ کو اجماع و شوریٰ عوام الناس و غلبۂ سلطنت سے کوئی تعلق نہیں۔ خلیفہ خدا ہمیشہ خلیفہ خدا ہے۔ خواہ اس کو غلبۂ ظاہری حاصل ہو یا نہ ہو۔

اور خواہ اس کو کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے۔ کوئی اس کو پہچانے یا نہ پہچانے۔ البتہ فصول اربعہ۔ تقدم علیم قدرت اور حکم اس کے لئے ہمیشہ ثابت ہے۔ اور اوصاف الٰہیہ ہمیشہ اس سے منعکس ہیں۔ اور خلافت نہیں ہے مگر توارث صفات۔ فتفکروا وتدبروا ولاتکن من الغافلین الجاہلین +

باب سوم

ختم نبوت و خلافت و ولایت و امامت

نبوت و امامت ایک ہی رشتہ ہے

بیاناتِ سابقہ میں ضمناً امامت کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے۔ کہ دراصل نبوت و امامت ایک ہی سلسلہ ہے۔ مگر تصریح و تشریح نہیں ہوئی۔ کہ واقعی یہ دونوں ایک ہی سلسلہ اور ایک ہی رشتہ میں ہیں یا جدا جدا۔ آیۂ مجیدہ "وجعلناھم ائمۃ یھدون بامرنا الخ" "وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا" شہادت دیتی ہے۔ کہ امامت و نبوت ایک سلسلہ ہے۔ کیونکہ ان آیات میں انبیاء ہی کا ذکر ہے۔ اور انہی کی شان میں فرماتا ہے۔ کہ ہم نے انکو امام بنایا ہے۔ نیز اعلان امامت حضرت ابراہیمؑ اس کی پوری توضیح و تشریح کرتا ہے کہ نبوت ہی پر ایک عہدے و منصب کی زیادتی کا نام امامت ہے۔ فقال عزّوجلّ "انی جاعلک للناس اماما"۔ اے ابراہیمؑ میں تجھ کو تمام لوگوں کا امام و پیشوا بنانیوالا ہوں۔ اور یہ بھی ثابت ہے۔ کہ اس منصب جلیل کا اعلان حضرت ابراہیمؑ کے لئے بعد نبوت و رسالت و خلت ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ امامت فوقِ نبوت ایک درجہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ پہلے سے نبی تھے رسول تھے خلیل تھے۔ اس وقت سے امامتِ مطلقہ کا عہدہ ملا۔ اور یہ خطاب زیادہ کیا گیا۔ اور پیشوائے خلق قرار پائے۔ اور پھر اس منصب جلیل کی حضرتؑ نے اپنی ذریت کے لئے خواہش فرمائی۔ اور عرض کیا۔ "ومن ذریتی"۔ کیا میری ذریت کو بھی یہ منصب جلیل عنایت کیا جائیگا؟ جواب ملا۔ "لاینال عھدی الظالمین"۔ یعنی تمہاری ذریت میں جو ظالمین ہیں۔ ان کو تو یہ عہدۂ امامت پہنچ نہیں سکتا۔ ہاں صالحین و معصومین اس پر فائز ہونگے۔ اور ظلم دو قسم کا ہے۔ **ظلم جلی**۔ اور وہ شرک ہے۔ "ان الشرک لظلم عظیم"۔ **ظلم خفی**۔ اور وہ ہر ایک معصیتِ خدا ہے۔ بس حضرتؑ کی ذریت میں سے جو مشرکین و گنہگار رہیں۔ وہ اس عہدے سے خارج ہو گئے۔ اور صالحین کے لئے ہمیشہ کے لئے

ثلاثت - یعنی یہ عہدہ مخصوص ہے معصومین سے چنانچہ مطابق قول خدا و جعل الٰہی کہ فعل خدا ہے ایسا ہی ہوا کہ
ذریت ابراہیمؑ میں ہمیشہ کچھ معصومین اس عہدے پر فائز ہوتے رہے۔ جیسا کہ آیات مذکورۂ "وجعلنا منھم
ائمۃ" سے ظاہر ہے۔ جو ذریت حضرت ابراہیمؑ سے ہیں مثل حضرت اسحاقؑ و یعقوبؑ وغیرہما (ملاحظہ ہو
سورۂ انبیاء رکوع ۵ - تفصیل حصۂ دوم میں دیکھنی چاہیئے) +

بہرحال نبوت و امامت ایک ہی رشتہ ہے۔ اور امامت فوق نبوت ہے۔ اور بعد نبوت زیادتی عہدہ
پیشوائی کا نام امامت ہے۔ چنانچہ بعض انبیاء ایسے گزرے ہیں۔ جو صرف اپنے ہی نفس پر نبی تھے۔ بعض
ایسے تھے۔ جو کسی امت پر رسول بھی تھے۔ اور بعض رسول اولوالعزم مثل حضرت نوحؑ و ابراہیمؑ و موسےٰؑ و
عیسےٰؑ و حضرت خاتمؐ۔ اور بعض علاوہ نبوت و رسالت و اولوالعزمی امام بھی تھے مثل حضرت ابراہیمؑ اور
ان کی ذریت اسحاقؑ و یعقوبؑ وغیرہم۔ خلافت توارث صفات مستخلف کا نام ہے۔ اور امامت ریاست عامہ
اور یہ نہیں ثابت ہوتی مگر بفصول اربعہ تقدم فی الوجود علم۔ قدرت اور حکم سے۔ جیسا کہ باب خلافت میں بھی
ثابت کیا جا چکا ہے۔ اور اسی آیت امامت حضرت ابراہیمؑ سے ثابت ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ میں یہ
چاروں فصول موجود تھیں۔ اور ان صفات سے متصف تھے۔ ماموین پر تقدم فی الوجود بھی رکھتے تھے۔
کہ تمام لوگوں پر بھی امام تھے۔ جو اس وقت کتم عدم ہی میں تھے۔ اور علم بھی۔ قدرت بھی اور حکم بھی۔ جیسا کہ
حالات و واقعات ابراہیمیؑ سے روشن و آشکارا ہے (یہاں ان کی تفصیل کا موقع نہیں کشف الاسرار
میں مفصل بیان کیا گیا ہے) "فالامامۃ ریاسۃ عامۃ من حیث التقدم والعلم والقدرۃ والحکم"
امامت ریاست عامہ ہے بلحاظ تقدم و علم و قدرت و حکم۔ امام نہیں ہوتا مگر ان اوصاف سے۔ اور یہی امامت
منصوصہ الٰہیہ ہے۔ کہ بجعل الٰہی و بنص الٰہی ثابت ہوتی ہے۔ "وجعلناھم ائمۃ" "وانی جاعلک للناس
اماما" (وجاعل صالحی ذریۃ ابراہیم ائمۃ)۔ اور اس کو لوگوں کے مشورے۔ اجماع اور غلبہ و سلطنت
سے کوئی تعلق نہیں کس کے اجماع سے حضرت ابراہیمؑ امام ہوئے تھے۔ کس نے مشورہ دیا تھا۔ اور کن پر
غلبہ و سلطنت ظاہریہ حضرتؑ کو حاصل تھی یہ صرف نص تھی۔ مگر نص الٰہی قولاً و جعل الٰہی فعلاً۔ نہ نص ہمہ و شما۔
اس بیان سے کہ امامت فوق نبوت ہے۔ اور نبوت کے بعد ایک درجہ ہے۔ ثابت ہوا کہ ہر ایک امام ایک نبی سے افضل
ہے۔ جو نبی بھی ہے اور امام بھی۔ وہ اس سے افضل ہے جو صرف نبی ہو۔ اور اسی طرح سے جو شخص نبی بھی ہو
اور امام بھی ہو۔ وہ اس سے افضل ہے جو صرف امام ہو۔ اور نبی مطلق افضل ہے نبی جزئی سے۔ اسی طرح امام مطلق
افضل ہے امام جزئی سے۔ اور نہ ہر نبی امام ہے نہ ہر امام نبی۔ بعض صرف نبی ہیں امام نہیں۔ اور بعض امام
ہیں نبی نہیں۔ اور بعض نبی بھی ہیں اور امام بھی۔ حضرت رسول مقبولؐ نبی مطلق بھی ہیں رسول مطلق بھی ہیں۔

امام مطلق بھی اور ولی مطلق بھی۔ اور وہ جملہ انبیاؑ و ائمہؑ سے افضل ہیں۔ اور آنحضرتؐ کے وارث ائمۂ اہلبیتؑ مثل آنحضرتؐ امام مطلق ہیں ولی مطلق ہیں۔ مگر بنص قرآن وحدیث نبی و رسول نہیں ہیں۔ پس وہ نہ آنحضرتؐ کے بالکلیہ مساوی ہیں اور نہ افضل۔ ہاں اور جملہ انبیاءؑ و اوصیاءؑ و ائمہؑ سے افضل ہیں۔ کیونکہ وہ امام مطلق و ولی مطلق بھی ہیں۔ اور سابقین صرف نبی جزئی۔ فتدبر فیہ +

امامتِ مطلقہ

ذریتِ ابراہیمؑ میں سے نسل حضرت اسمٰعیلؑ میں یہ عہدہ اوّل اوّل حضرت خاتم النبیینؐ کو پہنچا۔ کیونکہ اولاد حضرت اسمٰعیلؑ میں آپ کے بعد سوائے جناب محمد مصطفٰےؐ اور کوئی نبی نہیں ہوا پس اولاد اسمٰعیلؑ میں آپ ہی اوّل امام ہیں۔ مگر چونکہ انبیاء بنی اسرائیل و دیگر تمام انبیاءؑ انبیاء جزوی تھے۔ اور ان کی رسالت و نبوت محدود تھی۔ ایک خاص ملک یا خاص قوم کے واسطے۔ اس لئے وہ امام و پیشوا بھی اسی قوم کے تھے۔ مگر خاتم النبیینؐ کی نبوّت چونکہ نبوّت مطلقہ ہے۔ اور تمام عوالم یعنی ماسوے اللہ پر مبعوث و نذیر ہیں۔ اس لئے آپ کی امامت و رسالت بھی مطلقہ کلیہ ہے۔ اور آپ پیشوائے کل ہیں حتےٰ کہ تمام انبیاء کے بھی پیشوا ہیں بنص آیت شہادت و میثاق وغیرہما۔ اور اسی واسطے آپ نے فرمایا ہے "آدَمُ وَمَنْ دُوْنَہٗ تَحْتَ لِوَائِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ"۔ روز قیامت آدمؑ اور ان کے ماسوائے سب میرے لوائے حمد کے نیچے ہونگے اور آپ مقام محمود پر فائز "عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" +

پس حضرت ختمی مرتبت نبی بھی ہیں رسول بھی ہیں اولوالعزم بھی ہیں ولی بھی ہیں۔ اور امام کل بھی ہیں لیکن بنص قرآن آپ خاتم النبیینؐ بھی ہیں۔ اور نبوت آپ پر ختم ہے۔ اس لئے آپ کے بعد کسی پر لفظ نبی کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں کہلا سکتا۔ اور اگر کوئی اس نام کا مدعی ہو۔ اور اس کو اختیار کرے۔ وہ منکر قرآن و منکر رسالت خاتم النبیینؐ ہے۔ کیونکہ اگر خاتِم اسم وصفی لیا جائے۔ تب بھی معنی یہ ہیں۔ کہ آپ نے انبیاء کو ختم کردیا۔ اور نبیین آپ پر ختم ہوگئے۔ اور بعد آپ کے کوئی نبی نہ آئیگا۔ اور خاتَم اسم لیا جائے۔ اور یعنی "مَا یُخْتَمُ بِہٖ" ہے۔ تو بھی یہی مطلب ہے۔ کہ بعد آپ کے کوئی نبی نہ آئیگا۔ کیونکہ جب صاحب خاتم (مہر) خود آگیا۔ تو اس کے بعد کون آسکتا ہے۔ درا صل وہی مہر نبوت سے ممتاز کرکے بھیجا تھا۔ اور اگر خاتِم بمعنی مصدّق لیا جائے۔ تو بھی یہی مطلب ہے۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئیگا۔ کیونکہ آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ اور نبیّین جمع ہے۔ اور کل افراد انبیاء کو بقاعدہ اطلاق لفظ شامل ہے۔ اور پھر جمع پر ال استغراق داخل ہو کر تمام افراد انبیاءؑ کو بطور حصر شامل کرتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے۔ کہ جتنے بھی نبی ہیں سب کے سب کا مصدق اور تصدیق کنندہ یہ پیغمبر خاتم النبیینؐ ہے۔ اور ہر ذی عقل جانتا ہے۔ کہ یہ صفت اس شخص پر صادق آسکتی ہے۔ جو ان سب انبیاءؑ کے بعد آئے جن کا مصدّق

ہے۔ اور اس لئے یہ وہ شخص ہوگا۔ جو یقیناً آخری نبی ہو اور اس کے بعد اور کوئی نبی نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس کے بعد بھی کوئی نبی ہو۔ تو وہ اس کا مصداق نہ ہوگا۔ اور اس لئے لفظ خاتم النبیین کا اطلاق غلط ہو جائیگا۔ اور کلام خدا ناقص۔ پس وہ جناب سب کے مصدق اور سب کے آخر میں ہیں۔ اور آپؐ کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہے۔ تمام انبیاءؑ آپ کے مبشر ہیں۔ اور آپؐ سب کے آخری اور مصدق (تفصیل حصہ سوم میں دیکھو)۔

اور اگر خاتم النبیین کے یہ معنی لئے جائیں کہ وہ شخص جو منتہائے ترقی نبوات پر پہنچا ہوا ہو۔ اس کے فوق کوئی درجہ ممکن کے لئے باقی نہ ہو۔ تو وہ محمد مصطفےٰؐ ہے۔ اور اس کے اوپر کوئی درجہ نہیں ہے۔ تو بھی یہی مطلب ہے۔ کہ آپ کے بعد اور کوئی اس عہدے پر فائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس سے فوق کوئی عہدہ نہیں ہے۔ جو اس کے بعد دیا جائے۔ نبوت منتہائے ترقی النسانی ہے۔ اور ختم نبوت منتہائے ترقی نبوات۔ اور صاحب ختم مقام قاب قوسین او ادنےٰ پر پہنچا ہوا۔ کہ منتہائے ترقی امکان ذاتی و اتصال بوجوب غیری ہے۔ کیونکہ قاب قوسین منتہائے قوس امکان ذاتی کا مقام ہے۔ اور او ادنےٰ اتصال وجوب غیری۔ اور اس سے فوق مرتبہ واجب الوجود ہے۔ پس بعد حاصل ہو جانے اس مرتبہ کے کوئی اس منصب جلیل پر فائز نہیں کہ بعد اس کے ممکن کے لئے کوئی درجہ نہیں ہے۔ اور بعد کامل کے تکمیل نوع النسانی کے لئے ناقص کا آنا غیر معقول و قبیح و بدیہی البطلان ہے۔ بعد اس خاتم النبیینؐ کے جس کا مقام وجوب غیری ہے۔ اور فوق اس کے مقام واجب الوجود و مرتبہ ربوبیت و الوہیت۔ اگر کوئی دعوے کرے۔ تو دعوئے خدائی و ربوبیت و الوہیت واجب الوجودی کرے نہ دعوئے نبوت۔ پس مدعی نبوت بعد ختم رسالت کاذب و مفتری ہے۔

اور ان آثمین و مفترین و افاکین و کاذبین و اولیاء شیاطین سے ہے۔ جن کی شان میں آیا ہے ”اِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓـئِہِمْ“۔ تحقیق کہ شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں ”وَیُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَکْثَرُہُمْ کَاذِبُوْنَ“ وہ ان کے کانوں میں پھونکتے اور القاء کرتے رہتے ہیں۔ اور اکثر ان میں سے جھوٹے ہوتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھی جہال کو دام تزویر میں پھنسانے کے لئے سچی بھی نکل آتی ہیں۔ اور شیاطین ٹھیک القاء کرتے ہیں ”وَھَلْ اُنَبِّئُکُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیَاطِیْنُ“۔ کیا ہم خبر دیں۔ کہ کس پر شیاطین نازل ہوتے ہیں؟ ”تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ“ شیاطین نازل ہوتے ہیں ہر مفتری کذاب گنہگار پر۔ پس وہ اپنے دعوے میں تو سچا ہے مگر وحی وحی شیطانی ہے نہ وحی رحمانی۔ اور اسی واسطے اکثر کاذب ہوتی ہے۔ وحی رحمانی مخصوص ہے بروح قدس نبوتی و اماتتی جس پر انبیاءؑ و ائمہؑ فائز ہوتے ہیں۔ اور وہ روح یہ روح خاص ہے ”وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ“ ”وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ“ ”وَاَیَّدَہُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ“ ”یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ“ خدا اپنے عالم امر سے

ایک روح اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے القا کرتا ہے۔ تاکہ اس روح کے ذریعہ سے روز قیامت سے ڈرائے جس کو یہ روح عطا ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے۔ بلا اس روح قدسی و روح نبوتی نبی ہرگز بشیر و نذیر نہیں ہوسکتا۔ اور رب خاتم فرماتا ہے "وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" (سورہ شوریٰ)۔ "اسی طرح سے اے پیغمبر ہم نے تجھ کو ایک روح اپنے امر سے عطا کی ہے۔ تو نہیں جانتا تھا۔ کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان۔ لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سے ہم جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اور اے پیغمبر تو ہی صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والا ہے +

جو شخص یہ روح رکھتا ہے وحی رحمانی اس پر نازل ہوتی ہے۔ ورنہ وحی شیطانی۔ اور چونکہ یہ روح قدسی ابتداء سے اس کے وجود میں ہوتی ہے۔ نہیں بلکہ یہی روح نبی ہے۔ اس لئے اس کے لئے طفولیت و کہولیت و شیخوخت سب مساوی ہیں۔ اور ولادت ہی سے آثار نبوتی اس سے نمایاں ہوتے ہیں۔ اور اسی سے وہ پہچانا جاتا ہے۔ کہ صاحب روح نبوتی و روح قدس ہے۔ وَلِذَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ "اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا" میں بندۂ خدا ہوں۔ خدا نے مجھے کتاب وجودی یعنی علم دیا ہے۔ اور نبی بنایا ہے "فَالنَّبِيُّ نَبِيٌّ وَلَوْ كَانَ صَبِيًّا" اور اسی قدر بیان جھوٹی اور سچی نبوت میں تمیز کرنے کو کافی ہے۔ اور نیز معنی ختم نبوت کے سمجھانے کو۔ اس سے زیادہ تفصیل کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں +

غرض نبی اسم خاص ہے ایک خاص شخص کے لئے ایک زمانہ محدود کے واسطے۔ اور یہ ایسا اسم ہے۔ جو خدا پر صادق نہیں آتا بندگان خدا ہی کے لئے مخصوص ہے۔ اور یہ اسم حضرت ختمی مرتبت جناب محمد مصطفٰے پر ختم ہے۔ بعد آنحضرتؐ کسی پر اس کا اطلاق صحیح نہیں۔ لیکن ولایت ایک ایسی صفت ہے جس سے ذات واجب الوجود بھی متصف ہے۔ اور اوّل و بالذات ولی وہی ہے۔ اور معنی ولایت تصرف مطلق ہیں۔ اور وہ ہمیشہ سے متصرف و ولی امور و مدبر امور ہے۔ اور ہمیشہ رہیگا۔ اس لئے مظہر ولایت کا بھی ہمیشہ موجود رہنا ضروری ہے۔ اور معلوم ہے۔ کہ مظہر ولایت خدائی اوّل پیغمبر خاتم النبیینؐ ہے۔ اور وہ اس صفت سے متصف۔ لہذا اوصیاء پیغمبرؐ و خلفاء پیغمبرؐ و جانشین پیغمبرؐ و قائم مقام پیغمبرؐ ہمیشہ اس صفت ولایت سے متصف ہیں۔ اور ولایت اہلبیت نبوی و ذریت نبوی (جو کہ جانشین نبی و آئینہ صفات صفات نبوتی ہیں) ہمیشہ باقی اور ہمیشہ ان میں سے ایک ولی امور و صاحب الامر کا وجود ضروری ہے۔ اس وجہ سے آیۂ ولایت

میں خداوند عالم نے تیسرے درجہ کے اولیاء کا ذکر بصیغہ جمع کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا "اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ"۔ اور رکوع کے معنی ہم بتلا چکے ہیں۔ اور اشارہ کر چکے ہیں کہ راکعین یہی جماعت خاصہ اولیاء اللہ ہے۔ جو امت وسطٰا ور خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہے۔ اور عطاء انگشتری درحالت رکوع ان اولیاء اللہ کی شناخت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ اولیاء اللہ یہ جماعت اہلبیتؑ ہے نہ اور کوئی۔ اور یہ فضیلت خاص پیغمبرؐ اور اہل بیت پیغمبرؐ ہی سے مخصوص ہے۔ چنانچہ بعض علماء محققین نے تصریح فرمائی ہے کہ ازمنۂ سالفہ اور امم سابقہ میں لفظ ولی کا استعمال نہ تھا۔ یہ قرآن ہی میں مذکور ہے۔ اور اس امت میں یہ خطاب آیا ہے۔ اور اس پر محمدؐ و آل محمدؐ ہی فائز ہوئے ہیں۔ اور ولایت مطلقہ انہی پر ختم ہے (دیکھو ینابیع)۔ تفصیل تحقیق حصۂ دوم میں ملاحظہ ہو +

اس طرح نبوت ختم ہوگئی۔ مگر مابہ النبوۃ کہ کتاب ہے بحبل الٰہی ذریت ابراہیمؑ میں باقی ہے "وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ وَالْکِتٰبَ"۔ اور اسی طرح امامت ذریت ابراہیمؑ میں بحبل الٰہی ہمیشہ قائم ہے۔ اور بعد رسولؐ ذریت و عترت رسولؐ جو ذریت ابراہیمؑ و اولاد اسمٰعیلؑ ہے امام خلق ہے "وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ"۔ پس اوصیاء رسولؐ و خلفاء رسولؐ و قائم مقامان رسولؐ و وارث صفات نبوتی و آئینۂ جمال محمدی ولایت و امامتِ مطلقہ ابراہیمؑ و محمدیؐ میں خلیفۂ رسولؐ اور اس کے جانشین ہیں۔ اور مثل رسولؐ پیشوائے کل و امام مطلق اور تمام انبیاء سابقین سے افضل۔ ولذا قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ"۔ حسنؑ اور حسینؑ تمام جوانان اہل جنت کے سردار ہیں۔ خواہ ان میں انبیاء ہوں یا غیر انبیاء۔ یہی امامت امامتِ حقہ الٰہیہ ہے اور یہی خلافتِ راشدہ۔ اور اسی کا استحقاق خلفاء رسولؐ و اہلبیت رسولؐ کے لئے ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ لفظ امام و خلیفہ تو بےشمار لوگوں پر بولا جاتا ہے۔ ہر مسجد کا مُلّا امام مسجد کہلاتا ہے۔ ہر ایک علم کا ماہر امام علم و فن کہلاتا ہے اور اسی سے ہزاروں امام ہیں۔ اور ایک امام وہ بھی ہیں جن کی شان میں خدا فرماتا ہے "وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ"۔ ان کو امام بنایا گیا ہے۔ درانحالیکہ وہ لوگوں کو آتش جہنم کی دعوت دے رہے ہیں۔ یہی وہ امام ہیں جو حامل وحی شیطانی ہیں۔ ہم ان ائمہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اگر کوئی ایسی امامت کا مدعی ہے۔ تو اس کو مبارک ہو۔ مگر امامت حقہ الٰہیہ ذریت ابراہیمؑ کے معصومین صالحین و وارثان اوصافِ خاتم النبیینؐ سے مختص و مخصوص ہے۔ اور یہی اس ولایت و امامت میں جانشین رسولؐ و خلیفۂ خدا ہیں۔ اور یہی خلافت راشدہ الٰہیہ ہے۔ نہ وہ جو چند لوگوں کے مشورے سے ہو۔

جیساکہ آئندہ ذکر کرینگے۔ خلفاء رسولؐ ولایت وامامت میں قائم مقام وجانشین رسولؐ ہیں نہ نبوت میں۔ نبی کا ان پر اطلاق ہرگز صحیح نہیں +

ان بیانات سے مثل روز روشن ہویدا و آشکارا ہے۔ کہ اس خلافت الٰہیہ و خلافت مطلقہ نبویہ پر صرف علیؑ و اولاد علیؑ فائز ہیں نہ اور کوئی۔ وھو المقصود۔ وَهُمْ خُلَفَاءُ اللّٰهِ فِي أَرْضِهِ وَحُجَجُهُ عَلٰى عِبَادِهِ فِي بِلَادِهِ +

آیۂ استخلاف و خلافت خلفاء رسولؐ

قَالَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي وَلَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ" (نور ع ۷)۔ "اللہ تعالٰے نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں۔ اور نیک کام کئے ہیں کہ ضرور اللہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائیگا۔ جیساکہ ان سے پہلے لوگوں کو اس نے خلیفہ بنایا۔ اور ان کو اس دین پر پوری پوری قدرت وتمکین عطا کریگا۔ جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ اور اس سے خوش ہے۔ اور ان کے خوف کو امن سے بدل دیگا۔ کہ پھر وہ خالص خدا کی عبادت کرینگے۔ اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرینگے۔ اور جو شخص بعد اس کے کفران نعمت کرے۔ پس وہی فاسق ہے" +

یہ آیۂ مبارکہ اہل اسلام میں بڑی معرکۃ الآرا ہے۔ اور بہت کچھ بحث ومباحثے اس پر ہوتے رہتے ہیں۔ مناسب ہے۔ کہ اس کی معتدبہ تشریح کی جائے۔ اس آیت سے اوّل بلاکسی تفسیر وتاویل کے چند باتیں ثابت ہیں۔ اوّلؔ اس میں وعدہ الٰہی ہے۔ اور "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ" خدا کبھی وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ پس ضرور یہ وعدہ ایک دن پورا ہوگا یا ہوچکا۔ دوّمؔ یہ وعدہ خاص مومنین اہل اسلام سے ہے۔ کسی اور کے لئے نہیں ہے۔ سوّمؔ ایمان کے ساتھ اعمال صالح بھی شرط ہیں۔ گویا غیر صالحین اس وعدے سے خارج ہیں۔ فاسق۔ فاجر۔ گنہگار اس بشارت کے مصداق نہ ہونگے۔ چہارمؔ وعدہ وعدۂ خلافت ہے۔ اور ایسی خلافت جو پہلے بھی کچھ لوگوں کو دی جاچکی ہے۔ پنجمؔ یہ ایک خدا کی طرف سے خوشنودی کا پروانہ ہے۔ اس لئے ضرور یہ خلافت کوئی ایسی شے ہے۔ جس سے مومنین ہی مخصوص ہوں۔ نہ کہ ایسی چیز جس میں مومن کافر ومشرک وموحد سب شریک ہوتے ہیں۔ ششمؔ اس میں یہ بھی وعدہ ہے کہ ان کو خدا ان کے دین پسندیدہ پر ضرور قدرت دیگا۔ کہ اس کو آسانی سے بجالائیں اور جاری کریں۔ اور کوئی روک ٹوک مانع وعائق باقی نہ رہے۔

ہفتم یہ کہ ان کے خوف کو امن سے بدل دیا جائیگا۔ پس وہ لوگ جو اس کے مستحق ہیں۔ ایک مدت تک خوف کی حالت میں بسر کرتے رہینگے۔ پھر ان کو امن نصیب ہوگا۔ اور خوف بالکل مرتفع ہو جائیگا۔ ہشتم اُس وقت میں خدا کی خالص عبادت بے لوث۔ بے ریا۔ بے خوف ہوگی۔ اور شرک بالکل دُنیا سے مٹ جائیگا +

اب اس میں چند امور غور طلب ہیں۔ اوّل یہ وعدہ کس کے لئے ہے۔ اور اس کے مصداق کون ہیں۔ دوم وہ وعدہ پورا ہو گیا یا ہوگا۔ سوم اس خلافت سے کیا مراد ہے۔ اور معنی خلافت یہاں کیا ہیں۔ چہارم یہ لوگ کس کے خلیفہ وجانشین ہونگے۔ پنجم پہلے وہ لوگ کون ہیں جن کو ایسی خلافت دی گئی۔ ششم ان کو تمکین بردین۔ تبدیل امن اور رفع شرک مطلق حاصل ہُوا یا نہیں۔ ان امور کے حل ہونے سے آیت بالکل صاف ہو جائیگی +

معانی خلافت کے بیان ہونے اور سمجھ جانے کے بعد اس میں ذرا بھی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہ خلافت جو باعث فخر و ناز مومنین ہو سکتی ہے اور قابل بشارت ہے۔ وہ وہی خلافت الٰہیہ ہے۔ جس کے معنی اتصاف باوصاف الٰہی ہیں۔ اور جس پہ ملائکہ آسمان پر رشک کرتے ہیں۔ کیونکہ نہ تو محض بادشاہت چند روزۂ دنیا ایسی شئے ہے۔ جس سے خدا مومنین کو بشارت دے۔ کیونکہ یہ خاص مومنین سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ کافرین مشرکین وملحدین منکر خدا اس سے بمقابلہ مومنین بہت زیادہ متمتع ہوتے رہتے ہیں۔ "وَيُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ" بادشاہت تو جس کو خدا چاہتا ہے دیدیتا ہے۔ اس میں ایمان کی شرط نہیں ہے۔ اور نہ خلافت کے یہ معنی کہ (جو کسی امت کے بعد آئے۔ اور اس کی جگہ آباد ہو۔ وہ خلیفہ کہلاتا ہے) مومنین سے خصوصیت رکھتے ہیں۔ اس میں بھی مومن و کافر سب مساوی ہیں۔ جیساکہ ثابت کیا جا چکا ہے۔ اور اس لئے یہ ہرگز بشارتِ مومنین کا موجب نہیں ہو سکتی۔ اور نہ یہ خلافت وہ خلافت ہے۔ کہ جو ہر ایک بیٹا اپنے باپ سے اور باپ کے بعد پاتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں بھی مومن و کافر و مشرک وملحد سب مساوی ہیں۔ ہر ایک بیٹا اپنے باپ کا خلیفہ ہے۔ بہرحال وہ خلافت جس سے خاص مومنین اور وہ بھی مومنین صالحین کو بشارت دی جائے۔ اور وعدہ کیا جائے۔ اور ان کے لئے باعث فخر و مباہات ہو۔ وہی خلافت ہو سکتی ہے جس کا اعلان حضرت آدمؑ کے لئے کیا گیا تھا۔ اور جس کی خواہش میں ملائکہ مقربین محاجّہ کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ اور جس کی آتش حسد میں آج تک شیاطین جل رہے ہیں۔ اور وہی باعث اختلاف واصل اختلاف بنی آدم و بنی جان ہے یعنی توارث صفات واتصاف باوصاف الٰہی اور حکومت و بادشاہت جس کے تحت میں داخل ہے۔ یہی معنی "کما استخلف الذین من قبلهم" کی تشبیہ سے واضح ہیں۔ کیونکہ خدا مومنین وصالحین کو یہ ہرگز بشارت نہ دیگا۔ کہ جس طرح دنیا میں تم سے پہلے کفار و

فجار، مالک زمین و بادشاہ بنائے گئے ہیں مثل فرعون۔ نمرود۔ شداد و بخت نصر وغیرہم۔ اسی طرح تمکو بھی خدا بادشاہ بنانے والا ہے۔ بلکہ یہ بشارت دیگا۔ کہ جس طرح تم سے پہلے ہم نے اپنے بندگان صالحین انبیاء علیہم السلام اجمعین کو یہ منصب جلیل عطا کیا تھا۔ اسی طرح تمکو بھی دیا جائیگا۔ کیونکہ انبیاء کی صفت صالحین ہے "کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ" پس صالحین آخرین کو وہی دیا جائیگا۔ جو صالحین اولین حضرت آدمؑ و داؤدؑ وغیرہما کو دیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں خدا نے یہاں پہلی خلافت سے تشبیہ دی ہے۔ کہ جیسی پہلی دی گئی ہے ویسی ان کو دی جائیگی۔ تو ضرور ہے۔ کہ مشبہ بہ کا ذکر بھی ہو۔ ورنہ مطلب واضح نہ ہوگا۔ اور کلام ناقص رہیگا۔ لہٰذا ہم دیکھیں۔ کہ قرآن میں کونسی خلافت کا ذکر ہے۔ تاکہ تشبیہ صحیح ہو اور معنی آیت درست۔ ظاہر ہے۔ کہ قرآن میں جس خلافت کا ذکر ہے۔ وہ وہی خلافت الٰہیہ ہے جس کو ہم ثابت کر چکے ہیں اور وہی خلافت قابل بشارت ہے نہ بادشاہت۔ بادشاہت اور چیز ہے اور خلافت اور شے۔ ملک (بادشاہ) اور ہے اور خلیفہ شے دیگر۔ پس یہ خلافت ضرور خلافت الٰہیہ ہی ہے۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ یہ خلیفہ خدا کے خلیفہ و جانشین ہونگے نہ کسی اور کے۔ اور نہ محض خلیفۂ رسولؐ۔ کیونکہ پیغمبرؐ خود اس وعدے میں شریک ہے۔ اول المومنین و اصل الایمان و افضل الصالحین و سید المرسلین ہے۔ بنا بریں مطلب یہ ہوا۔ کہ خدا وعدہ کرتا ہے۔ کہ مومنین صالحین اہل اسلام کو (جیسا کہ "منکم" سے ظاہر ہے) اپنا خلیفہ و جانشین بنائیگا جس طرح کہ آدمؑ و داؤدؑ وغیرہما کو بنایا گیا تھا۔ اور جب خلافت کے معنی معلوم ہو گئے کہ خلافت الٰہیہ اسی سے مراد ہے۔ اور معنی خلافت الٰہیہ توارث صفات و اتصاف باوصاف ہیں۔ تو یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ مومنین صالحین میں سے جو اوصاف خداوندی سے متصف اور اس کی صفات کے مظہر ہیں وہی خلیفہ خدا اور اس بشارت کے مستحق اور اس وعدے کے مصداق ہیں +

اور یہ مسلم و محقق ہے۔ اور ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ افضل المسلمین و اکمل المومنین و افضل الصالحین جناب خاتم النبیینؐ صلے اللہ علیہ و آلہ الطاہرینؑ ہیں۔ اور وہی مظہر کامل خداوند رب العالمین۔ پس اس خلافت کے مصداق اول و بالذات وہی جنابؐ ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ کامل نمونہ اوصاف و کمالات الٰہی ہیں۔ خدا اپنی صفات سے ان کو متصف فرماتا ہے۔ اور ان کے افعال کو اپنے افعال قرار دیتا ہے۔ اور یہی معنی خلافت ہیں۔ جن کو آنحضرتؐ کے لئے ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اور بعد ازاں اس کا مستحق باستحقاق حقیقی واقعی وہ ہے۔ جو مظہر اوصاف محمدی و آئینہ کمالات نبوی و نفس نبیؐ ہے۔ اور وہ غیر از علیؑ ابن ابیطالبؑ اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔ پس دوسرا خلیفہ بعد نبیؐ وہی بزرگوار ہے۔ جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے۔ اور بعد ازاں جو اس نور کے ٹکڑے اور اس آفتاب ہدایت کی شعاعیں اور اس کے اجزاء (اولاد) مالک و وارث صفات

اب وجہ ہیں۔ وہ اس کے مصداق و خلفاء اللہ ہیں۔ وہو المطلوب +

مزید توضیح۔ اِس مطلب کو ہم دُوسرے لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔ تاکہ خوب واضح ہو جائے۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ وعدہ مومنین اور مومنین میں سے صالحین سے ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ کہ یا تو وعدۂ خلافت بالاستحقاق ہے یا بالتفضّل۔ یعنی یا تو خدا بوجہ ان کے استحقاق کے ان کو خلیفہ بنائیگا یا محض اپنے تفضّل سے بلا کسی استحقاق کے۔ اگر پہلی صورت ہے۔ کہ بالاستحقاق خلیفہ بنائیگا۔ تو سب سے پہلے مستحق خلافت وہی ہے۔ جو سب سے کامل الایمان ہے۔ اور بلا شک و شبہ سب سے کامل الایمان بلکہ اصل ایمان و عین ایمان و حقیقت ایمان ذات قدسی صفات حضرت ختمی مرتبت ص ہے۔ پس وہی بالاستحقاق خلیفہ و جانشین خدا ہے۔ اور اگر بالفرض خلافت سے مراد خلافت دنیاوی یعنی حکومت مراد لیں۔ تب بھی وہی بادشاہ برحق ہے۔ خواہ کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے۔ اور یہی گفتگو صالحین میں ہے۔ کہ مستحق خلافت وہ ہے۔ جو صالح ترین مردم ہے۔ اور وہ ذات پاک محمدی ہے۔ کیونکہ صالحین صفتِ انبیاءؑ ہے۔ اور آنحضرت سیّد الانبیاءؑ۔ پس آپ ہی سیّد الصالحین و افضل الصالحین اور آپ ہی بالاستحقاق مالک و وارث خلافت اور اس وعدے کے مصداق۔ اگر دوسری صورت ہے یعنی یہ وعدۂ خلافت بالتفضّل ہے۔ تب بھی اوّل وہی اس کا مصداق ہے۔ جو سب سے ایمانِ اعمال میں افضل ہے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے "وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ" ہر صاحب فضیلت کو اس کا فضل عطا کرتا ہے یا اپنے تفضل خاص سے ممتاز فرماتا ہے۔ لہٰذا مستحق تفضّل بھی اوّل صاحب فضیلت ہی ہے۔ اور وہ ذاتِ محمدی ہے "ثُمَّ الْاَفْضَلُ فَالْاَفْضَلُ" کیونکہ ترجیح بلا مرجح و تفضیل مفضول بر فاضل قبیح ہے "وَاِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ" رحمت رحمانیہ خدا نیک و بد و مشرک و موحد و مومن و منافق و مسلم و کافر کو شامل ہے۔ بلکہ ہر شے کو محیط "رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ"۔ لیکن رحمت رحیمیہ خاصہ مومنین صالحین و محسنین سے مخصوص ہے۔ پس تفضل الٰہی و رحمت خدائی اوّل المحسنین و افضل الصالحین و صالح المومنین ہی سے مخصوص ہوگی۔ ورنہ فعل خدا خلاف قول خدا ہوگا۔ اور یہ محال ہے۔ پس افضلین کے ہوتے غیر افضلین کو یہ منصب ہرگز نہیں دیا جاسکتا۔ اور اسی پر تفضّل اعمال صالحہ کو قیاس کر لینا چاہئے یعنی افضل المومنین و افضل الصالحین ہی مستحق خلافت ہے +

پس بعد پیغمبرؐ مستحق خلافت استحقاقی وہی بزرگوار ہے۔ جو بعد پیغمبرؐ افضل امت ہے۔ وہ جو اوّل المومنین و کامل الایمان و افضل الصالحین ہے۔ اور وہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے۔ کہ جو سب سے پہلے رسولؐ پر ایمان لایا۔ یعنی تصدیق فرمائی۔ اور جس کی صفت "لَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ اَبَدًا" ہے۔ کہ

ایک چشم زدن کے واسطے اس نے شرک نہیں کیا۔ اور کوئی عمل صالح اس سے نہیں چھوٹا۔ پس بعد پیغمبرؐ اول مستحق خلافت وہ ہے۔ نہ کہ وہ لوگ جو مدت شرک میں مبتلا رہے ہوں۔ بہت سے اعمال صالحہ ان سے فوت ہوئے ہوں۔ کیونکہ ترجیح بلا مرجح و تفضیل مفضول بر فاضل قبیح و محال ہے۔ لہذا جب معیار استحقاق خلافت ایمان و عمل صالح ہے۔ تو ضرور اول مستحق وہی ہے۔ جو ایمان و عمل صالح میں سب سے افضل ہے۔ اور وہ بعد رسولؐ غیر از علیؑ کوئی نہیں۔ جو نفس رسولؐ ہے بنا بہ اوصاف نبویؐ ہے +

دوسرے لفظوں میں کمال ایمان موقوف ہے کمال علم پر۔ اور علم میں بعد پیغمبر مثل علیؑ کوئی نہیں۔ کہ باب علم نبویؐ ہے۔ اور در باب ایمان و معرفت خود فرماتا ہے " لو کشف الغطاء لما ازددت یقیناً " اور حافظ ابو نعیم نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے " قال رسول اللہ ما انزل اللہ عز و جل۔ یا ایھا الذین امنوا الا و علیؑ راسھا و امیرھا (مطالب السئول) یعنی اللہ نے کہیں " الذین امنوا " (وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں) نازل نہیں کیا مگر یہ کہ علیؑ راس رئیس مومنین و امیر مومنین ہے۔ اور وہی اس سے اول مراد و مقصود ہے۔ کیونکہ انصراف مطلق فرد کامل ہی کی طرف ہوتا ہے اور یہی حکم کلی مشکک کا ہے۔ پس وہی بعد پیغمبرؐ کامل الایمان ہے اور وہی مستحق خلافت " ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون " کیا جاہل اور عالم برابر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح پر عمل بر صالحات فرع علم ہے۔ جبتک تمام صالحات پر احاطہ نہ رکھتا ہوگا۔ ہرگز تمام صالحات کو بجا نہیں لا سکتا۔ پس تمام صالحات کا بجا لانیوالا وہی ہوگا جس کا علم علم احاطی ہو۔ اور علم لدنی وہبی ہو۔ اور شکم مادر سے علم لیکر نکلا ہو۔ ورنہ اگر علم کسبی ہے۔ تو ممکن ہے کہ عمل طالح کو وہ صالح سمجھ بیٹھے اور صالح کو طالح۔ اور بہت سے اعمال صالحہ زمانہ جہالت و کسب علوم میں ترک ہو جائیں۔ اور ایسا شخص بعد رسول سوائے علیؑ بن ابی طالبؑ اور کوئی نہیں۔ جو علم احاطی و علم لدنی رکھتا ہو۔ اور قبل نزول قرآن عالم کتاب اللہ بلکہ عالم جمیع کتب سماویہ ہو۔ پس بعد پیغمبرؐ وہی صالح مطلق ہو سکتا ہے۔ ولہذا قال سبحانہ و تعالیٰ " وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولٰہ و جبریل و صالح المومنین " (تحریم)۔ اگر تم دونوں (عائشہ و حفصہ) پشت بہ پشت ہو کر پیغمبرؐ کے خلاف کوشش کرو۔ تو بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں کیونکہ اللہ اس کا ناصر و مددگار ہے۔ اور جبرئیلؑ اور صالح المومنین۔ اور یہ صالح المومنین علیؑ بن ابیطالبؑ ہیں۔ ملاحظہ ہوں کتب سیر تفاسیر مثل ثعلبی و مسند احمد و مناقب وغیرہ حسب روایت اسماء بنت عمیس و عمر بن الخطابؓ و ابن عباسؓ وغیرہم +

پیغمبرؐ افضل الصالحین ہے، اور علیؑ صالح المومنین۔ پس بعد پیغمبرؐ وہی مستحق خلافت استحقاقی ہے۔ "اَفَمَن کَانَ مُؤمِناً کَمَن کَانَ فَاسِقاً لَا یَستَوُوْنَ"۔ یاد رہے کہ یہ آیت خاص جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور مومن سے آپ ہی کی طرف اشارہ ہے۔ تفسیر ثعلبیؒ۔ کیا مومن اور فاسق ایک ہو سکتے ہیں؟ ہرگز مساوی نہیں ہو سکتے +

نکتہ معلوم ہے۔ کہ ایک علم کسبی ہے اور ایک علم وہبی۔ "یَرفَعُ اللّٰہُ الَّذِینَ اٰمَنُوا مِنکُم وَالَّذِینَ اُوتُوا العِلمَ دَرَجَاتٍ"۔ خدا ان لوگوں کے درجات بلند فرماتا ہے۔ جو تم میں سے ایمان لائے ہیں۔ اور جن کو علم من جانب اللہ عطا ہوا ہے۔ اور وہ اوتوا العلم کا مصداق ہیں۔ اور صاحب اوتوا العلم و علم لدنی موہبتی علیؑ و اولاد علیؑ ہیں۔ جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح ایک ایمان کسبی ہے اور ایک ایمان موہبتی۔ یعنی نفس وجود ان کا ایمان ہے اور ایمان ہی پر مخلوق ہوئے ہیں۔ فقال سُبحانہٗ وتعالیٰ "قَالَ الَّذِینَ اُوتُوا العِلمَ وَالاِیمَانَ لَقَد لَبِثتُم فِی کِتٰبِ اللّٰہِ اِلیٰ یَومِ البَعثِ"۔ کہا اُن لوگوں نے جن کو علم و ایمان من جانب اللہ عطا کر دیا گیا تھا کہ تم لوگ روز بعث تک کتاب خدائی میں رہے ہو۔ پس معلوم ہوا۔ کہ کچھ نفوس ایسے بھی ہیں جن کو علم کی طرح ایمان بھی من جانب اللہ عطا ہوا ہے۔ اور علم کی طرح ایمان ان کے وجود میں داخل ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہے۔ کہ صاحب اُوتوا الایمان وہی ہیں۔ جو مصداق اوتوا العلم ہیں۔ کیونکہ ایمان علم کے ساتھ ساتھ ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ مصداق اُوتوا العلم علیؑ و اولاد علیؑ ہیں پس مصداق اوتوا الایمان بھی وہی ہیں۔ اور وہی بمقام علم و ایمان کسبی مستحق خلافت استحقاقی ہیں۔ اور اس لئے بعد نبیؐ علیؑ خلیفہ برحق ہوا الحق۔ اور اسی طرح اگر خلافت خلافت تفضیلی لی جائے۔ تب بھی بعد پیغمبرؐ مستحق خلافت افضل امت محمدیؐ ہوگا۔ "ھَل یَستَوِی الاَعمٰی وَالبَصِیرُ"۔ اندھا اور بینا کب مساوی ہو سکتا ہے۔ "وَمَا یَستَوِی الاَحیَاءُ وَلَا الاَموَاتُ"۔ اور نہ مردہ دل زندہ جاوید کے مساوی ہو سکتے ہیں۔ "اَم ھَل تَستَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّورُ"۔ یا کیا ظلمت کفر و شرک و نور محمدیؐ و شمع ہدایت مساوی ہو سکتے ہیں؟

بعبارۃ اُخریٰ عمل صالح سے مراد آیت میں مطلق عمل صالح ہے یا عمل مطلق کلی۔ اگر پہلی صورت ہے۔ کہ جو کوئی بھی کوئی عمل صالح کرے۔ خواہ ایک ہی عمل کیا۔ وہ مستحق خلافت ہے۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ تمام اہل اسلام خلیفہ ہوں۔ کیونکہ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جس نے کوئی نہ کوئی عمل صالح نہ کیا ہو۔ کم سے کم "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تو ضرور ہی کہا ہوگا۔ اور وہ بھی عمل صالح ہے۔ لہٰذا ہر ایک مسلمان اس کا مصداق ہوا۔ اور یہ بدیہی البطلان ہے۔ تمام مسلمان خلیفہ نہیں بنائے گئے۔ علاوہ ازیں اگر یہ تعمیم رکھی جائے تو پھر تمیز افضلیت و مفضولیت برطرف ہو جاتی ہے۔ اور سب برابر ہو جاتے ہیں۔ یعنی فاسقین و

فاجرین امت اور اصحاب محمدی وصالحین مومنین۔ حالانکہ خدا فرماتا ہے "مَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ" اندھے اور بینا کبھی برابر نہیں ہوسکتے "وَلَا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ" اور نہ طیبین وطاہرین جو روز ازل سے پاک وپاکیزہ ہیں۔ اور جن کو خدا نے تطہیر کامل عطا کی ہے۔ وہ خبیثین کے مساوی ہوسکتے ہیں جن کی ولادت بھی پاک نہیں "اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا لَا یَسْتَوٗنَ" پس ضرور عامل عمل صالح سے مراد وہ ہے جس نے تمام اعمال صالحہ کئے ہوں۔ اور کوئی عمل صالحہ اس سے نہ چھوٹا ہو۔ اور وہ صالح مطلق وصالح المومنین معروف ہو۔ اور اسی کو لفظ صالحات بصیغہ جمع وبھرال استغراق مقتضی ہے۔ اور ایسا شخص وہی ہوسکتا ہے۔ جو اوّل علم احاطی بر تمام صالحات رکھتا ہو۔ اور پھر اوّل المومنین ہو۔ اور کوئی وقت اس کا عمل صالح سے خالی نہ گزرا ہو۔ کوئی زمانہ اس پر ایسا نہ آیا ہو۔ جس میں اُس نے شرک وبت پرستی یا عبادت شیطان کی ہو۔ اور ایسا شخص غیر از علیؑ ابن ابی طالبؑ اور کوئی نہیں "لَمْ یُشْرِكْ بِاللّٰہِ طَرْفَۃَ عَیْنٍ اَبَدًا" اور "کرم اللہ وجہہ" اسی کی صفت ہے۔ اور دوسری حیثیت سے یعنی بحیثیت وقوع بھی ہم دیکھیں۔ تو معلوم ہوگا کہ صالح مطلق اور جملہ صالحات کا بجالانے والا علیؑ ابن ابی طالبؑ ہی ہے۔ کیونکہ اور جس قدر بھی اہل اسلام واہل ایمان ہیں۔ خواہ اصحاب ہوں خواہ غیر اصحاب۔ ضرور ان سے کوئی نہ کوئی عمل صالح ترک ہوا ہے۔ اور عمل صالح کے مرتکب ہوئے ہیں منجملہ ان کے عمل بر آیۂ نجویٰ ہے۔ یعنی جب حکم ہوا ہے۔ کہ اگر رسولؐ سے سرگوشی کرو۔ اور کچھ پوچھو تو پہلے کچھ تصدق کر دیا کرو۔ اس کے نازل ہونے پر تمام لوگوں نے رسولؐ کے پاس آنا اور دریافت کرنا ترک کر دیا سوائے علیؑ ابن ابی طالبؑ کے کہ وہ اس پر پابند رہے۔ اور عمل کیا۔ ملاحظہ ہوں کتب تفاسیر وشان نزول آیۂ نجویٰ۔ چنانچہ جناب امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ خود فرمایا کرتے تھے۔ کہ یہ ایک ایسی آیت ہے جس پر سوائے میرے کسی نے عمل نہیں کیا۔ نہ مجھ سے پہلے اور نہ مجھ سے بعد۔ اور اسی وجہ سے عبد اللہ بن عمر کہا کرتے تھے۔ کہ علیؑ کی بہت فضیلتیں ایسی ہیں۔ جو مجھ کو سرخ اونٹنیوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ ایکؔ فاطمہؑ سے ان کا عقد ہونا۔ دوؔسرے روز خیبر رایت اسلام کا ان کو عطا ہونا۔ تیسرؔے آیۂ نجویٰ۔ ملاحظہ ہو مطالب السئول۔ تحفۃ الصادی۔ ینابیع المودۃ وغیرہا +

اسی طرح ایک عمل صالح جہاد فی سبیل اللہ اور اس میں ثابت قدم وصابر رہنا ہے۔ اور یہی معیار ایمان ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے "اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ" (آل عمران ع ۱۴) کیا تمہارا یہ گمان ہے۔ کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اور حالانکہ خدا نے یہ تمیز نہیں کیا ہے۔ کہ کون تم میں جہاد کرتا ہے۔ اور کون اس پر صابر وثابت قدم

رہتا ہے۔ گویا جہاد میں صابر و ثابت قدم رہنا ایمان کی دلیل و نشانی ہے۔ اور جہاد سے بھاگنا بیٹھ رہنا
عمل طالح و بدکرداری ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے " یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا
فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ " اے ایمان والو جب کفار تم سے میدان جنگ میں مقابل ہوں۔ تو تم ان
سے پشت نہ پھیرو۔ وَمَنْ یُّوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ فَقَدْ
بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوٰىہُ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ " (انفال ع ۲)۔ اور جو شخص اس دن
اپنی پشت لڑائی سے پھیرے۔ پس وہ غضب الٰہی میں گرفتار ہے۔ اور اس کی جگہ جہنم ہے۔ اور
اس کی بہت بری بازگشت ہے۔ مگر وہ شخص جو مثلاً کسی اچھے مورچے کی طرف جائے یا اپنی جماعت
سے ملنے کے لئے منہ پھیرے۔ تاکہ اچھی طرح لڑ سکے اور حملہ کر سکے۔ اور دشمنوں سے گھر نہ جائے۔
وہ اس حکم غضبی سے مستثنےٰ ہے۔ غرض صبر فی الجہاد بہت بڑا عمل صالح ہے۔ کہ معیار ایمان
بھی ہے۔ اور اس سے بھاگنا ایسا عمل طالح ہے۔ جو موجب نار ہوتا ہے۔ مگر سوائے علیؑ ابن
ابی طالبؑ ان کے مقابلین میں سے اور کوئی اس پر عامل نہیں رہا۔ اور اکثر لڑائیوں میں رسولؐ کو
چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ملاحظہ ہوں حالات جنگ احد۔ کہ آخر میں سوائے علیؑ بن ابی طالبؑ اور کوئی
اصحاب رسولؐ میں سے باقی نہ رہا تھا سب بھاگ گئے تھے۔ " اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ
وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰىکُمْ " (اٰل عمران ع ۱۵)۔ یاد کرو اس وقت کو جبکہ تم بھاگتے ہوئے
پہاڑیوں پر چڑھے جاتے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ حالانکہ رسولؐ تمہیں پکار رہا تھا۔ نیز
ملاحظہ ہوں حالات جنگ حنین۔ چنانچہ راوی کہتا ہے " وَانْھَزَمَ الْمُسْلِمُوْنَ وَانْھَزَمْتُ فَاِذَا بِعُمَرَ
بْنِ الْخَطَّابِ فِی النَّاسِ فَقُلْتُ لَہٗ مَا شَانُ النَّاسِ قَالَ اَمْرُ اللّٰہِ (بخاری باب غزوۃ حنین
عن ابی قتادہ) یعنی تمام مسلمان بھاگ گئے۔ اور میں بھی بھاگا۔ تو ناگاہ میں نے عمر بن الخطاب کو
لوگوں میں بھاگتے دیکھا۔ تو میں نے دریافت کیا۔ کیا ہو گیا۔ کہ لوگ سب کے سب بھاگ گئے۔
فرمایا حکم خدا یعنی حکم خدا ہی تھا۔ کہ ہم بھاگ جائیں۔ نہ بھاگنا ہمارے اختیار میں نہ تھا۔ اسی کی طرف
اشارہ کر کے خدا فرماتا ہے " یَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاھِلِیَّۃِ " خدا کے باب میں وہ زمانہ جاہلیت
کا سا گمان ناحق و گمان باطل رکھتے ہیں۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں یہ اعتقاد رکھتے تھے۔ کہ بندہ اپنے
فعل میں مختار نہیں ہے۔ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ اور جناب امیر المومنینؑ سے جنگ احد کے
موقع پر جناب رسول خداؐ نے پوچھا جبکہ آپ تنہا زخمی پڑے ہوئے تھے۔ کہ تم اپنے بھائیوں کے
ساتھ کیوں نہیں گئے۔ فرمایا۔ " لَا اَکْفُرُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ، ءَاَکْفُرُ بَعْدَ اِیْمَانٍ " یعنی ایمان کے بعد کیسے کافر

ہوجاتا۔ اور رسولؐ نے خاص اس جنگ سے نہ بھاگنے کا لوگوں سے عہد لیا تھا۔ اور بیعت کرائی تھی۔ مگر پھر بھی یہ عمل طالح ان سے صادر ہوا۔ جو موجب نار ہے "لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ" اصحاب نار و اہل جنت مساوی نہیں ہوسکتے۔ اہل جنت ہی کامیاب و رستگار ہیں۔ غرض ایک صالح ضرور مفوت ہوا۔ پس صالح مطلق نہ رہے۔ اور تمام صالحات کے بجالانے والے نہ کہلائے سوائے علیؑ ابن ابی طالبؑ کے۔ کہ وہی ہر جگہ صابر و ثابت قدم رہے۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے روز جنگ خیبر یہ خطاب پایا جس پر عبداللہ بن عمر رشک کرتے تھے "لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا كَرَّارًا غَيْرَ فَرَّارٍ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ لَا يَرْجِعُ حَتّٰى يَفْتَحَ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ" (مطالب السؤل ینابیع۔ بخاری وغیرہا) یعنی کل میں ایک ایسے شخص کو رایت اسلام عطا کروں گا جس کی صفت کرار غیر فرار ہے۔ اور وہ خدا اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ اور خدا اور رسولؐ خدا اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ وہ واپس نہ ہوگا تاوقتیکہ خدا اس کے ہاتھ پر فتح دے۔ اگر علیؑ کبھی بھاگے ہوتے۔ تو غیر فرار نہ کہلاتے۔ اور اگر کبھی لڑائی سے رکے ہوتے۔ تو کرار کا خطاب نہ پاتے۔ اور اگر کوئی اور بھی اس صفت میں ان کا شریک ہوتا۔ تو اس سے حضرتؑ مختص و مخصوص نہ کئے جاتے۔ پس اس صفت سے متصف آپ ہی تھے۔ باقی نکات حدیث کسی دوسرے وقت کے لئے چھوڑتے ہیں*

غرض صالح مطلق و صالح المومنین بعد پیغمبرؐ جناب امیرؑ ہی ہیں۔ اور وہی بعد پیغمبرؐ مستحق خلافت۔ "وَلَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ" الخ (سورۃ النساء ع ۱۳) سوائے بیماروں وغیرہ لڑائی سے بیٹھ رہنے والے مومنین اور راہ خدا میں اپنی جان و مال سے جہاد کرنیوالے برابر نہیں ہوسکتے۔ مجاہدین کو خدا نے قاعدین پر بدرجہا فضیلت دی ہے اور ان کے لئے اجر عظیم ہے "وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ" نیکی اور بدی کبھی ایک نہیں ہوسکتیں اور مساوی درجے میں نہیں رکھی جاسکتیں۔ پس علیؑ ہی بعد نبی اوّل مستحق خلافت اور خلیفۂ خدا ہیں وھو المطلوب۔ اہلبیت نبوی اور ان کے مقابل یہ دو فریق ہیں "مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمٰى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا" ایک اندھا اور بہرا ایک بینا اور شنوا۔ ایک عارف حق و واقف صراط الٰہی۔ ایک جاہل از حق و ناواقف از راہ خدا۔ کیا دونو مثال میں مساوی ہوسکتے ہیں؟

فی الارض کی قید اطلاق کو چاہتی ہے یعنی ساری زمین کی خلافت مراد ہے۔ اور اس سے بھی ثابت ہے۔ کہ خلافت سے مراد محض بادشاہت نہیں ہے۔ اور شاہان اسلام اس کے مصداق نہ تھے۔ کیونکہ خلیفہ اور کوئی بادشاہ اسلام تمام روئے زمین پر بادشاہ نہیں ہوا۔ ورنہ اگر حصۂ زمین مراد لیا جائے۔ تو ہر ایک مسلمان

جو کسی قطعہ زمین پر قبضہ و تسلط رکھتا ہے۔ خلیفہ ہوگا۔ اور ایک وقت میں بیسیوں خلافتیں جمع ہو جائینگی۔ حالانکہ نص حدیث خلفاء رسول بارہ ہیں۔ کما قال صلی اللہ علیہ والہ وسلم لا یزال ھذا الدین قائماً حتی یمضی فیہ اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش "یہ دین ہمیشہ برقرار رہیگا تاآنکہ اس میں بارہ خلیفہ گذر جائیں جو کہ سب کے سب قریش سے ہونگے۔ نیز اگر یہی تعمیم رکھی جائے۔ تو تیامت تک جتنے بادشاہ اسلام ہونگے سب خلیفہ کہلائینگے۔ اور یہ خلاف نص رسول ہے۔ اور اس سے جو جو خرابیاں لازم آتی ہیں۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ لہٰذا بہر صورت یہ خلافت خلافت الٰہیہ ہے۔ اور تمام زمین سے متعلق۔ خدا کی زمین صرف مکہ یا عرب یا کنعان یا شام نہیں ہے۔ خلیفہ وہ ہیں۔ جو مظہر اوصاف الٰہی ہیں۔ اور وہ اس کی زمین میں اس کے جانشین و قائم مقام ہیں جس طرح ان سے پہلے مثلاً حضرت آدمؑ زمین خدا پر جانشین خدا تھے۔ اگرچہ کسی قطعہ زمین کی بھی حکومت ظاہری نہ رکھتے تھے۔ ہاں حکومت تحت خلافت ہے۔ کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے مظہر خدا امور خدا میں اس کی زمین پر خلیفہ خدا ہے۔ اور بفرض محال اگر خلافت سے حکومت بھی مراد لی جائے۔ تب بھی ارض سے مراد تمام ارض ہوگی۔ نہ ارض مکہ یا مصر کنعان۔ کیونکہ غلبہ کامل اور تمکین و قدرت بر اجراء احکام دین اور اعلاء کلمۃ اللہ علے العموم تب تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک تمام روئے زمین زیر نگین اسلام نہ ہو۔ کیونکہ اجراء احکام و بقاء دین حکومت سے وابستہ ہے۔ لہٰذا یہ لوگ کبھی اس کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ ہاں اس صفت سے متصف علیؑ اور اولاد علیؑ ہیں۔ اور وہی اس آیت کے مصداق ہیں۔ اور وعدہ الٰہی من حیث الخلق پورا ہو لیا۔ یعنی خدا نے ان کو ان صفات پر مخلوق کیا۔ اور اپنا مظہر بنا کر اپنی زمین پر اپنا جانشین کیا۔ اور فعل خدا مطابق قول خدا ہوا۔ جیسا کہا تھا۔ ویسا کر دیا اور بنا دیا یہی خلافت راشدہ الٰہیہ ہے۔ اور یہی ہے ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ۔ نہ یہ کہ جو کچھ جو کوئی کرتا ہے اور جس پر قبضہ کر لیتا ہے خواہ کسی طریق ناجائز سے ہو۔ وہ ورک آف گاڈ اور فعل خدا ہے۔

تمکین بر دین و رفع خوف

یہ تو ثابت ہو گیا۔ کہ من حیث الخلقت وعدہ الٰہی پورا ہو لیا۔ ہاں ظہور کلی باقی ہے۔ اور وہ تمکین بر دین ہے۔ اور یہ ابھی تک کسی وقت میں اہل اسلام کو حاصل نہیں ہوئی۔ کیونکہ معنی تمکین یہ ہیں۔ کہ اسلام تمام روئے زمین پر غالب ہو اور اہل اسلام مسلط۔ اور مجال ما سوا بلا کسی روک ٹوک اور مانع و عائق جمیع احکام و قوانین اسلامیہ کو تمام افراد عالم پر جاری و ساری کر سکیں۔ یہ مرتبہ دین اسلام کو نہ کسی مشہور خلیفہ کے وقت میں نصیب ہوا۔ اور نہ دوسرے شاہان اسلام کے زمانے میں۔ بلکہ ہمیشہ کفر و شرک مقابل اسلام رہا۔ بلکہ اکثر و بیشتر غالب بر اسلام جیسا کہ مشاہدہ و محسوس ہے۔ پھر تمکین کہاں حاصل ہوئی۔ لہٰذا اس کے لئے ایک وقت

مقرر ہے۔ اور اس وقت یہ وعدۂ الٰہی من حیث الظہور ضرور پورا ہوگا۔ معانی تمکین کے لئے ملاحظہ ہو قصۂ ذوالقرنین
قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ "اِنَّا مَکَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا" (کہف ع ۱۰) یعنی ہم نے ذوالقرنین
کو تمکین فی الارض دی۔ اور ہر شے کا سبب اور علت عطا کی۔ جملہ دوم یعنی ہم نے اس کو ہر ایک شے کا سبب
عطا کیا۔ گو پہلے جملہ یعنی تمکین فی الارض کی تفسیر ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ علت العلل و مسبب الاسباب
خداوند رب العالمین ہے۔ اور وہی ذات قادر مطلق۔ اور ممکن من حیث ہو ممکن محتاج واجب ہے۔ اور
تمام امور موقوف بر اسباب و علل مرتبہ ہیں۔ جو منتہی بہ علت العلل ہوتی ہیں۔ پس کسی چیز پر قدرت و تمکنت
بلا تمکین پروردگار عالمین ممکن نہیں۔ اور وہ اسی طرح پر ہے۔ کہ خدا علل و اسباب اشیاء و امور عطا فرمائے۔
جن پر ان کا وقوع و ظہور اس عالم امکان و عالم اسباب میں موقوف ہے۔ اور جب خدا کسی کو قدرت و تمکین
عطا فرمادے۔ اور اسباب تصرف و تسخیر امور عنایت کردے۔ تو وہ کسی کا کسی امر میں محتاج نہیں رہتا۔
چنانچہ جب سد کے بنانے کے واسطے لوگوں نے خواہش کی مدد دینی چاہی۔ اور اسباب و اخراجات
کا وعدہ کیا تو ذوالقرنین نے فرمایا "مَا مَکَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ" جس پر خدا نے مجھے تمکین دی ہے۔ وہی
میرے لئے بہتر ہے۔ میں تمہارے اخراجات کا محتاج نہیں ہوں۔ پس تمکین نہیں ہے مگر اطلاع
و احاطہ بر علل و اسباب امور اور تصرف ظاہری۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کی نسبت خداوند عالم فرماتا ہے۔
"وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ" اسی طرح سے ہم نے یوسفؑ کو
تمکین فی الارض عطا کی جہاں چاہے سکونت اختیار کرے اور بیٹھے۔ کیونکہ باطناً حکم و علم نبوت رکھتے
تھے اور ظاہراً حکومت و بادشاہت حاصل ہوگئی تھی۔ اور حکم بذریعہ حکومت جاری کر سکتے تھے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ تمکین بر دین اسلام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک حکومت اسلامی
ظاہری نہ ہو۔ اور اسلام کو تمام ادیان عالم پر غلبہ ظاہری حاصل نہ ہو۔ اور یہ وعدۂ الٰہی پورا نہ ہو۔ "هُوَ الَّذِیْ
اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ"۔
یعنی وہی پروردگار عالم ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ تاکہ اس کو
تمام ادیان پر غلبہ ظاہری عطا کرے۔ اگرچہ کافرین و مشرکین پر گراں گزرے۔ "لِیُظْهِرَهٗ" سے ظاہر ہے کہ
غلبہ سے مراد غلبہ باطنی یعنی غلبہ بحیثیت دلائل و براہین اسلامیہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ غلبہ دین اسلام کو ہمیشہ اور
ہر نبی کے زمانے میں حاصل رہا ہے۔ کبھی کوئی پیغمبر بمقابل کفار و مشرکین دلائل و براہین و استدلال و
احتجاج میں مغلوب نہیں ہوا۔ ہر ایک پیغمبر دلائل و براہین علمیہ و موازین حق و باطل اپنے ہمراہ رکھتا تھا۔
"وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ" ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ اور ان کے

یہ وعدہ تمکین بدین ہرگز ابھی تک پورا نہیں ہوا۔ اور جو دعوے کرے وہ جھوٹا ہے۔ یہ آخر خلفاء رسول (مہدی آخر الزمان ع) ہی کے ہاتھ پر پورا ہوگا۔ اور اسی وقت امن کلی تمام عالم پر قائم ہوگا۔ تمام افراد نوع انسان ایک دین ایک مذہب اور سب بھائی بھائی ہونگے۔ اور تمام خوف و خطر دنیا سے اٹھ جائینگے پس وعدہ خلافت من حیث الخلقت پورا ہو لیا کہ اس نے اپنے اوصاف سے متصف نفوس قدسیہ و مظاہر انوار محمدیہ پیدا کر دئے۔ اور وہ وارث نبوی قرار پائے۔ اور یہ فعل خدا (خلق) مطابق قول خدا وعد اللہ الذین امنوا الخ ہے مگر بحیثیت ظہور فعلی ابھی اس کا وقت باقی ہے۔ اور صدق فعلی دست مہدیؑ پر ہوگا۔ اسی وقت خوف رفع و امن حاصل ہوگا۔ اور تمام لوگ بیخوف و خطر ظاہری و باطنی بلا شرک ظاہری و باطنی خدا کی خالص عبادت کرینگے۔ یہ جملہ بھی صاف دال ہے۔ کہ ابھی یہ وعدہ من حیث الظہور پورا نہیں ہوا کیونکہ اس وقت شرک فے الذات و شرک فے الصفات و شرک فے الافعال و شرک فے العبادات موجود ہے۔ بلکہ خود اہل اسلام و ایمان اکثر اقسام شرک میں مبتلا ہیں۔ کما قال عز و جل " وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون " نہیں ایمان لاتے ہیں اللہ پر اکثر الناس مگر یہ کہ وہ مشرک ہیں۔ اگرچہ بظاہر سب " لا الٰہ الا اللہ " کہتے ہیں۔ مگر باطناً و خفاءً ہر ایک قسم کے شرک کے مرتکب ہیں۔ لہذا " یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا " (وہ میری ہی عبادت کرینگے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائینگے) کے مصداق یہ مسلمان ہرگز نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اسی وقت ہونگے۔ جبکہ ہر ایک قسم کا کفر و شرک ظاہری و باطنی دنیا سے مفقود ہو جائیگا۔ اور کسی قسم کا خوف و تقیہ نہ رہیگا۔ اور یہ نہ ہوگا مگر اسی صورت سے کہ خدا اپنے بندگان خاص کو زمین میں تمکین مطلق کلی عطا فرمائے۔ اور اجراء احکام اسلام پر قدرت مطلقہ عنایت کرے۔ اور مشرکین و کافرین۔ منافقین و مرتدین کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دے۔ " فانتظروا انا معکم من المنتظرین " " اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ سبحانہ و تعالی عما یشرکون "

یہ ہے خلافت راشدۂ الٰہیہ کہ بمعنی تو ارث صفات مستخلف ہے۔ اور یہ غیر از عترت و ذریت رسولؐ کسی کو نصیب نہیں۔ انہی کی خلافت پر قول خدا و فعل خدا شاہد ہے۔ اور ورک آف گاڈ وورڈ آف گاڈ مطابق +

قول خدا و فعل خدا کی تشریح

یہ کلمہ بعض علماء نما جہال کی زبان پر جاری بلکہ بعض فاسد و باطل تحریروں میں پایا جاتا ہے۔ کہ جس امر میں قول خدا و فعل خدا دونوں مطابق ہوں۔ اس کی حقیقت میں کبھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی بابت اگر ہم یہ کہیں کہ " کلمۃ حق یراد بھا الباطل " بات تو سچی ہے۔ مگر مطلب اس سے باطل لیا جاتا ہے۔ تو بالکل حق و صدق ہے۔ اس لئے کہ اس میں تو شک نہیں۔ کہ جو خدا کہے سچ ہے۔ اور جو خدا کرے وہ برحق۔ لیکن دیکھنا اور ضروری دیکھنا

یہ ہے۔ کہ خدا نے کیا کیا اور کیا کہا یعنی قول و فعل خدا کی تشخیص ضروری ہے۔ کہ اس کا قول کیا ہے اور اس کا فعل کیا جب یہ ثابت ہو جائے۔ کہ یہ قول خدا ہے اور یہ فعل خدا۔ تو اس کی صداقت میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ قانونِ فطرت ہے۔ اور قانون فطرت خلاف نہیں ہو سکتا*

تمام جہال اور اہل ضلال کا تو یہ عقیدہ ہے۔ کہ جو کچھ اس عالم امکان میں وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ وہ سب فعل خدا ہے۔ بکر کا کفر عمرو کا شرک۔ زید کی شراب خواری۔ خالد کی زناکاری۔ فرعون کی فرعونیت۔ نمرود کا تمرد۔ شداد کی شدادیت۔ بخت نصر کا ظلم و جور اور یزید پلید کا الحاد۔ محرمات سے نکاح کی اجازت۔ نبوت کا انکار۔ مدینۃ النبیؐ کی تباہی۔ مسجد نبوی کی بے حرمتی۔ خانہ کعبہ کی توہین اور منجنیق لگوا کر پتھر برسوانا وغیرہ کفریات و شرکیات و نفاق و شقاق و عناد بہ رسولؐ و خاندانِ رسولؐ اور صالحین کی صلاح۔ عابدین کی عبادت متقین کا تقوے۔ مومنین کا ایمان۔ عارفین کی معرفت وغیرہ وغیرہ سب فعل خدا ہیں۔ جو کچھ عالم میں ظلم و ستم جور و عدوان۔ تظلم و تشدد و فسق و فجور و قتل و غارت وغیرہ وغیرہ ہو رہا ہے۔ سب خدا ہی کرتا ہے۔ اور دلیل اس پہ یہ لاتے ہیں کہ اگر ظالمین کے ظلم اور فاسقین کے فسق۔ کافرین کے کفر اور مشرکین کے شرک غاصبین کے غصب۔ مرتدین کے ارتداد کے اسباب خدا مہیا نہ کرتا۔ تو ان سے یہ فعل وقوع نہ ہوتے۔ اور وہ نہ چاہتا۔ تو یہ ایسے نہ ہوتے۔ مگر چونکہ اس نے ان ظالمین سفاکین۔ غاصبین جبابرہ و اکاسرہ و فراعنہ و نمارودہ زمان کی کامیابی اور غلبہ و تسلط کی راہ میں مانع اور کوئی روک پیدا نہیں کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ فعل خدا ہی ہے۔ ایک شخص چند ڈاکوؤں کی مدد سے جور و ظلم کی تلوار کھینچ کر ایک بادشاہ کے حقیقی فرزند وارثِ تخت و تاج کو زبردستی علیحدہ کر کے تختِ سلطنت پر جلوہ افروز ہو کر مسلط ہو گیا۔ یہ بھی فعل خدا ہے۔ اور ایک فرزند سعادت مند باپ کا مطیع و فرمانبردار عالم و فاضل۔ عارفِ رموز سلطنت باستحقاق وراثتی مسند نشین حکومت ہوا۔ وہ بھی خدا کا فعل ہے۔ اور دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ یہ عقیدۂ باطلہ فاسدہ عقیدۂ اہل الحاد ہے۔ جو دراصل کسی مذہب کسی ملت اور دین کے قائل نہیں بعثت شرائع الٰہی اور اوامر و نواہی خداوندی بلکہ دراصل وجود خدا کے بھی قطعاً منکر ہیں۔ چنانچہ قبل بعثت زمانہ جہالت و ضلالت کے مشرکین و ملحدین کبھی یہی عقیدۂ فاسدۂ باطلہ رکھتے تھے۔ اور اسی اعتقاد باطل کی رو سے اپنی خود ساختہ پتھر کی مورتوں کو خدا کا قائم مقام (مظہر صفات خدا) اور صاحب ولایت و شفاعت جانتے تھے۔ اور کبھی ہٰذِهٖ اٰلِهَتُنَا (یہی ہمارے معبود ہیں) اور کبھی ہٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یہی ہمارے نزد خدا شفیع ہیں) کہتے تھے۔ اور اپنے آپ کو اپنے افعال میں فاعل مختار نہ جانتے تھے۔ چنانچہ خداوند عالم ایک جنگ کے موقع پر بھاگنے والے مسلمانوں سے خطاب کر کے فرماتا ہے۔ یعنی جنگ احد کی شکست کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

"ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَۃً نُّعَاسًا یَّغۡشٰی طَآئِفَۃً مِّنۡکُمۡ وَ طَآئِفَۃٌ قَدۡ اَہَمَّتۡہُمۡ اَنۡفُسُہُمۡ یَظُنُّوۡنَ بِاللّٰہِ غَیۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاہِلِیَّۃِ یَقُوۡلُوۡنَ ہَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَیۡءٍ الخ" یعنی پھر ہم نے امن و نیند کو نازل کیا۔ ایک گروہ (مومنین) کو نیند نے گھیر لیا۔ اور ایک گروہ کو ان کے نفسوں نے غم و ہم میں ڈالے رکھا۔ (منافقین) وہ خدا کے باب میں مثل زمانہ جاہلیت و کفر خلاف حق بدگمانی کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم کو بھی اپنے امور میں کچھ اختیار ہے؟ یعنی نہیں ہے۔ جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے۔ اور ہمارا شکست کھانا بھی اُسی کا فعل ہے۔ پھر فرماتا ہے "یَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ کَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا ہٰہُنَا" کہتے ہیں۔ اگر ہمیں کچھ اختیار ہوتا۔ تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔ بچ کر بھاگ جاتے یا دشمن پر فتح پاتے یہی سُنت جہالت آج تک جاری ہے اور وراثتاً چلی آرہی ہے۔ کہ وہ بھی تمام افعال واقعہ عالم امکان کو فعل خدا کہتے ہیں۔ اور یہی ایک ایسا اعتقاد باطل اور الحاد محض ہے۔ کہ جس سے پاک دین اسلام بدنام نہیں بلکہ تباہ و برباد ہوگیا۔ اور مخالفین کی نظروں میں نہایت بدنما صورت میں نظر آنے لگا۔ کیونکہ یہ عقیدۂ فاسدہ نیکی بدی۔ اچھائی بُرائی حسن و قبح۔ سچ جھوٹ حق و باطل میں کوئی تمیز نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اس صورت میں ہر ایک شے فعل خدا ہے۔ اور ظاہر ہے۔ جو فعل خدا ہے وہ خیر و حسن ہی ہے۔ کیونکہ وہ خیر مطلق ہے۔ "وَالۡخَیۡرُ لَا یَصۡدُرُ عَنۡہُ اِلَّا الۡخَیۡرُ" خیر مطلق کے تمام افعال خیر ہی ہوتے ہیں۔ پس اس اعتقاد سے سچا۔ جھوٹا۔ حق و باطل۔ ظالم و عادل۔ فاسق و مومن۔ کافر و مسلم سب ایک اور حق پر ہیں۔ اور نہ پھر کسی نبی کے آنے کی ضرورت رہتی ہے۔ اور نہ تبلیغ و ہدایت کی۔ اور نہ اوامر و نواہی کی۔ اور اس لئے نبوت و تشریع شرائع و احکام سب باطل و لغو ٹھیرتے ہیں۔ اور گویا یہ لوگ بالکل قطعاً منکر دین و مذہب ہیں۔ کیونکہ یہ عقیدہ بدیہی البطلان ہے۔ اور ضد دیانت اور خلاف فطریات ہے۔ اس لئے کہ فطرت شاہد ہے۔ کہ سچ اچھا ہے جھوٹ بُرا ہے ظلم قبیح ہے عدل حسن ہے۔ اور تمام افراد نوع انسانی اس میں متحد و متفق ہیں کوئی ملحد سے ملحد بھی یہ نہیں کہیگا۔ کہ جھوٹ اچھا ہے اور سچ بُرا ہے۔ ظلم اچھا ہے اور عدل بُرا۔ یا ظلم و عدل سچ و جھوٹ دونوں یکساں ہیں۔ ایسا عقیدہ وہی رکھ سکتے ہیں جن سے فطریات اوّلیہ انسانیہ بھی سلب ہوگئی ہیں۔ اور گوسالہ پرستی میں ایسے اندھے ہوئے ہیں۔ کہ خدا و رسول و شرائع انبیاءؑ و فطریات انسانیہ سب کا انکار کرتے ہیں۔ یہی کذابین و مفترین ہیں "وَیَظُنُّوۡنَ بِاللّٰہِ غَیۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاہِلِیَّۃِ" اور ان کی موت موت جاہلیت یعنی کفر و شرک و نفاق ہے۔ اور ان کے پیشوا ہی جہال و ضلال ہیں۔ جو انہیں آتش جہنم کی طرف دعوت دے رہے ہیں "وَجَعَلۡنٰہُمۡ اَئِمَّۃً یَّدۡعُوۡنَ اِلَی النَّارِ" وہ امام بنائے ہیں جو لوگوں کو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں "فَبَشِّرۡہُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ"۔

ہم نے عرض کیا ہے کہ یہ لوگ دراصل خدا کی خدائی کے بھی منکر ہیں۔ کیونکہ فرعون مقابل خداوند عالم دعوئے خدائی کرتا ہے۔ چار سو برس تک رب العالمین بنتا ہے۔ اور علی الاعلان کہتا ہے "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" میں ہی تمہارا پروردگار اعلیٰ ہوں۔ اور خدا اس کی راہ میں کوئی روک نہیں کرتا۔ اسی کو پورا تسلط دیتا ہے۔ اور اس کے حق میں خدا کا کلام و خدا کا کام دونوں پورے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے مسلمات کے موافق وعدۂ خلافت تمام بنی نوع انسان سے ہے "وَ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ"۔ پس اس نے فرعون سے وعدہ کیا۔ اور اس کے قادرانہ کام نے راہ سے ساری رکاوٹوں کو ہٹا کر اپنے اٹل وعدے کے موافق فرعون کو زمین کا خلیفہ (بادشاہ) بلکہ پروردگار بنایا۔ اگر خدا ایسا نہ چاہتا۔ تو کون تھا جو اس سلسلہ فرعونیت و نمرودیت و شدادیت کی بنیادی اینٹ اس طرح رکھتا۔ ہزاروں روکیں پیدا ہو جاتیں۔ پس بنا برآں مسلمات کے فرعون ایک خلیفۂ بزرگ خدا بلکہ شریک ربوبیت الٰہی ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک شیطان اصل مستحق ولایت مطلقہ متصرف مطلق ہے۔ اور خدا نے زبردست۔ اس لئے کہ خدا تو اپنے بندوں کو ہدایت یافتہ چاہتا ہے۔ مگر شیطان گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اور ہوا وہی۔ جو شیطان چاہتا ہے۔ اس لئے کہ وقت مہلت و انتظار اس نے وعدہ کیا تھا کہ میں تیرے بندوں کو بہکاؤنگا "وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ" میں تیرے مخلص بندوں کے سوا باقی تمام بنی آدم کو بہکاؤنگا "وَلَاَقْعُدَنَّ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ" اور میں تیرے سیدھے راستے میں روک ہو کر بیٹھ جاؤنگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سوائے چند خاصان خدا کے باقی انسانوں نے شیطان کی متابعت کر لی۔ اور خدا اس کی تصدیق کرتا ہے "لَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" البتہ شیطان نے ان کے باب میں اپنا گمان سچ کر دکھایا سب نے اس کی متابعت کر لی۔ الا مومنین کی ایک جماعت کہ اس نے اس کی متابعت نہیں کی۔ خدا نے منع کیا تھا کہ تم شیطان اور اس کی ذریت کو ولی مت بناؤ "اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّیَّتَهٗۤ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا" کیا تم شیطان اور اس کی ذریت کو ولی بناتے ہو ظالمین نے یہ بہت برا عوض و بدل اختیار کیا ہے کہ خدا کو چھوڑ کر شیطان کے پیچھے ہو لئے۔ پس موافق اس قاعدے کے کہ وقوع کسی واقعہ کی دلیل حقیقت ہے۔ شیطانی ولایت مسلم۔ شیطان نے جو کہا تھا کیا۔ اور خدا کے قادرانہ کام نے راہ سے ساری روکوں کو ہٹا دیا۔ اگر خدا نہ چاہتا۔ تو کون تھا جو اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ اس طرح رکھتا۔ ہزاروں روکیں پیدا ہو جاتیں۔ اور وہ خدا کے مقابل صراط مستقیم الٰہی میں روک ہو کر بیٹھ گیا۔ پس شیطان ایک ولی برحق و مستحق ولایت ہے۔ اور وقوع دلیل حقانیت۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم نعوذ باللہ من ذالک الاعتقاد الباطل والدین العاطل حیف صد حیف اسلام اور ایسے اعتقادات۔ استغفر اللہ۔ اس لغویت اور بیہودگی کو

اسلام سے کیا تعلق۔ یہ تو جہال۔ ضلال۔ کافرین۔ مشرکین زمانہ جاہلیت اور ملحدین کا اعتقاد ہے۔ جیسا کہ خدا تصدیق فرماتا ہے۔ یہ اعتقاد مبطل دیانت اسلامیہ ہے ؂

عقلاً و نقلاً کسی واقعہ کا وقوع خواہ کسی حیثیت سے بھی ہو۔ اس کی حقانیت و صداقت کی دلیل نہیں اسلام تو کجا جس کے تمام احکام مطابق فطرت عالم ہیں۔ کوئی مذہب بھی اس کا قائل نہیں۔ بلکہ لا مذہب بلکہ منکر خدا بھی اس کے قائل نہیں۔ کیونکہ سب کے سب اس میں متفق ہیں۔ کہ اگر کسی تخت سلطنت پر بادشاہ سابق کا وہ فرزند جو متصف باوصاف حسنہ و واقف رموز سلطنت سے متمکن ہو۔ تو کہتے ہیں۔ کہ یہ بالاستحقاق بادشاہ ہوا ہے۔ کیونکہ وہ وارث تخت و مستحق حکومت ہے۔ اور اگر کوئی ظالم و سفاک بزور شمشیر اس سے تخت چھین کر یا چند ہم خیالوں کے مشورے اور غلبے سے تخت پر بیٹھ جائے۔ تو اس کو بالاستحقاق بادشاہ نہیں کہتے۔ اس کو ظالم و جابر و غاصب کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہر روز مشاہدہ ہوتا ہے۔ بلکہ اگر کسی صوبہ یا ملک کا گورنر و حاکم بجائے ایک عالم و مدبر کے ایک جاہل و سفیہ بنا دیا جائے۔ تو تمام عقلاء ایسا کرنیوالوں کی تسفیہ و تحمیق کرینگے۔ اور اس جاہل کو اس مسند حکومت کا مستحق قرار نہ دینگے۔ مستحق حکومت وہی ہے۔ جو علم تدبیر و سیاست مدن میں مہارت رکھتا ہے۔ اور کسی کا قائم مقام وہی ہوتا ہے۔ جو اس کی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ عالم کا قائم مقام جاہل نہیں ہو سکتا۔ حکیم کا جانشین سفیہ نہیں بن سکتا۔ شجاع کا نائب بزدل نامرد نہیں کہلا سکتا۔ ایک عالم علم لدنی کا جانشین علم کسی والا نہیں ہو سکتا۔ اور خدا کے مظہر کامل کا قائم مقام اخس الناس و انقص الخلق نہیں کہلا سکتا۔ یہی فطریات اولیہ انسانیہ اور قانون قدرت الٰہی ہے۔ اور اس سے کسی انسان کو انکار نہیں ہو سکتا بشرطیکہ درجۂ انسانیت میں باقی ہو۔ مقام حیوانیت و نباتیت میں نہ پہنچ گیا ہو۔ ”فَاِنَّ الْعَوَامَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ“ جہال تو مثل چارپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ؂

فعل خدا کی توضیح

اس اعتقاد باطل کے ابطال کے بعد ہم کہتے ہیں کہ مسلم ہے۔ کہ خالق و فاطر خداوند عالم رب العالمین ہے۔ ”فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ ”وَفَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ ”وَهَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ“ غیر خدا کوئی خالق و فاطر نہیں پس فطرت سرشت اشیاء ہے۔ اور فطریات ان کے اثرات ذاتیہ پس جو اثرات مخلوقات بالفطرت و الخلقت صادر ہوتے ہیں۔ اور اصل خلقت و فطرت شے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان میں کسی غیر کے ارادے کو دخل نہیں ہے۔ وہ افعال خدا کہلا سکتے ہیں۔ کیونکہ خالق و فاطر وہی ہے۔ اور اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور یہ اثرات اس نے فطرت و خلقت اشیاء میں رکھے ہیں جیسے کہ مثلاً آگ کی حرارت و سوزش۔ پانی کی رطوبت و برودت یا انسان کا بالفطرۃ محتاج غیر و مدنی الطبع ہونا وغیرہ اور جو افعال انسان سے مثلاً اپنے ارادے سے ظاہر و صادر ہوتے ہیں مثلاً کھانا پینا۔ چلنا۔

پھرنا۔ لکھنا۔ پڑھنا۔ تحصیل علوم وفنون کرنا۔ تحقیق معارف وکسب اعتقادات یہ افعال انسانی کہلاتے ہیں نہ افعال الٰہی ٭

پس جس امر پر فطرت شے دال ہو۔ وہ حق ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق اصل خلقت سے ہے۔ اور خالق عالم صرف خدا ہے۔ لہذا اس کی صداقت وحقیقت میں شک وشبہ نہیں۔ اور وہ کبھی خلافِ واقع ونفس الامر نہیں ہو سکتا جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہے۔ لہذا مطابقت وموافقتِ قول وفعل کلام وکام خدا کے یہ معنی ہیں۔ کہ جو خدا فرمائے۔ ویسا ہی خلق بھی کردے۔ مثلاً اس نے وعدہ کیا ہے۔ کہ میں آدمؑ کو یا داؤدؑ کو یا بعض مومنین صالحین امت محمدیؐ کو خلیفہ بناؤنگا۔ فعل اس کا یہ ہے۔ کہ ان کو ان صفات سے متصف پیدا کردے اور اس معیار پر پورا اُتار دے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ حضرت آدمؑ کو اپنی صفات کمالیہ کا نمونہ بنا دیا۔ اور اسی صفت سے متصف پیدا کر دیا۔ ہاں لوگوں کا ماننا یا نہ ماننا۔ ان کو تختِ سلطنت پر بٹھانا یا نہ بٹھانا اس کا تسلط ہونا یا نہ ہونا۔ اس کو اصل خلافت سے کوئی نسبت وتعلق نہیں (کما بیناہ آنفًا) یہی خدا نے خلفاء محمدیؐ کے ساتھ کیا ان کو علم وقدرت دے کر اپنے جلال وجمال کا نمونہ بنا کر اور اوصاف محمدیؐ کا آئینہ بنا کر بھیج دیا۔ ان کو تسلیم کرنا یا نہ کرنا یہ لوگوں کی سعادت وشقاوت پر مبنی ہے۔ غلبہ وتسلط اور کسی واقعہ کا خلافِ واقع ونفس الامر واقع ہو جانا حقیقت وصداقت کی دلیل نہیں۔ اگر ایسا ہو تو شیطان کی ولایت فرعون کی ربوبیت وغیرہ وغیرہ کو بھی برحق ماننا پڑیگا۔ چاہئے کہ اسے بھی برحق کہیں۔ اور خدا کا کام بتلائیں۔ اس کی تمنائیں پوری ہوئیں۔ اور اس کی راہ میں روکیں پیدا نہوئیں۔ اور ہمارا یہی وجہ ہے۔ کہ بعض علما صف شیطان کو بھی برا کہنے اور لعنت کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اور یہیں سے حزب الشیطان پیدا ہوتے ہیں ٭

غدارین وسفاکین وظالمین وجابرین کو مہلت دینا اور ان کی راہ میں روک پیدا نہ کرنا اور ان کو ان کے خیال کے موافق کامیاب بنانا یہ انسان کے اپنے افعال میں فاعل مختار بنانے پر مبنی ہے۔ اور اسی پر دارومدار دیانت وشرائع ہے۔ اور اسی پر بنائے سزا وجزا وثواب وعقاب۔ کیونکہ اگر خدا گنہگاروں۔ فاسقوں فاجروں کافروں۔ مشرکوں۔ منافقوں عمر بھر کی راہ میں روک پیدا کرد ے۔ اور ان کو اپنے مقاصد کفر وشرک وفسق وفجور میں ان کے اختیار وارادے کے ساتھ کامیاب نہ ہونے دے۔ جو اگر چوری کو جائے۔ تو اس کی ٹانگ توڑ دے۔ زانی اگر زنا کا قصد کرے۔ تو اس سے قوتِ شہوانی سلب کرلے۔ یا آلۂ مخصوص قطع کردے وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ سب مجبور ہونگے۔ اور مستحقِ مدح وذم وثواب وعقاب وسزا وجزا نہ ہونگے۔ اور اس صورت میں سچے جھوٹے مومن وفاسق متمیز نہ ہونگے حق وباطل ایک ہوجائیگا۔ حالانکہ خدا فرماتا ہے "افمن کان مومنا کمن کان فاسقا" کیا مومن و فاسق برابر ومساوی ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں "لا تستوی الحسنة ولا السیئة" اور نہ نیکی وبدی کا ایک درجہ ہوسکتا ہے۔ پس انسان کو خدا نے فاعل مختار بنایا ہے۔ تاکہ اپنے ارادے واختیار سے کسب خیر کرے۔ اور

اسی واسطے اسباب مساوی مہیا کیئے ہیں۔ اور کسی کو مجبور نہیں کیا۔ اگر ایسا کرتا۔ تو ایک بھی بظاہر کافر و مشرک و فاسق نظر نہ آتا۔ اسی واسطے فرماتا ہے "کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا" الخ۔ ہر ایک گروہ کو مدد دیتے ہیں۔ مومنوں کو بھی کافروں کو بھی۔ نیکوں کو بھی بدوں کو بھی۔ یعنی اسباب سب کے لئے مہیا کئے گئے ہیں۔ اور عطاء الٰہی ممنوع نہیں ہے۔ اسباب سب کو دیدئے ہیں۔ چاہے ان سے خیر کسب کرے یا شر۔ بلکہ اسباب در اصل ایک ہی ہیں۔ مثلاً زانی اور وہ شخص جو بنکاح شرعی عورت سے صحبت کرتا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ شہوت دونوں میں ہے۔ آلۂ تناسل دونو رکھتے ہیں۔ عورت دونو کو مہیا ہوتی ہے۔ کوئی فرق نہیں ہے۔ صرف ایک اپنے ارادے سے خدا کے حکم کے مطابق کرتا ہے۔ اور دوسرا خدا سے نڈر ہو کر اُس کے حکم کی پروا نہیں کرتا۔ پس فرق صرف ارادے میں ہے نہ اصل فعل و اسباب میں۔ اگر وہی زانی نکاح کر کے اُسی عورت سے اُسی وقت جماع کرے۔ فعلِ حسن ہے۔ نکاح نہ کرنے سے فعل قبیح ہے۔ پس زانی کے لئے مثل غیر زانی اسباب کا مہیا ہونا اور اس کے راہ میں روک پیدا نہ ہونا اس کی سچائی۔ نکوکاری اور اس کے فعل کے حُسن کی دلیل نہیں۔ اور نہ ان روکوں کے پیدا ہونے سے اس کا استحقاق ثابت ہوتا ہے۔ بڑے جاہل ہیں وہ لوگ جو ان وقوعات اور تہیہ اسباب یا عدمِ عوائق و موانع کو دلیلِ حقانیت قرار دیتے ہیں +

غرض اوصیائے رسول صلعم کے باب میں خدا کا کلام اور اس کا کام اس طرح پورا ہوا۔ کہ اس نے وعدہ کیا۔ کہ خلیفہ بناؤنگا۔ اور پھر ان کو اوصافِ خلافت و معیارِ خلافت سے متصف و مخصوص فرمایا۔ اور ایسا ہی خلق کیا۔ "وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ" وہ ایسے ہوئے اور ضرور ہوئے۔ لوگ حسد کیا کریں۔ جلا کریں۔ اور خدا سے لڑیں۔ کہ ان کو ایسا کیوں پیدا کیا۔ "اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا" کیا ان لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو خدا نے اپنے فضل و کرم سے ان کو عطا فرمایا ہے۔ تحقیق کہ ہم نے آل ابراہیم علیہ السلام کو کتاب و حکمت عطا کی ہے۔ اور ان کو ملک عظیم عنایت فرمایا ہے۔ حاسد قضاء الٰہی پر معترض اور اس پر ناراض ہے۔ "وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ" +

خدا کے کلام اور خدا کے کام کی ایک اور مثال

ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ سچ کی صداقت سچے کی خواہش فطرتِ انسانی میں داخل ہے۔ یعنی ہر شخص سچ کو اچھا کہتا ہے۔ سچے کو پسند کرتا ہے۔ اور سچے کا طالب ہوتا ہے۔ اور ہر ایک شخص سچا دوست۔ ولی اور خیر خواہ چاہتا ہے۔ اور یہ فطرتِ انسانی میں داخل ہے۔ یہ دوسرا

امر ہے۔ کہ کسی وجہ سے ایک شخص جھوٹ کو سچ سمجھ لے۔ مگر بالفطرۃ دراصل طالب سچ ہی ہے۔ اور اسی واسطے ہر ایک شخص اپنے پیشوا کو سچا جانتا ہے گویا ہر ایک شخص سچے کے ساتھ ہونا چاہتا ہے۔ اور پھر خدا اپنے کلام میں بھی یہی فرماتا ہے "کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ پس کلام خدا و فعل خدا دونو صادق کے وجود کو مقتضی ہیں۔ اور پھر خدا نے صادق پیدا بھی کئے۔ اور پھر اپنے کلام میں انکی تنصیص بھی فرما دی چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا "وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ" (میرے لئے آخر اُمم میں ایک لسان صدق قرار دے) کے جواب میں فرمایا "وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا" اور ہم نے ان کے لئے علیؑ کو لسان صدق (سچائی کی زبان) قرار دیا" یہ کلام خدا ہے۔ اور علیؑ کو اس صفت صداقت پر پیدا اور خلق کرنا خدا کا کام۔ اور دونو مطابق۔ چنانچہ ان کی صداقت کے ثبوت کی دلیلیں بہت سی ہیں؛

صداقت کی دلیلیں

کلام حمید مجید میں صادقین کی جتنی صفتیں اور علامتیں صداقت کی بتلائی گئی اور قرار دی گئی ہیں۔ وہ سب اس جنابؑ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف بعض علائم و اوصاف صداقت کو ذکر کرتے ہیں۔ اوّل حق سبحانہ وتعالےٰ ارشاد فرماتا ہے "لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ" (بقرع ۲۱)

یعنی خداوند احکم الحاکمین علیم وحکیم عالم الغیب اور لوگوں کے دلوں کا سب حال جاننے والا ارشاد فرماتا ہے "کہ نیکی یہی نہیں ہے۔ کہ نماز میں مشرق کی طرف منہ کر لیا یا مغرب کی طرف۔ بلکہ نیک تو وہ ہیں۔ جو خدا اور آخرت۔ فرشتوں۔ کتب الٰہی اور سب انبیاءؑ پر ایمان لائیں۔ اور محض محبت خدا میں اپنا مال رشتہ داروں یتیموں مسکینوں۔ پردیسیوں اور لونڈی غلاموں کی آزادی کے لئے دیں اور نماز قائم کریں۔ اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ اور جب کوئی عہد کریں۔ تو اس کو پورا کریں۔ اور ہر ایک رنج وراحت وسختی ونرمی میں صابر رہیں۔ اور خوف اور لڑائی میں ثابت قدم۔ پس یہی لوگ سچے ہیں۔ اور بس یہی متقی ہیں"۔ ایک علامت خدا نے سچوں کی یہ بیان فرمائی ہے۔ اور اس میں خدا اور ملائکہ وغیرہ پر ایمان لانا خالص محبت خدا میں اپنا مال خرچ کرنا اور اس کے مصرف ہیں

پہنچانا۔ نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ ہر ایک عہد کو پورا کرنا۔ ہر ایک سختی و رنج و خوف و خطر و جنگ و جدال میں ثابت قدم رہنا اِس علامت صداقت کا معیار ہیں۔ اور علیؑ بن ابی طالبؑ اِس معیار صداقت پر بالکل پورے اُترے ہیں۔ ایمان علیؑ وہ ایمان ہے۔ کہ اگر ایمان علیؑ ایک پلۂ میزان میں رکھا جائے۔ اور باقی سب کے ایمان دوسرے پلہ میں۔ تو علیؑ کا پلہ بھاری رہے۔ اور ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اور حصہ دوم میں بھی اس کا بیان آگیا ہے۔ کہ صرف ایک علیؑ بن ابی طالبؑ ہی ایسے شخص ہیں۔ جو بلا خوف و خطر اور بلا تردد و تفکر اور بغیر شک و شبہ بکمال قوت قلب و استقلال و استقامت علیٰ رؤس الاشہاد باواز بلند کہہ سکتے ہیں۔ "لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ لَمَا ازْدَدْتُ يَقِيْنًا" اور اگر معارف النبیہ میں کلمات و فرمائشات امام ہمام علیہ السلام کو دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ حرف حرف ایمان و یقین و معرفت سے بھرا ہوا ہے۔ اور گویا ذرہ ذرہ حقائق و ماہیات عالم کا آپ کے پیش نظر ہے۔ سخاء و عطاء و انفاق فی سبیل اللہ کا حال کتب میں مذکور ہے۔ خود بھوکے رہے ہیں۔ اور روزے پر روزے رکھے ہیں۔ اور مسکین و یتیم و اسیر کو کھانا کھلایا ہے۔ اور اپنے پیاسے مریضوں پر دوسرے بیماروں کو مقدم رکھا ہے۔ وہ شان سخا و عطا ہے۔ کہ ان کی شان میں سارا سورہ ہل اتےٰ آیا ہے۔ وہ علیؑ بن ابیطالبؑ ہیں جو ایک ہی سے جنگ کرتے تھے۔ اور عین ہنگام جنگ بین الصفین نماز ادا کرتے تھے۔ اور حالت نماز میں بھی ادائے زکوٰۃ مخصوص سے غافل نہ ہوتے تھے۔ اور کیونکر ممکن ہے۔ کہ شہید علی الناس لوگوں کے حالات اور ان کے سوالات و حاجات سے غافل ہو جائے۔ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ حاجت روائے خلق اور پیشوائے عالم ان کی حاجات پوری نہ کرے۔ اگر نہ کرے۔ تو پھر وہ پیشوائے خلق نہیں ہے۔ اُس کو مشکلکشا نہیں کہہ سکتے۔ مشکلکشا ہی پیشوا ہو سکتا ہے۔ علیؑ بن ابی طالبؑ ہی ہیں جنہوں نے کٹھن سے کٹھن وقت میں صبر کیا۔ جہاں شیروں کا زہرہ پانی ہو جاتا ہے۔ جہاں انبیاء رب انی مسنی الضر کہ اٹھے ہیں۔ اور کونسی جنگ ہے جس میں علیؑ صابر و ثابت قدم نہ رہے ہوں۔ "فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ" یہی علیؑ و اولاد علیؑ سچے اور یہی متقی ہیں۔ ان کے مقابل اور کون ہو سکتا ہے +

دوم :- اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (حجرات ع ۲) بس سوائے اس کے نہیں ہے۔ کہ مومن وہی ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر یقین رکھتے ہیں۔ اور ایمان لاتے کے بعد کبھی اس میں شک نہیں کیا۔ اور راہ خدا میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا۔ بس سچے یہی ہیں۔ اس علامت صداقت

میں جو کچھ معیار صداقت قرار دیا گیا ہے۔ اس پر بھی علیؑ بن ابی طالبؑ بوجہ احسن پورے اُترتے ہیں بیشک وہ ایسے ہی مومن کامل ہیں۔ کہ جنھوں نے مثل دوسرے اصحاب رسولؐ کے ایک چشم زدن کے واسطے خدا کی توحید اور رسولؐ کی رسالت میں شک نہیں کیا۔ اور صلح حدیبیہ کے موقع پر بعض اصحاب رسولؐ اپنے شک فی الرسالت کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہی ہیں۔ کہ جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں۔ کسی وقت میں اپنی جان کی پروا نہیں کرتے۔ دیکھو کتب تواریخ و سیر اور علیؑ کی جاں نثاری۔ "فاولٰئک ھُمُ الصّادقون"۔ پس سچے علیؑ اور اجزاء علیؑ ہی ہیں ✦

سوم۔ خدا فرماتا ہے۔ "اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکَاذِبِیْنَ" (عنکبوت) کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں۔ کہ وہ صرف آمنّا کہنے ہی پر چھوڑ دئے جائینگے۔ اور ان کا امتحان نہ کیا جائیگا۔ حالانکہ ہم یقیناً ان کا امتحان لے چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے۔ پس ان کا امتحان بھی ضروری ہے۔ تاکہ اللہ ظاہر کرے ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ان کو جو جھوٹے ہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہی ہے۔ کہ سچا اور جھوٹا بغیر امتحان کے نہیں پہچانا جاتا۔ سچا وہی ہے جو امتحان کے وقت سچا ثابت ہو جائے۔ اور اس لئے امتحان ہر ایک اہل ایمان کا ضروری ہے۔ بغیر امتحان سچا جھوٹا نہیں پہچانا جا سکتا۔ اور معیار امتحان اہل ایمان یہ آیت ہے۔ "اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ"۔ کیا تم یہ گمان کرتے ہو۔ کہ تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ تمہارا امتحان ابھی باقی ہے۔ اور خدا نے یہ تمیز نہیں کی۔ کہ کون تم میں سے جہاد کرتا ہے۔ اور کون جہاد میں ثابت قدم رہتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جہاد میں ثابت قدم رہنا معیار امتحان ہے۔ جو اس میں کامیاب ہو گیا۔ وہ سچا ہے۔ اور علیؑ ابن ابیطالبؑ اس میں سب سے اوّل نمبر کامیاب ہیں۔ ہر ایک لڑائی میں ثابت قدم رہے۔ کہیں سے قدم نہ ہٹایا۔ بلکہ ہر ایک جنگ انہی کے ہاتھ پر فتح ہوئی۔ "فاولٰئک ھُمُ الصّادقون"۔ پس سچے یہی ہیں۔ اور اصحاب اس امتحان میں پورے کامیاب نہیں ہوئے۔ اور وہ اس معیار امتحان صداقت پر پورے نہیں اُترے ✦

چہارم۔ حق سبحانہ و تعالےٰ تشخیص صادقین میں فرماتا ہے۔ "وَمِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ فَمِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا" (احزاب)۔ اور مومنین میں سے صرف چند مرد ہیں جنھوں نے اس عہد کو سچ کر دکھایا جو انہوں نے خدا سے کیا تھا بعض ان میں سے شہید ہو چکے۔ اور بعض منتظر ہیں۔ اور انہوں نے کسی امر میں ذرا تبدیلی نہیں کی۔ اور کسی امر الٰہی کے خلاف نہیں کیا۔ اس آیت

ہیں خدا نے صادقین کو مشخص کر دیا ہے۔ کہ صادقین مومنین میں سے چند مرد ہیں۔ اور وہ وہ ہیں۔ جنہوں نے
تمام عہود الہٰی کو پورا کر دکھایا۔ اور سب میں سچے اُترے۔ اور اوّل عہد الہٰی یہ ہے "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کیا
میں تم سب کا پروردگار اور مربّی نہیں ہوں۔ اور اس کا مطلب واضح ہے۔ کہ خدا کے سوا کسی کو مربّی و
ولی و معبود نہ بنایا جائے۔ اور جو اس عہد پر ثابت قدم نہ رہے۔ اور اپنے قول یا فعل سے ظاہر کرے کہ
وہ خدا کو معبود و ولی و رب نہیں جانتا۔ یا اس کے ساتھ عبادت و ربوبیت و ولایت میں شریک گردانے۔
وہ اس عہد میں سچا اور پورا نہیں ہے۔ دوسرا عہد یہ ہے "اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوا
الشَّيْطَانَ" اے بنی آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا ہے۔ کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو؟ ضرور لیا ہے۔
مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ سوائے بعض سب ہی نے شیطان کی عبادت کر لی۔ اور اس کے بہکانے میں آ گئے۔
خدا کو چھوڑ بتوں کو پوجنے لگ گئے۔ اور دوسروں کو معبود بنا بیٹھے۔ یا ان کو شریک کر بیٹھے۔ اور شیطان کا
وہ قول سچ کر دکھایا۔ جو اس نے کہا تھا "لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ" سوائے
مخلصین کے میں سب کو بہکاؤں گا۔ اور خدا تصدیق فرما چکا۔ کہ اس کا گمان سچ ہو گیا۔ سوائے مومنین کی ایک
جماعت کے باقی سب نے اس کی پیروی کر لی۔ اب اصحاب رسول میں سے دیکھو سوائے علی ابن ابی طالب
باقی سب کے سب ان دو نو عہدوں میں سچے نہیں نکلے۔ دونوں میں پورے نہ اترے۔ مدتوں کفر و شرک
میں مبتلا رہے۔ پس مصداق صادقین علیؑ و اجزا نوریہ علیؑ ہیں۔ تعمیم و اطلاق عہد صاف دلالت
کرتا ہے۔ کہ سچا وہ ہے۔ جو کبھی کسی عہد اور حکم و امر الہٰی کے خلاف نہ کرے۔ اور کبھی کسی وقت میں ایک
چشم زدن کے واسطے غیر خدا کی ربوبیت و الوہیت و معبودیت کا قائل نہ ہو۔ کیونکہ عہد روز الست لیا گیا
ہے۔ اور جب سے انسان عالم تکلیف میں آیا۔ اور مکلف ہوا۔ اسی وقت سے پابند ہے۔ پس
جس نے کسی ادنے سے امر میں بھی خلاف خدا کیا۔ اور شیطان کی متابعت کر لی۔ وہ عہد الہٰی پر پورا پورا
ثابت قدم نہ رہا۔ چنانچہ قصۂ حضرت آدمؑ سے ظاہر ہے۔ کہ انہوں نے اگرچہ ترک اولےٰ کیا۔ اور گناہ
کے مرتکب نہیں ہوئے۔ مگر علے الظاہر ایک عہد الہٰی سے وہ بھی نکل گئے۔ اور اسی واسطے خدا فرماتا
ہے "وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰى آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا" البتہ ہم نے پہلے آدمؑ سے عہد
لیا تھا۔ اس نے ترک کیا۔ اور ہم نے اس میں عزم بالجزم نہ پایا۔ اور اسی وجہ سے حضرت آدمؑ انبیاء اولوالعزم
میں شمار نہیں ہوتے۔ جب حضرت آدمؑ معمولی ترک اولے سے عہد کلی سے نکل گئے۔ اور کامل عہد کے
پورا کرنے والے نہ نکلے۔ تو پھر دوسرے کیا نکل سکتے ہیں۔ کامل صادق اور کامل وفادار اور کامل عہد کو
پورا کرنے والے وہی ہو سکتے ہیں۔ جو فطرۃً ہر قسم کی طہارت باطنی و ظاہری رکھتے ہوں۔ اور خدا نے کمال

درجہ تطہیر میں ان کو خلق کیا ہے۔ اور طہارت کاملہ مطلقہ کو عصمت لازم ہے۔ پس کامل سچا وہی ہو سکتا ہے جو معصوم مطلق ہو۔ اور طہارت علیؑ و اولاد علیؑ ثابت ہے۔ پس وہی معصومین مطلق ہیں "فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ" بس سچے یہی ہیں۔ اور انہی کی پیروی و متابعت اور انہی کے ساتھ رہنے کا حکم خدا نے دیا ہے "وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ" پس ضرور اہلبیت صادقین و صدیقین ہیں۔ اور علیؑ اصدق الصادقین واقدم الصادقین و اسبق الصادقین و افضل الصدیقین و صالح المومنین ہیں +

پنجم۔ خدا نے فرمایا ہے "وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ"۔ جو سچ لایا۔ اور وہ جس نے سچ کی تصدیق کی۔ وہی سچے متقی اور پرہیزگار ہیں۔ بلاشک ولاریب سچائی کے ساتھ آنے والے اور سچ کو لانے والے جناب صادق امین خاتم النبیینؐ ہیں۔ جو حق و صدق کے ساتھ مبعوث برسالت ہوئے۔ اور سب سے پہلے اس سچے کی تصدیق کرنے والے اور اس کی سچائی کو ثابت کرنے والے اور اس کے سچے حامی و مددگار اول المصدقین و افضل المصدقین جناب علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ اور اس جنابؑ نے قولاً و فعلاً علماً و عملاً جان اور مال سے پیغمبر صادق امین کی تصدیق کی ہے +

معنی تصدیق

اور تصدیق نبیؐ کے معنی حقیقی یہ ہیں۔ کہ جو کچھ مدلول نبوت ہے۔ یعنی جو کچھ رسولؐ من جانب اللہ لایا ہے مصدق کو چاہیئے کہ اول اس سب پر ایمان لائے۔ اور یقین رکھے۔ اور کہے۔ بیشک آپ سچے رسولؐ ہیں۔ اور سچ فرماتے ہیں۔ اور جو کچھ آپ لائے ہیں۔ صدق و حق ہے۔ پھر جو کچھ رسول مقام تکلیف میں حکم دے۔ اس کو عملاً بجالائے اگر اس کے کسی حکم کو بجا نہ لائے۔ اور اس پر عمل نہ کرے۔ تو کہا جائیگا۔ کہ یہ اس کا سچا مصدق اور کامل ایمان و یقین رکھنے والا نہیں ہے۔ ورنہ کبھی اس کے حکم کے خلاف نہ کرتا۔ بعد ازاں جو کچھ درباب علوم نبوت و مدلول نبوت اس سے سوال کریں۔ سب کا جواب دے۔ جو سوال معلولات نبوت و رسالات و تبلیغات پوچھا جائے۔ اور سوال کیا جائے۔ اس کو ثابت کرے۔ اور جواب دے۔ اور جو کچھ پیغمبرؐ نے فعلاً کیا ہو۔ اس کو فعلاً کر کے دکھائے۔ اور اس کی تصدیق میں جان و مال کی کچھ پروا نہ کرے۔ اور ایسا شخص نہیں ہو سکتا مگر وہی جو حامل علوم نبوت و وارث و اوصاف رسالت اور صالح مطلق اور صاحب علم لدنی و اعجاز و کرامت ہو۔ کیونکہ علم پیغمبرؐ علم لدنی ہے۔ اور پیغمبرؐ صاحب اعجازات بلکہ اصل مدلول نبوت یعنی قرآن نفس اعجاز ہے۔ اور حقیقت اعجاز کو صاحب اعجاز ہی سمجھ سکتا ہے۔ اور ایسا شخص غیر از علیؑ ابن ابی طالبؑ اور کوئی نہیں۔ وہ ان تمام باتوں

میں پورے اُترتے ہیں۔ اور ہر ایک اعتبار اور ہر حیثیت سے مستحق نبی ہیں۔ **تشریح** اس کی یہ ہے کتب سیر و تواریخ میں مروی ہے۔ کہ ایک مرتبہ ایک یہودی جو کتب آسمانی توریت و زبور و انجیل کا عالم تھا مسجد رسولؐ میں آیا۔ وہاں اصحاب رسولؐ جمع تھے۔ اور ان میں **علیؑ ابن ابی طالبؑ۔ ابن عباسؓ۔ ابن مسعودؓ۔** ابو معبد الجہنی بھی تھے۔ اس نے اصحاب رسولؐ سے خطاب کر کے کہا۔ اے امت محمدؐ! تم نے کسی نبی اور رسول کے لئے کوئی درجہ اور منصب نہیں چھوڑا۔ سب اپنے رسولؐ کو دیدیا ہے۔ پس جو کچھ میں سوال کروں۔ کیا اس کا جواب دے سکتے ہو؟ یہ سُن کر گھبرائے **علیؑ ابن ابیطالبؑ** بول اُٹھے۔ کہ خدا نے کسی نبی اور کسی رسول کو کوئی فضیلت اور کوئی درجہ نہیں دیا ہے مگر یہ کہ اس کو محمد مصطفٰےؐ کے لئے جمع کر دیا۔ اور ان کو ان تمام انبیاءؑ سے چند درچند اور زیادہ دیا ہے۔ یہودی نے کہا۔ تو کیا تُو مجھ کو جواب دیگا؟ فرمایا۔ ہاں میں آج رسول اللہؐ کے وہ فضائل تجھ سے ذکر کرونگا۔ جس سے مومنین کی آنکھیں ٹھنڈی ہونگی۔ اور شاکین کے شکوک رفع ہو جائینگے۔ اور منجملہ آنجنابؐ کے فضائل کے یہ ہے۔ کہ جس وقت وہ اپنی کوئی فضیلت بیان کرتے۔ تو فرماتے "لا فخر"۔ اور میں آج فضائل رسول اللہؐ بیان کرتا ہوں۔ لیکن نہ اس لئے کہ انبیاءؑ پر عیب لگاؤں۔ یا ان کی تنقیص کروں۔ بلکہ شکر یے میں اس کے جو کہ خدا نے فضائل انبیاءؑ اور ان کے علاوہ ہمارے رسول مقبولؐ کو عطا کئے۔ یہودی نے کہا۔ آدمؑ کو خدا نے ملائکہ سے سجدہ کرایا۔ کیا آنحضرتؐ کے لئے بھی ایسا کیا ہے؟ فرمایا۔ اس سے بہت زیادہ۔ کیونکہ آدمؑ کا سجدہ عبادتی نہ تھا۔ ورنہ آدمؑ بخلاف خدا معبود قرار پائینگے۔ بلکہ محض رحمت خدا و ملائکہ سے اعتراف فضیلت حضرت آدمؑ تھا۔ اور آنحضرتؐ کی اس کے مقابل وہ فضیلت ہے۔ جو اس سے کہیں افضل ہے۔ کہ وہاں ملائکہ نے تعظیم دی۔ یہاں **خدا خود اپنے مقام جبروت میں اس جناب پر مع ملائکہ صلوات بھیجتا ہے**۔ اور پھر جملہ مومنین کو خدا نے مامور کیا ہے۔ کہ اس جنابؐ پر صلوات بھیجیں۔ اور یہ اس سے زیادہ ہے۔ یہودی نے کہا۔ خدا نے آدمؑ کی توبہ قبول فرمائی۔ کیا آنحضرتؐ کے لئے بھی ایسا ہُوا ہے۔ فرمایا۔ ہاں شان محمدؐ میں وہ نازل ہُوا ہے۔ جو اس سے کہیں بزرگ ہے۔ اور بلا کسی گناہ کے جو انہوں نے کیا ہو۔ قال اللہ تعالیٰ **لِيَغْفِرَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ**"۔ اور آنحضرتؐ روز قیامت اس شان سے آئینگے۔ کہ کوئی بار ان پر نہ ہوگا۔ اور کسی امر کا ان سے سوال نہ کیا جائیگا۔

یہودی نے کہا۔ خدا نے ادریسؑ کو مکان عالی میں پہنچایا۔ اور جنت کے تحفے کھلائے۔ کیا

تمہارے پیغمبرؐ کے لئے بھی ایسا کیا ہے؟ فرمایا۔ ہاں اس سے زیادہ۔ خدا فرماتا ہے "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" اور ہم نے تیرا ذکر بلند و عالی کر دیا۔ پس یہ رفعت من جانب اللہ فضیلت کے لئے کافی ہے۔ اور ادریسؑ کو خدا نے بعد وفات دنیا سے اٹھا لینے کے تحفے کھلائے۔ اور ہمارے نبیؐ کو اسی دنیا میں بہشت کے تحفے کھلائے۔ کہ ایک مرتبہ آپ بھوکے تھے جبرئیلؑ ایک جام بہشتی لیکر حاضر خدمت ہوئے۔ اس میں تحفہ بہشتی تھا پس جب آپ نے اس کو ہاتھ میں لیا۔ تو جام اور تحفے دونوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا۔ اور تسبیح و تکبیر ادا کی۔ اور اس کی حمد و ثنا کی۔ پھر آپ نے اس کو اپنے اہلبیتؑ کو دیدیا۔ ان کے ہاتھ میں ایسا ہی کیا۔ پھر بعض اصحاب نے اس جام کو لینا چاہا۔ تو جبرئیل نے لے لیا۔ اور کہا۔ اے محمدؐ تم کھاؤ۔ کہ یہ تحفہ جنت ہے۔ جو اللہ نے تمہیں بھیجا ہے۔ اور اس کو نہیں کھا سکتا مگر نبیؑ یا وصیٔ نبیؐ۔ پس رسول اللہؐ نے اس تحفے کو کھایا۔ اور ہم اہل بیتؑ نے ان کے ساتھ کھایا۔ اور خدا کی قسم میں اس وقت اس کی حلاوت پا رہا ہوں۔ یہودی نے کہا۔ دیکھو یہ نوحؑ ہیں جنھوں نے راہ خدا میں اپنی قوم کی اذیت پر صبر کیا۔ اور ان کو معذور رکھا۔ کیا آنحضرتؐ نے بھی ایسا کیا ہے؟ فرمایا۔ اس سے زیادہ راہ خدا میں صبر کیا۔ ان کو وطن سے نکالا گیا۔ اور دھتکارا گیا۔ ان پر سنگریزے پھینکے۔ ان پر ابولہب نے بکری کی مینگنیاں پھینکیں۔ پس خدا نے اس فرشتے کو جو پہاڑوں پر موکل ہے حکم دیا۔ کہ پہاڑوں کو شق کر اور محمدؐ کے پاس پہنچ وہ حاضر خدمت ہوا۔ اور عرض کیا۔ میں آپ کی اطاعت پر مامور ہوں۔ اگر حکم دو۔ میں ان پر پہاڑوں کو پھیلا دوں۔ اور سب کو ہلاک کر دوں۔ فرمایا۔ میں لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں "رَبِّ اهْدِ اُمَّتِىْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ" بار الٰہا میری امت کو ہدایت کر یہ جاہل ہیں۔ اور مجھے نہیں جانتے ہیں۔ اے یہودی کم بخت کیا تو نہیں جانتا۔ کہ جب قوم نوح غرق ہونے لگی۔ تو ان کو رشتہ داری کی وجہ سے رحم آیا۔ اور کہہ بیٹھے "رَبِّ اِنَّ ابْنِىْ مِنْ اَهْلِىْ" پروردگار یہ میرا بیٹا میرے اہل سے ہے پس اللہ نے کہا یہ تمہاری اہلیت سے خارج ہے۔ کیونکہ یہ بدکار ہے۔ اور اللہ نے ان کو یوں تسلی دی۔ اور آنحضرتؐ کی قوم کی معاندت اور شقاوت جب حد سے بڑھ گئی۔ تو حضرتؐ نے عذاب و نقمت کی تلوار ان پر کھینچ لی۔ اور قرابت کی وجہ سے راہ خدا میں کسی پر رحم و شفقت نہ کی۔

یہودی نے کہا۔ نوحؑ نے دعا کی۔ تو آسمان سے بارش ٹوٹ پڑی۔ کیا تمہارے پیغمبرؐ کے لئے بھی ایسا ہوا ہے؟ فرمایا۔ اس سے زیادہ۔ نوحؑ نے تو عذاب کیلئے طلب بارش کی

اور آنحضرت ؐ کے پاس جب قحط زدہ لوگ آئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ ؐ درخت زرد پڑ گئے اور پتے سب جھڑ گئے۔ اور سخت قحط پڑا ہوا ہے۔ باران رحمت کی دُعا کیجئے۔ اور یہ روز روز جمعہ تھا۔ حضرت ؐ نے دُعا کے لئے دستِ مبارک بلند کئے۔ ابھی ہاتھ نیچے بھی نہ کئے تھے۔ کہ بارش ٹوٹ پڑی۔ اور مدینہ میں اتنا پانی برسا۔ کہ ایک جوان قوی تن پانی سے بمشکل تمام گذر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ دوسرے جمعے تک بھی یہی حالت رہی۔ اور پھر لوگوں نے آکر شکایت کی۔ کہ حضرت ؐ مکان و دیواریں گر گئیں۔ قافلے اور سفر بند ہو گئے۔ اور کاروبار مسدود۔ فرمایا۔ یہ بنی آدم کے جلد ملول ہو جانے کی علامت ہے۔ پھر دعا کی۔ کہ خداوندا نباتات اور چراگاہوں میں آبادی سے دور ہی دور برسا۔ تو پھر گرداگرد میں بارش ہوتی تھی۔ اور شہر مدینہ پر ایک بوند نہ گرتی تھی پس دُعائے حضرت نوح ؑ دُعائے غضب تھی۔ اور دُعائے حضرت محمد ؐ دُعائے رحمت۔ "وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"

یہودی نے کہا۔ ابراہیم ؑ نے راہ خدا میں غضبناک ہو کر بُت توڑ ڈالے۔ فرمایا۔ آنحضرت ؐ نے تین سو ساٹھ بُت توڑ کر خانہ کعبہ کو پاک کر دیا۔ اور بُت پرستوں کو تلوار سے ذلیل کیا۔ کہا۔ ابراہیم ؑ کے لئے تو خدا نے آگ کو سرد کیا تھا۔ کیا تمہارے نبی ؐ کے لئے بھی ایسا کیا؟ فرمایا۔ ہاں اس سے بھی زیادہ۔ جب آپ کو یہودیہ خیبر نے زہر دیا۔ تو خدا نے حضرت ؐ کے شکم مبارک کے اندر اس کی حرارت کو سرد کیا۔ جس طرح آگ جسم کو جلا دیتی ہے۔ اسی طرح زہر قلب و جگر کو پھونک دیتا ہے۔ اور اس کی قدرت و تاثیر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

یہودی نے کہا۔ موسےٰ ؑ کو خدا نے توریت دی جس میں حکمت ہے۔ تمہارے نبی ؐ کو کیا دیا؟ فرمایا۔ اس سے کہیں زیادہ۔ خدا نے محمد ؐ کو سورۂ مائدہ انجیل کے عوض دی۔ اور طٰوسینین و طٰہٰ و نصف المفصل اور تسابیح زبور کے عوض۔ اور بنی اسرائیل اور سورہ براۃ توریت و صحف ابراہیم ؑ کے عوض۔ اور خدا نے اپنے حبیب ؐ کے لئے سات طولانی سورتیں اور فاتحۃ الکتاب سبع مثانی قرآن عظیم اور کتاب و حکمت زیادہ عطا کیں۔

یہودی نے کہا۔ خدا نے موسےٰ ؑ سے طور سینا پر کلام کیا۔ فرمایا۔ محمد مصطفےٰ ؐ سے سدرۃ المنتہیٰ پر خدا ہمکلام ہوا۔

یہودی نے کہا لوگ گمان کرتے ہیں۔ کہ عیسےٰ ؑ نے گہوارے میں کلام کیا۔ کیا تمہارے نبی ؐ نے بھی ایسا کیا ہے؟ فرمایا۔ ہاں اس سے بھی پہلے آپ نے کلام کیا ہے۔ چنانچہ جس وقت شکم مادر سے باہر تشریف لائے۔ تو ہاتھ زمین پر ٹیک دئے۔ اور سر آسمان کی طرف بلند کیا۔ اور فرمایا۔ "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

اور ان سے ایسا نور ساطع ہوا۔ کہ لوگوں نے شام کے قریہ نصرے کے مکان مکّہ سے دیکھ لئے۔ اور اسی طرح قصور اصطخر اور اس کے گرد و نواح کے۔ اور شب ولادت پیغمبرؐ تمام دُنیا نور سے منور ہوگئی۔ اور ملائکہ آسمان سے آتے تھے۔ اور جاتے تھے۔ اور تسبیح و تقدیس الٰہی بجا لاتے تھے۔ اور شیاطین جن و انس سب خائف و ترساں ہوگئے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ کوئی بڑا امر عظیم دُنیا میں واقع ہوا ہے +

یہودی نے کہا۔ عیسٰےؑ تو اندھوں۔ بہروں اور مبروصوں کو اچھا کر دیتے تھے۔ کیا تمہارے پیغمبرؐ کے لئے بھی کوئی ایسی فضیلت دی گئی ہے؟ فرمایا۔ اس سے افضل۔ ایک شخص سخت خوفناک بیماری میں مبتلا تھا۔ اس کو اچھا کر دیا۔ ایک مرتبہ آپؐ بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک صحابی کا ذکر آگیا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ وہ ایسی ایسی بلا میں مبتلا ہے۔ کہ تازہ پیدا ہوئے چوزے کی طرح لاغر ہوگیا ہے۔ جس پر کوئی بال و پر نہیں ہوتا۔ وہ آپ کے پاس لایا گیا۔ تو ایسا ہی تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ تو اپنی صحت کے زمانے میں ضرور ایک دعا کیا کرتا تھا۔ عرض کیا۔ میں یوں کہا کرتا تھا۔ کہ خداوندا جو عذاب مجھے آخرت میں دینا ہے یہیں دیدے۔ رحمۃ للعالمین نے فرمایا۔ یوں کیوں نہیں کہتا۔ "اَللّٰھُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" بار الٰہا ہم کو دُنیا میں بھی بھلائی اور خیر عطا کر اور آخرت میں بھی۔ اور عذاب دوزخ سے بچا" یہ کہنا ہی تھا۔ کہ برکت و کرامت رسولؐ سے وہ فوراً اچھا اور تر و تازہ ہوگیا + ایک شخص بنی جہنیہ سے جذام میں مبتلا تھا۔ اور بدن پاش پاش ہو رہا تھا۔ حضرتؐ نے پانی کا ایک پیالہ لیا۔ اور اس میں لعاب دہن ڈال دیا۔ اس نے جسم پر ملا۔ اور فوراً اچھا ہوگیا + ایک مبروص حاضر خدمت ہوا۔ آپؐ نے اس پر تھوک دیا۔ فوراً اچھا ہو کر چلا گیا + اگر عیسٰےؑ نے اندھوں کو اچھا کیا ہے۔ تو رسول مقبولؐ نے بھی بہت سے اندھوں کو اچھا کیا ہے۔ جنگ احد میں قتادہ بن ربعی کی آنکھ میں نیزہ لگ گیا۔ اور ڈھیلا نکل پڑا۔ وہ اس کو اٹھا کر حاضر خدمت ہوا۔ اور عرض کیا۔ کہ حضرتؐ میری بیوی اب مجھے مبغوض رکھیگی۔ حضرتؐ نے ڈھیلا اس کے ہاتھ سے لیکر اس کی جگہ آنکھ میں رکھ دیا۔ اور وہ ایسی اچھی اور درست اور روشن ہوگئی۔ کہ وہ اپنی زیادہ روشنی ہی کی وجہ سے دوسری سے پہچانی جاتی تھی۔ ایسا ہی عبداللہ بن انیس کے ساتھ ہوا۔ اور وہ بھی اچھا ہوگیا۔ اور یہ سب ہمارے نبی کی نبوت کی دلیلیں ہیں +

یہودی نے کہا۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ عیسٰےؑ مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ کیا تمہارے نبی بھی ایسا کرتے تھے؟ فرمایا۔ اس سے زیادہ کرتے تھے۔ عیسٰےؑ ذی روح کو بُلاتے اور زندہ کرتے تھے۔ اور ہمارے حضرتؐ کے ہاتھ پر سنگریزے جو بیجان ہیں بولتے اور تسبیح کرتے تھے اور نبوت کی شہادت دیتے

تھے۔ اور بیشک مُردوں نے مرنے کے بعد آنحضرتؐ سے کلام کیا۔ اور حضرتؐ سے اپنے خوف کی فریاد کی۔ حضرتؐ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ کہ فرمایا۔ کیا یہاں کوئی بنی نجار میں سے نہیں۔ کہ ان کا بھائی بہشت کے دروازے پر فندق یہودی کے تین درہموں کی وجہ سے رکا ہوا ہے۔ اگر عیسیٰؑ نے مُردوں سے کلام کیا۔ تو کیا ہے۔ آنحضرتؐ کا اعجاز اس سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ جب آپؐ نے طائف کا احاطہ کیا۔ تو اہل طائف نے ایک زہر آلود بکری بھون کر بھیجی۔ اور جب حضرتؐ کے سامنے آئی۔ تو اسی کا ہاتھ گویا ہوا۔ اور بولا۔ کہ مجھ میں زہر ہے مجھے نہ کھائیے۔ اگر کوئی جانور آپ سے کلام کرے۔ تو یہ آپ کی نبوت و صداقت کی اعظم ترین دلیل ہے۔ پھر جب ذبح کی ہوئی بھنی بکری بولے۔ تو کیونکر افضل ترین دلائل نبوت سے نہ ہوگی۔ رسول خداؐ کے حکم سے درخت اپنے مقام سے اُکھڑ کر چلے آتے تھے۔ درندے اور چرندے اور شجر حجر ان سے کلام کرتے تھے۔ عیسیٰؑ کو یہ مرتبہ کہاں حاصل تھا۔ اور رسول خداؐ اہل مکہ کو ان کے تمام اسرار کی خبر دیدیتے تھے الخ۔ حدیث نہایت طولانی ہے۔ ہم درمیان سے اختصار کرتے گئے ہیں۔ ورنہ یہودی نے جملہ انبیاءؑ کے اعجازات جزئیہ و کلیہ کا اور حضرتؑ نے ان کے مقابل ایک سے زیادہ اعجازات و کرامات رسول خداؐ کے گنوائے اور ثابت کئے ہیں۔ اور یہ ہیں معنی تصدیق پیغمبرؐ کے۔ کہ جملہ کمالات و اعجازات و دلائل نبوت کو ثابت کر دکھایا۔ اور دوسرے کو ہٹوا دیا۔ اور یہی نہیں۔ بلکہ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت خاتمؐ تک جملہ انبیاءؑ کے اعجازات کو ثابت کر دیا۔ اور ان کی تصدیق فرمائی۔ بلکہ کتب مناقب و تواریخ و تفاسیر و سیر شاہد ہیں۔ کہ اعجازات و کرامات جملہ انبیاء اللہ علیؑ ابن ابی طالبؑ باب علوم محمدیؐ و نفس نبویؐ و مظہر الٰہی سے ظاہر ہوئے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بالاجن کے بیان کی گنجائش نہیں۔ اور اسی طرح سے قولاً و فعلاً و علماً و عملاً۔ ظاہراً و باطناً و سراً و علانیۃً و سفراً و حضراً قبل وفات و بعد وفات رسولؐ آنحضرتؐ اور جملہ انبیاءؑ کی تصدیق فرمائی ہے۔ اور اسی واسطے فرماتے ہیں "اَنَا سَیِّدُ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَلِسَانُ النَّاطِقِیْنَ وَخَلِیْفَۃُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ"۔ میں جملہ انبیاءؑ و مرسلین کا بھید اور کل ناطقین بالتسبیح والتقدیس والتحمید والتہلیل کی زبان گویا اور لسان صدق ہوں۔ اور میں ہی خلیفہ پروردگار اور مظہر اوصاف کردگار ہوں۔ پس وہی جنابؑ اس امت پیغمبر آخر الزماںؐ میں سچائی کی زبان اور مصداق لسان صدق فی الآخرین و اکبر الصدیقین ہیں۔ کیا مسلمان محض اس لئے حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے لسان صدق ہونے سے انکار کر سکتے ہیں۔ کہ ان کا نام قرآن میں کیوں آگیا؟ "اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ"۔ بیشک حسد اوّل بنائے فساد عالم ہے ✦

حضرت خلیل اللہ شجرۃ الانبیاء اور جامع ہیں جمیع انبیاء سابقہ کے کمالات کو۔ اور وہی جناب پہلے پیغمبر ہیں جن کے لئے منصب امامت کا اعلان کیا گیا۔ اور پھر ان کی ذریت میں یہ منصب تا قیام قیامت قرار دیا گیا۔ اور امت آخرین میں ذریت ابراہیمؑ اور نسل اسمٰعیلؑ سے خدا نے پیغمبر آخر الزمانؐ کو پیدا کیا۔ اور ان کو جملہ کمالات انبیاء اور اس سے زیادہ کا جامع بنایا۔ بلکہ باب علوم و مخزن اسرار وہی جناب ہوئے۔ اور علیؑ کو ان علوم اور ان کمالات کے اظہار کا دروازہ اور ان کے بیان کو زبان صدق قرار دیا۔ اور اسی زبان صدق سے جملہ کمالات و علوم و اوصاف و مناقب ظاہر ہوئے۔ پیغمبرؐ کتاب مبین ہیں۔ اور علیؑ اس کتاب مبین کا بیان اور لسان صدق فی الآخرین۔ سوائے جہالت کے اور کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ علیؑ کے لسان صدق و اصدق الصادقین ہونے سے انکار کیا جائے۔ اس میں تو شک ہی نہیں ہے۔ کہ خلیل اللہ نے یہ دعا کی ہے۔ کہ امت آخر میں خداوندا میری ذریت سے ایک سچائی کی زبان لسان صدق۔ حق مجسم اور صدق مطلق قرار دے۔ اور امت آخری امت محمدیؐ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ یہ دعا حضرت ابراہیمؑ کی قبول ہوئی یا نہیں؟ یہ ممکن نہیں۔ کہ خلیل اللہ کی دعا رد ہو اور دعائے نیک و حسن مستجاب نہ ہوئی ہو ضرور ہوئی۔ ہوئی تو پھر بتلایا جائے۔ کہ کس کو دعائے حضرت خلیل اللہؑ کے موافق امت محمدیؐ میں لسان صدق پیدا کیا۔ اس کا نشان قرآن سے دیا جائے۔ اور دکھلایا جائے۔ کہ وہ کون ہے۔ اور کس کو خدا نے لسان صدق بنایا ہے۔ اور جب اور کوئی قرآن میں لسان صدق موجود نہیں۔ تو پھر علیؑ کے لسان صدق ہونے سے ہم کیونکر انکار کر دیں۔ جبکہ خدا جواب دعائے حضرت ابراہیمؑ میں صاف فرماتا ہے۔ "وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا"۔ جبکہ بکمال درجہ جملہ اوصاف صداقت علیؑ میں موجود ہیں۔ اور اگر یہاں علی سے مراد جو حالت نصبی میں صفت لسان ہونے کی وجہ سے منصوب یعنی علیاً پڑھا گیا ہے۔ اسم نہیں بلکہ صفت اور لسان کی نعت ہے اور علیؑ کے معنی بلند اور دراز ہیں۔ تو مطلب آیت کا یہ ہوا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ کہ ہم نے ان کے لئے ایک سچائی کی زبان دراز قرار دی ہے۔ تو یہ کیسے مہمل معنی ہیں۔ کیونکہ زبان کی درازی نقص ہے نہ کمال۔ اور پھر اگر یہ بھی بفرض محال تسلیم کر لیں۔ کہ یہ لسان کی صفت اور بمعنی بلند ہے نہ اسم خاص۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا۔ کہ خدا نے یہ تو فرما دیا۔ کہ ہم نے لسان دراز صدق ان کے لئے بنا دی۔ مگر یہ تشخیص تو نہ ہوئی۔ کہ وہ لسان صدق کہاں ہے۔ اور کون ہے۔ وہ زبان ہے۔ زبان کے لئے صاحب زبان ہونا چاہئے۔ پس وہ صاحب زبان کون ہے۔ اور وہ زبان کس کی ہے؟ زیادہ سے زیادہ کوئی یہ کہ سکتا ہے۔ کہ امت آخرین اور ذریت ابراہیمؑ میں مجسمۂ صدق پیغمبر صادق امین ہے۔ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ پیغمبرؐ صادق امین صدق مطلق اور مجسمۂ صدق ہیں۔ بلکہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ لیکن یہ بھی ثابت ہے۔ کہ زبان پیغمبرؐ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ کہ

باب علوم و مظہر اوصاف و بیان کتاب وجودی ہیں۔ پس نبی صدق ہیں اور علیؑ لسان صدق۔ اور صحیح اور درست معنی مطابق قواعد عربیت و بمقتضائے فصاحت و بلاغت کلام مجید یہی ہیں کہ ہم نے ان کے لئے علیؑ کو لسان صدق قرار دیا ہے۔ اور کوئی معنی درست نہیں ہو سکتے۔ اور فضول تاویلات رکیکہ سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہو الحق و الصدق۔ مزید توضیح کے لئے دیکھو خلافت الٰہیہ حصہ دوم اور احادیث صداقت و صدیقیت علیؑ ابن ابی طالبؑ۔ اور نیز یہ کہ کہاں کہاں قرآن میں علیؑ کا نام آیا ہے۔ اسی واسطے احادیث و روایات اہل البیت میں تصریح ہے۔ کہ یہاں علی سے مراد علیؑ ابن ابی طالبؑ ہی ہیں۔ چنانچہ تفسیر قمی میں الحسن العسکریؑ سے مروی ہے۔ اور یونس بن عبد الرحمان کہتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت رضاؑ سے عرض کیا۔ کہ لوگوں نے مجھ سے مطالبہ کیا۔ کہ بتلاؤ۔ کہیں علیؑ کا نام قرآن میں ہے؟ تو میں نے یہ آیت پڑھی۔ فرمایا تو نے سچ کہا۔ اور ابی بصیر سے روایت ہے۔ کہ صادق آل محمدؑ نے فرمایا۔ کہ ابراہیمؑ نے دعا کی۔ خدا نے ان کے لئے امت آخرین میں ایک لسان صدق قرار دی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ "وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا يَعْنِي عَلِيَّ ابْنَ اَبِيْطَالِبٍؑ" یعنی ہم نے اس کو اسحاقؑ و یعقوبؑ بخشے۔ اور ان کو نبی بنایا۔ اور ان کو اپنی رحمت عطا کی (یعنی رحمۃ للعالمین خاتم النبیینؐ)۔ اور ان سب کے لئے علیؑ کو لسان صدق بنایا یعنی علیؑ ابن ابی طالبؑ کو۔ فلا ریب انہ لسان صدق فی الآخرین و وصی خاتم النبیین و خلیفہ رب العلمین "وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء"۔

مزید ثبوت صداقت و نص خلافت علیؑ۔

قصہ دعوت ذو العشیرہ مشہور و معروف ہے۔ اور تقریباً تمام مؤرخین نے اس کو لکھا ہے۔ کہ جس وقت حضرتؐ نے حسب حکم خدا (وانذر عشیرتک الاقربین) سب سے پہلے اپنے سب قریبی رشتہ داروں کو ڈرا۔ قریش کو دعوت دی اور کھانا کھلانے کے بعد فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے۔ کہ میں لوگوں کو اس کی طرف بلاؤں۔ کون ہے جو اس کام میں میرا ساتھ دے اور میری مدد کرے۔ جو ایسا کریگا۔ وہی میرے بعد میرا بھائی میرا خلیفہ اور حاکم و وزیر ہوگا۔ ملاحظہ ہو تاریخ ابی الفدا۔ جمع الفوائد۔ مسند احمد بن حنبل۔ شفا۔ تفسیر ثعلبی ینابیع و صحیح مسلم وغیرہا۔ چنانچہ اکثر مؤرخین یورپ نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ مسٹر گلمن اپنی کتاب سٹوری آف دی نیشن (Story of the Nation) کی نویں جلد میں فرماتے ہیں:۔

"Allah has commissined me to call men to him, who among you will join

me in the sacred work, and become my Brother, my caliph, my commissioner?"

یعنی رسولؐ نے فرمایا۔ کہ اللہ نے مجھ کو حکم دیا ہے۔ کہ میں لوگوں کو اس کی طرف بلاؤں۔ پس کون ہے تم میں سے جو اس مقدس کام میں میرا ساتھ دے اور شریک ہو۔ اور وہی میرا بھائی۔ میرا خلیفہ اور میرا کمشنر ہوگا؟

"A profound silence fell upon the whole assembly, until Ali, the youngest of them all, cried out with zeel I, Prophat of Allah, I will join you Mohammad embraced Ali and said, Behold my Brother, my caliph, my commissioner. Listen to him obey him commendo!"

یہ کلام سُن کر تمام مجلس پر ایک خاموشی چھا گئی۔ یہاں تک کہ ان میں سے سب سے چھوٹے (علیؑ) نے ایک بڑے جوش سے پکارا۔ میں! اے اللہ کے رسولؐ!! میں آپ کے ساتھ اس مقدس کام میں شریک ہوتا ہوں۔ پس محمدؐ نے علیؑ کو اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا "میرے بھائی۔ میرے خلیفہ میرے کمشنر۔ دیکھ اللہ کی باتیں سُن۔ اور اُس کے احکام کو مان"۔ اور مسٹر ٹامس کارلائل اپنی کتاب ہیرو ورشپ (Haro Worship) میں یوں لکھتے ہیں۔ لفظی ترجمہ "پس یہ مجلس جس میں علیؑ کے باپ ابوطالبؑ موجود تھے محمدؐ سے بُرا سلوک نہیں کر سکتی تھی۔ تاہم یہ نظارہ یعنی ان پڑھ آدمی ایک ۱۶ سالہ لڑکے کے ساتھ مل کر اپنے تمام بنی نوع کے برخلاف اتنی بڑی مہم کا فیصلہ کرے۔ ایک قسم کی ظرافت نظر آئی۔ اس لئے سارے اہل مجلس ہنس پڑے۔ لیکن حقیقت میں یہ ہنسی کی بات نہ تھی۔ بلکہ ایک وزن دار بات تھی۔ اور اس نوجوان علیؑ کی نسبت یہ رائے ہے کہ ہر شخص اس کو پیار ہی کریگا۔ ایک نہایت ہی شریف دل مخلوق جیسا کہ اس نے اس جلسے میں اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ اور اس کے بعد ہمیشہ ظاہر کرتا رہا۔ ایک محبت اور اخلاق کا بھرا ہوا آتشی دلیری والا۔ نہایت درجے کا شجاع اور شیر ببر جیسا بہادر تاہم معاف کرنے والا ایک مجسم سچ اور محبت کرسچن نائٹ ہڈ کا مستحق"۔ یہی علیؑ وہ لسان الصدق ہے۔ جس کی کتب سابقہ میں پیشینگوئی موجود ہے۔ اور تمام مخالف و موالف اس کی صداقت کے قائل ہیں۔ اور

اس کو مجسم صداقت تسلیم کرتے ہیں +

"والفضل ماشہدت بہ الاعداء"

یہ نص نصِ خدائی ہے بواسطۂ پیغمبرؐ۔ اور یہی نص دلیلِ حقانیت و صداقت ہے۔ پھر حضرتؐ نے جنگ تبوک کے موقع پہ اہل مدینہ پر اپنا خلیفہ بنا کر عملی ثبوت دیا۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم و ترمذی میں سعد بن ابی وقاص۔ ابن المسیب و جابر ابن عبداللہ وغیرہما سے روایت کی ہے۔ اور سب نے اس کی تصحیح کی ہے۔ نہ صرف جنگ تبوک کے موقع پر بلکہ اکثر و بیشتر مواقع پر حضرتؐ نے فرمایا ہے۔ "یا علی اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔ وقال یا علی انت منی و انا منک" (صحیح بخاری ص ۵۲۵ و ۵۲۶)۔ اور اس میں شک ہی نہیں۔ کہ نسبت ہارونؑ جناب موسےٰ سے نسبت خلافت و شرکت فی التبلیغ و وزارت و اخوت و وصایت ہے۔ "پس لا نبی بعدی" سے نبوت کی نفی ہو گئی۔ باقی اوصاف بحال خود باقی۔ اور علیؑ مثل ہارونؑ وزیر و وصی و خلیفۂ رسول مقبولؐ ہیں۔ کتاب المناقب میں بسلسلۂ وہبیہ مروی ہے۔ کہ ماہ مبارک رمضان میں جناب رسول خداؐ نے خطبہ پڑھا۔ اور فرمایا کہ اے لوگو ماہ خدا برکت و رحمت و مغفرت کے ساتھ آگیا ہے۔ اور پھر ماہ مبارک رمضان کے فضائل ذکر کئے۔ بعد ازاں رونے لگے۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ کو کس چیز نے رلایا ہے؟ فرمایا۔ مجھ کو اس چیز نے رلایا ہے۔ جو اس مبارک مہینے میں تیرے بارے میں حلال سمجھی جائیگی۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ تو نماز پڑھنا چاہتا ہے۔ اور شقی ترین اولین و آخرین نظیر عاقر ناقۂ صالحؑ اٹھتا ہے۔ اور تیرے سر پر ضرب لگاتا ہے۔ اور تیری ڈاڑھی خون سے رنگتا ہے۔ عرض کیا۔ یا رسولؐ کیا یہ میرے دین کی سلامتی میں ہوگا؟ فرمایا۔ ہاں سلامتی دین میں ایسا ہوگا۔ عرض کیا۔ پھر تو بشارت اور خوشی کا مقام ہے (فتمنوا الموت ان کنتم صادقین)۔ پھر فرمایا۔ یا علی جس نے تجھے قتل کیا۔ اس نے مجھے قتل کیا۔ جس نے تجھ سے بغض رکھا۔ اس نے مجھ سے بغض رکھا جس نے تیری سب کی۔ اس نے میری سب کی۔ کیونکہ تو مجھ سے بمنزلہ میرے نفس کے ہے۔ تیری روح میری روح ہے۔ اور تیری طینت میری طینت۔ اور اللہ تعالےٰ نے مجھ کو اور تجھ کو اپنے نور سے خلق کیا ہے۔ اور مجھے اور تجھے مصطفےٰ و برگزیدہ بنایا ہے۔ "فاختارنی للنبوۃ واختارک للامامۃ فمن انکر امامتک فقد انکر نبوتی"۔ پس مجھ کو نبوت کے لئے اختیار و پسند کیا۔ اور تجھ کو امامت کے لئے۔ جس نے تیری امامت کا انکار کیا۔ اس نے میری نبوت کا انکار کیا۔ "و ربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ"۔ یا علی انت وصیی

ووارثی وابو ولدی وزوج ابنتی امرک امری ونھیک نھیی" اے علیؑ تو ہی میرا وصی میرا وارث۔ میری اولاد کا باپ اور میری بیٹی کا شوہر ہے۔ تیرا امر میرا امر ہے۔ اور تیری نہی میری نہی (بیشک امر اولوالامر امر رسول ہے۔ اور نہی اولوالامر نہی رسول ہے) "قسم باللہ الذی بعثنی بالنبوۃ وجعلنی خیر البریۃ انک لحجۃ اللہ علی خلقہ وامینہ علی سرہ وخلیفۃ اللہ علی عبادہ" میں قسم کھاتا ہوں اس کی جس نے مجھ کو مبعوث بہ نبوت کیا ہے اور بہترین خلق قرار دیا ہے۔ کہ بیشک تو خلق خدا پر حجت خدا ہے۔ اور اسرار الٰہی کا امین۔ اور تو ہی اس کے بندوں پر اس کا خلیفہ و جانشین" عن انس بن مالک۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہؐ کو دیکھا۔ کہ وہ علیؑ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ تو فرمایا۔ "انا وھذا حجۃ اللہ علی خلقہ" میں اور یہ علیؑ خلق خدا پر حجت خدا ہیں۔ جیسا کہ صاحب الفردوس اور امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے۔ "وقال یا علی انت تبرء ذمتی وانت خلیفتی علی امتی" اے علیؑ تو مجھ کو میرے قرض سے بری الذمہ کریگا۔ اور تو ہی میری امت پر میرا خلیفہ ہے۔ اور عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے۔ کہ رسول خدا نے روز مواخات فرمایا۔ "ھذا علی اخی فی الدنیا والاخرۃ وخلیفتی فی اھلی ووصیی فی امتی ووارث علمی وقاضی دینی مالہ منی مالی منہ نفعہ نفعی وضرہ ضری من احبہ فقد احبنی ومن ابغضہ فقد ابغضنی" یعنی یہ علیؑ میرا بھائی ہے دنیا اور آخرت میں۔ اور میرا جانشین ہے میرے اہل میں۔ اور میرا وصی ہے میری امت میں۔ اور میرے علم کا وارث ہے اور میرے قرض کو ادا کرنے والا۔ اس کا مال میرا مال ہے اور میرا مال اس کا مال۔ (یقیناً مال رسولؐ مال خلیفہ رسولؐ و برادر رسولؐ علیؑ بن ابی طالبؑ) اس کا نفع میرا نفع ہے۔ اس کا ضرر میرا ضرر ہے۔ جس نے اس کو دوست رکھا اس نے مجھ کو دوست رکھا جس نے اسکو مبغوض و دشمن رکھا۔ اس نے مجھ کو دشمن رکھا" جیسا کہ سید علی بن شہاب الہمدانیؒ نے نقل کیا ہے۔

انس بن مالک یہ بھی روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول خداؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام انبیاءؑ سے برگزیدہ بنایا۔ اور مجھ کو اختیار و پسند کیا۔ اور میرے لئے ایک وصی اختیار کیا۔ اور میں نے اپنے ابن عم علیؑ کو اپنا وصی بنایا۔ کہ میرا بازو اس سے قوی ہوا۔ جس طرح موسٰےؑ کا بازو ہارونؑ سے قوی ہوا" "وھو خلیفتی ووزیری ولو کان بعدی نبیاً لکان علی نبیاً ولکن لا نبوۃ بعدی" "اور وہ ہی میرا خلیفہ اور میرا وزیر ہے۔ اور اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا۔ تو البتہ علیؑ نبی ہوتا لیکن میرے بعد نبوت نہیں ہے" حضرت عمر بن الخطابؓ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے فرماتے تھے" یا ابوالحسنؑ اگر تمام دریا سیاہی ہوں۔ اور درخت قلم۔ اور تمام انسان کاتب اور جن اسب۔ تو بھی

تمہارے فضائل کا احصاء و شمار نہ کر سکیں۔ "مُودۃ القربیٰ و بحکم ہٗ و یُؤتِ کُلَّ ذِی فَضْلٍ فَضْلَہٗ" پس وہی مستحق خلافتِ الٰہی و وصایت رسالت پناہی ہیں۔ کیا اس صدیق اکبر کے مقابلہ میں جس نے اس وقت صادق امین کی تصدیق و تائید کی جبکہ کوئی اس کا مصدق نہ تھا۔ کسی اور نے مدد کی؟ بیشک یہ کام خدا کا تھا کہ اُس نے اپنے صادق امین کا مُصدِّق علیؑ ابن ابی طالبؑ کو خلق کیا۔ اور انہوں نے ایسا ہی کر دکھایا۔ اوّل اوّل اس تنہائی کے عالم میں تصدیق کی۔ اور ہر ایک قول و فعل اور ہر ایک مقام پر مصدق و مؤید و ناصر و حامی پیغمبر رہے۔ شعب ابی طالب میں جب پوشیدہ تھے۔ اس وقت حضرت رسولؐ خانہ کعبہ میں تشریف لائے۔ اور علیؑ کو ہمراہ لائے۔ اور علیؑ نے بتوں کو توڑا۔ اور اس کے بعد دو روز بالکل پوشیدہ رہے۔ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "واختفینا لیلتین" یعنی اس واقعہ کے بعد دو راتیں ہم چھپے رہے۔ یہ اوّل اور پہلی نصرت و تائید و حمایتِ رسولؐ تصدیق نبوت کا ثبوت تھا۔ جو علیؑ سے ظاہر ہوا۔ دوسری نصرت و حمایت جنگ بدر تھی جس میں علیؑ نے باوجود کم سنی داد شجاعت دی۔ اور تصدیق و تائید و نصرت رسولؐ میں ثابت قدم رہے۔ بعد ازاں جنگ خیبر و خندق اور سب سے اہم موقع جنگِ اُحد ہے۔ جہاں کہ سارے مسلمان رسولؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے علیؑ نے نصرت و حمایت و تصدیق رسولؐ سے منہ نہیں موڑا۔ اور پھر رسولؐ کے اس فرمانے پر کہ اے علیؑ تم اپنے بھائیوں کے ساتھ کیوں نہ چلے گئے عرض کیا "لا کفر بعد الایمان" ایمان کے بعد کافر نہیں ہو سکتا۔ یہاں جاں نثارانِ رسولؐ میں سے کوئی موجود نہ تھا۔ جو نصرت رسولؐ کرتا۔ علیؑ صادق و مُصدِّق تھے۔ اور بس۔ اور یہی سچوں کی علامت ہے "وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ"

ایک اور علامت اور سب سے بڑی علامت

صداقت کی یہ ہے۔ کہ خدا فرماتا ہے "قُلْ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ وَلَا یَتَمَنَّوْنَہٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ" اے پیغمبر ان لوگوں سے جو یہودی ہیں کہدو کہ اگر تم یہ گمان کرتے ہو۔ کہ اور لوگوں کے سوا صرف تم ہی خدا کے دوست ہو۔ تو اگر سچے ہو۔ تو موت کی تمنا کرو۔ اور یہ لوگ ہرگز موت کی خواہش نہ کرینگے۔ اس سبب سے کہ بہت کچھ کرتوتیں کر چکے ہیں۔ اور اللہ تو ظالمین کو خوب جانتا ہے۔ موت کی تمنا وہی کر سکتا ہے۔ جو بالکل پاک و صاف اور ہر امر میں سچا ہے۔ اور کسی بات کا خوف نہ رکھتا ہو۔ آنرا کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک پر سچ ہے۔ کہ جان کا دینا سب سے اہم کام ہے۔ اور جو جان سے گذر جائے۔ وہ پھر کسی شے کی پرواہ نہ کریگا۔ اور جان دینے اور آنحضرتؐ پر جان قربان کرنیوالے

اور شب ہجرت بستر رسولؐ پر سونیوالے اور جان کا خوف نہ کرنیوالے علیؑ ہی تھے۔ کسی اور جاں نثار رسولؐ نے اس وقت یہ ہمت نہ کی۔ کہ وہ بجائے رسولؐ بستر رسولؐ پر سوئے اور اپنی جان قربان کرے۔ "وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ" (بقرع ۲۵۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو محض خوشنودی خدا کے لئے اپنی جان دیتے اور فروخت کر دیتے ہیں) کا مبارک خطاب بارگاہ ایزدی سے پانے والے۔ ذرا نہ جھجکنے نہ ڈرنے اور محزون نہ ہونے والے۔ "فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ" کے سچے مصداق علیؑ ابن ابی طالبؑ ہی تھے (دیکھو تفسیر ثعلبی واحیاء العلوم وغیرہما)۔ اور وہی سچے ہیں اور خدا کا کام اور اس کا کلام ان کے باب میں پورا اترا۔ اور ضرور ہوا۔ وہ معیار صداقت وخلافت پر پورے اترے۔ اور خدا نے وعدہ پورا کیا۔ خواہ کوئی ملحد و بن خارجی یا ناصبی پیغمبرؐ پر الزام لگائے اور کہے۔ کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کو قتل کرانے کے لئے بستر پر سلا دیا تھا کیونکہ آپ ان کو دشمن رکھتے تھے "قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ"۔

یہ معنی ہیں مطابقت و موافقت فعل خدا و قول خدا اور صداقت کلام خدا و کام خدا۔

یہ ہے خلافت راشدۃ الٰہیہ اس خدا کی سند اور خدا کی گواہی کے مقابل کس کا دل و گردہ ہے جو اس پاک و مطہر سلسلہ خلافت کے خلاف اعتراض کی زبان کھولے۔ اور کھولے بھی تو بجز لغویت و ہرزہ درائی کے اس کے پلے کیا پڑیگا۔ ہونیوالی بات ہو چکی۔ تقدیر مبرم اپنا کام کر چکی۔ کوئی نیا خدا ہو۔ نیا نظام ہو۔ اور پھر نئے سر سے ریاست محمدی کا ظہور ہو۔ اور صحبت رسولؐ کا بازار گرم۔ اور خدا علیؑ جیسے صادق مصدق و صدیق اکبر مظہر کمالات الٰہی آئینہ صفات محمدی نفس رسولؐ خلق کرے۔ اور وہ بجائے علیؑ جانشین رسولؐ ہو وارث اوصاف احمدی و آئینۂ جمال محمدی قرار پائیں۔ تو پھر ممکن ہے۔ کہ حاسدین کی تمنائیں بر آئیں۔ چند لوگوں کا مشورہ یا اجماع خالق اکبر و فاطر السماوات والارضین کا کام نہیں کر سکتا۔ "هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ" کیا سوائے خدا اور بھی کوئی خالق ہو سکتا ہے۔ "رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ" خدا جس کو جیسا چاہتا ہے۔ خلق کرتا ہے۔ اور جس کو جس کام کے لئے چاہتا ہے۔ پیدا کرتا اور اس کو اس کے موافق بنا دیتا اور ان صفات سے متصف و ان کمالات سے مخصوص کرتا ہے۔ اگر تمام احادیث و روایات ظلم و جور جابرین سے نیست و نابود کر دئے جائیں۔ تو صرف آیات قرآنی بلکہ صرف ایک آیت قرآنی اثبات حقانیت و صداقت علویؑ کیلئے کافی ہے۔ بلکہ اگر خدانخواستہ ظالم تمام نسخ مصحف کو جلا دیں۔ پھر بھی خود وجود علویؑ جو مظہر کمالات الٰہی و آئینۂ صفات محمدی ہے۔ خود اپنی حقانیت و صداقت کی دلیل ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ فافہم وتدبر +

تنبیہ۔ قول خدا وفعل خدا کی تشریح وتصریح وتوضیح کے بعد کہ جو کچھ واقع ہو رہا ہے۔ سب کو فعلِ خدا نہیں کہہ سکتے۔ فعلِ خدا وہ ہے۔ جو خلقیات سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا۔ کہ جو کچھ کوئی کرتا ہے اور جو کچھ عالم میں واقع ہوتا ہے سب فعلِ خدا ہے۔ تو چاہئے تھا۔ کہ ان افعال میں اختلاف و تفاوت واقع نہ ہوتا۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے "مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ" خلق الٰہی میں تفاوت نظر نہ آئیگا۔ حالانکہ افعال عباد میں اختلاف و تفاوت بدیہی ومحسوس ومشاہد ہے۔ اور جب ہر ایک امر جو کچھ واقع ہو فعلِ خدا نہیں ہے۔ تو کسی کا غلبہ وسلطنت بھی فعلِ خدا نہیں کہلا سکتا جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے۔ تو اسی طرح سے مصاحبت فی الغار ومصاحبت فی المقبرۃ کا وقوع بھی دلیل حقانیت وصداقت نہیں ہو سکتا۔ اور جب بنصِ قرآنی مصاحبت فی الدار عالبیت وتعلق ابوت وبنوت پسر نوح ع کو مفید نہیں۔ اور اسی طرح مصاحبت فی الدار عالبیت ومباشرت وہم بستری زوجہ نوح ع ولوط ع کو فائدہ بخش نہیں۔ اور ان کی قائم مقامی وخلافت کی دلیل نہیں۔ تو چند گھنٹے یا چند دن کی مصاحبت غاری اگرچہ کیسی ہی بڑی فضیلت کیوں نہ فرض کر لی جائے۔ معیارِ خلافت ودلیلِ صداقت کیونکر ہو سکتی ہے۔ اسی طرح مصاحبت فی المقبرہ۔ جبکہ ہر روز مشاہد ومحسوس ہے۔ کہ ایک مقبرے میں نیک وبد اچھے برے سب ہی دفن ہو جاتے ہیں۔ اسی مبارک سرزمین مکہ پر کفار ومشرکین بھی دفن ہیں۔ جہاں شہداء اسلام کا پاک ومقدس خون بہا ہے یعنی اگر یہ امور فضیلت بھی فرض کئے جائیں۔ تو بھی عند العقلاء معیارِ خلافت وصداقت ثابت نہیں ہو سکتے مثل مشہور ہے۔ مُردہ بدست زندہ۔ مُردہ زندوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ جہاں چاہو۔ اور جہاں مصلحت وقت دیکھو۔ وہاں خاک میں چھپا دو۔ اور جن کے لئے جہاں مصلحت نہ دیکھو دفن نہ ہونے دو۔ اس کی لاش پہ تیر برساؤ۔ مگر اپنی مصلحتوں کا خون نہ ہونے دو۔ استحقاق وغیر استحقاق کیسا؟ "والعاقل تکفیہ الاشارہ وفیہ الکفایہ" اس لئے کہ ہم ان امور سے یہاں زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اتنا بھی طرفۃ اللباب لکھ دیا ہے (ولہ محل آخر) +

اُصول اربعہ خلافت المسلمین

عام اہلِ اسلام نے اثباتِ خلافت کے چار اصول قرار دئے ہیں یا تصدیق خلافت کی چار دلیلیں قرار دی ہیں یعنی اجماع۔ نصِ شوریٰ اور سلطنت وغلبہ چنانچہ خلیفہ اوّل رض اجماع سے خلیفہ ہوئے۔ اور حضرت ثانی رض نص وتصریح وتشخیص خلیفہ اوّل سے خلیفہ مانے گئے۔ اور خلیفہ ثالث رض اصحاب شوریٰ کے مشورے اور رائے سے۔ اور رابع اجماع سے۔ اور باقی اکثر خلفاء وامراء بوجہ غلبہ وسلطنت خلیفہ بنائے گئے۔ ان امور کے وقوع سے تو کسی کو

انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن ہم ان اصول اربعہ کو از روئے اصول مسلمہ فطریہ و مستقلات عقلیہ پرکھتے اور جانچتے ہیں۔ تاکہ ان کا حسن و قبح معلوم ہو۔ اور اگر یہی سچے اصول اور معیار خلافت و صداقت ہوں تو کیوں ان کا اتباع نہ کیا جائے +

اصل اوّل اجماع ہے - یہ امر تو مسلم ہے۔ کہ انسان من حیث ھو انسان جائز الخطاء ہے۔ اور معصوم نہیں ہے۔ اور یہ بھی مشاہد ہے۔ کہ ہزاروں عقلاء ایک بات پر اتفاق کرتے ہیں۔ اور اس کی اچھائی ثابت کرتے ہیں۔ اور پھر وہ غلط و باطل ثابت ہوتی ہے۔ اور وہی عقلاء اس اصل کو بدل دیتے اور ترمیم کر دیتے ہیں۔ جمہوری سلطنتوں اور پارلیمنٹری حکومتوں کے اکثر و بیشتر تبدیل و ترمیم ہونیوالے ریزولیوشن اس کی روشن دلیل ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ عقل انسانی ناقص ہے۔ اور ہر ایک امر میں اس کو حکم قطعی و استقلالی حاصل نہیں ہے۔ اور یہ عند العقلاء مسلم و محقق ہے۔ کہ مجموعہ ناقص کا ناقص ہی ہوتا ہے۔ اور یہی مشاہد بھی ہے۔ مثلاً لاکھ آدمی ناقص الخلقہ ہوں۔ تو سب کا مجموعہ بھی ناقص ہی رہیگا۔ مثلاً لاکھ اندھے اور نابینا ہوں۔ تو ان کی مجموعی جماعت بھی نابینا ہی کہلائیگی۔ اکٹھے ہو کر بینا نہیں ہو جائینگے۔ اسی طرح لاکھ بہرے مل کر صاحب سماعت نہیں ہو سکتے۔ لاکھ شل مل کر صاحب حس و حرکت نہیں بن سکتے۔ لاکھ اپاہج مل کر صاحب قوت و اختیار نہیں ہو سکتے۔ اور اسی طرح ہزار یا لاکھ یا کروڑ مخبوط الحواس صاحب شعور و ادراک نہیں کہلا سکتے۔ اور لاکھوں بیعقل مل کر عاقل نہیں بن سکتے۔ غرض مجموعہ ناقص کا ناقص ہی رہیگا۔ کبھی کامل نہیں ہو سکتا۔ اور اس لئے اگر ایک جماعت تو کیا ایک ملک کے تمام باشندے بلکہ تمام افراد انسانی اس طرح کے ناقص العقل مل کر ایک امر کے متعلق رائے دیں۔ تو اس کو یقینی الصداقت و قطعی الاعتقاد نہیں کہہ سکتے۔ اور یقینی طور پر حکم نہیں لگا سکتے۔ کہ یہ خطاء سے بالکل بری ہیں۔ تاوقتیکہ عصمت منصوصہ کو تسلیم نہ کیا جائے یعنی ایک ایسا کامل العقل و کامل النفس و کامل الروح انسان فوق تمام افراد انسانی فرض نہ کیا جائے۔ جو خطاء سے بالکل بری ہو۔ اجماع حق نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایسے کامل العقل کا جو معصوم اور خطاء سے بالکل پاک ہو وجود تسلیم کرنے کے بعد پھر اس کا وجود اس مجمع اور مجمع علیہ امر میں تسلیم کرنے کے بعد اجماع کی حقیت پر حکم لگایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ کامل یعنی معصوم ان میں موجود ہے۔ اور اس سے خطاء ممکن نہیں ہے۔ اور اس لئے امر مجمع علیہ حسن و صدق ہوگا۔ پس وہ لوگ جو وجود معصوم کے منکر ہیں۔ وہ تو کسی صورت سے اجماع کی صداقت و حقانیت ثابت ہی نہیں کر سکتے۔ مگر یہ کہ اصول فطریہ و فطریات انسانیہ و مسلمات عقلاء و مستقلات عقلیہ سے قطعاً انکار کر دیں۔ بلکہ مشاہدات و محسوسات کے بھی منکر ہو جائیں۔ ہاں وہ

لوگ جو وجود معصوم کے ہر زمانے میں قائل ہیں۔ اور ایک کامل غیر ناقص مستحیل الخطا کا وجود ہمیشہ تسلیم کرتے ہیں۔ وہ اجماع کی حقانیت ثابت کر سکتے ہیں۔ وہ بھی کب جبکہ تمام افراد نوع انسانی کا اجماع واقعی فرض کیا جائے ”حتی لا یشذ عنہم فرد“ کوئی فرد اس اجماع سے خارج نہ ہو کیونکہ اسی صورت میں معصوم ان میں داخل ہوگا۔ ورنہ اگر ایک فرد بھی خارج ہو۔ تو احتمال ہو سکتا ہے۔ کہ وہی معصوم ہو۔ الا یہ کہ موجودیت معصوم یقینی طور پر مسلم ہو۔ لیکن یہ اجماع نہ آج تک متحقق ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ کہ تمام افراد نوع انسانی بلا استثنا جمع اور متفق ہوں۔ اور اجماع مشہور میں تمام عالم کے انسان تو کیا تمام جزیرۂ عرب کے مسلمان بھی متفق نہ تھے۔ بلکہ تمام اہل مدینہ بھی جمع نہ تھے۔ ایک معمولی جماعت تھی۔ اور پھر ان میں بھی اختلاف موجود تھا (کما سیظہر لک)۔ ایسا اجماع کیونکر سند ہو سکتا ہے۔ غرض بلا موجودیت کامل مطلق و معصوم برحق اجماع سند نہیں۔ اور مجمع فاسقین ہمیشہ ناقص ہے +

اور اگر اجماع بشرائط مذکورہ کہ تمام عالم کے انسان یا کم سے کم بفرض محال تمام اہل اسلام بلا استثناء جمع ہو جائیں متحقق ہو جائے۔ تو بھی یہ اجماع اپنے امور اور معاملات میں مفید ہوگا۔ نہ خدائی امور میں۔ وہاں اجماع کو دخل نہیں۔ وہاں معصومین کا اجماع بھی سند نہیں۔ کیونکہ ان کو بھی امور الٰہی میں دخل دینے کا اختیار نہیں ہے جیسا کہ بر خلاف خلافت الٰہیہ حضرت آدمؑ اجماع ملائکہ مفید نہ ہوا کیونکہ ان کا علم بھی اگرچہ کیسا ہی زیادہ کیوں نہ ہو لیکن بمقابل خدا محدود و متناہی ہے۔ اور مثل اس کے محیط نہیں۔ اسی واسطے انکی صفت یہ ہے ”عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ“ وہ مکرم معظم بندگان خدا ہیں کسی بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے امر ہی پر عمل کرتے ہیں“ ”رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ“ امور خالق میں مخلوق کو دخل نہیں۔ اور یہ ہم ثابت کر ہی چکے ہیں کہ یہ خلافت خلافتِ الٰہیہ ہے مخلوقات کو اس میں کسی قسم کی خلقیت کا حق حاصل نہیں جو ایسا کرتے ہیں شریک خدا بنتے ہیں ”سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ“ +

اصل سوم شوریٰ ہے جب اجماع و اتفاق کل سند نہیں۔ تو چند شخصوں کا شوریٰ کیونکر کسی امر کی یقینی صداقت کی دلیل ہو سکتا ہے چنانچہ شوریٰ ملائکہ در باب خلافت آدمؑ مفید و سند نہ ہوا حالانکہ انہوں نے شوریٰ کے ساتھ دلیل بھی دی تھی۔ کہ ہم تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ اور تیرا خلیفہ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اور اس لئے ہم خلیفہ بنائے جائیں۔ مگر جواب یہی ملا کہ ”إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ“ یعنی تمہارا علم ناقص و محدود ہے۔ اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے معیار خلافت تقدیس و تسبیح نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مجموعہ ناقص ناقص ہی ہوتا ہے۔ ناقص العلم جمع ہو کر کامل نہیں بن سکتے۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ جس امر پر زیادہ عقلاء و علماء متفق ہوں۔ وہ بمقابل اس کے جس میں کم کا اتفاق ہو یا ایک ہی شخص اس میں رائے رکھتا ہو زیادہ

قوت عقل و قریب یقین و اعتماد ہوتا ہے۔ اسی واسطے استبداد رائے اور خود رائی کو اپنے امور و معاملات میں مذموم قرار دیا گیا ہے۔ اور مشورہ و شورائے مستحسن ٹھیرایا گیا ہے۔ لیکن اپنے ہی امور میں۔ نہ خدائی معاملات میں۔ وہاں جس طرح کوئی شخص نبی اللہ کو خلق نہیں کر سکتا۔ اسی طرح خلیفۃ اللہ اور خلیفہ رسولؐ کو بھی کوئی خلق نہیں کر سکتا۔ "وربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ"۔ بلکہ بحکم خدا و نص رسولؐ اپنے امور میں بھی کسی مطیع خدا کو اختیار رائے زنی کا نہیں ہے۔ "ماکان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ" (کما اوماناہ سابقا)۔

اصل چہارم غلبہ و سلطنت ہے جس کے اصل معنی "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" ہیں۔ اس کا بطلان ہم پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں۔ یہ غلبہ دلیل حقانیت و صداقت و استحقاق نہیں ہے۔ صرف اتنا ہی ہے۔ کہ غالب لوگوں کی گردنوں پر مسلط ہو جاتا ہے حکم اس کا جاری ہوتا ہے۔ جو چاہتا ہے۔ کرتا ہے مغلوبین دم نہیں مار سکتے۔ اس کو استحقاق وغیر استحقاق سے کوئی تعلق نہیں۔

رہ گئی اصل دوم یعنی نص۔ بایں طور کہ مستخلف یعنی صاحب خلافت خود تصریح بالاسم کر دے۔ کہ میرے بعد فلاں شخص خلیفہ ہوگا۔ یا میں نے فلاں کو خلیفہ بنایا جس طرح خدا نے بالتصریح فرمایا۔ کہ ہم نے آدمؑ کو خلیفہ بنایا۔ داؤدؑ کو خلیفہ بنایا۔ یا وہ شخص نص و تصریح کرے۔ جو اس تصریح الٰہی سے خلیفہ ہوا ہے۔ مثلاً خدا نے حضرت آدمؑ کی خلافت پر نص کی۔ اور آدمؑ نے اپنے بعد اپنے بیٹے شیثؑ کی بابت تصریح کی۔ کہ میرا جانشین یہ ہوگا۔ اور انہوں نے اپنے بعد کے خلیفہ پر۔ وعلی ہذا القیاس۔ یا خدا نے آنحضرت صلعم کی نبوت و رسالت و امامت و خلافت پر نص کی اور آنحضرتؐ اپنے بعد اپنے خلیفہ و جانشین کی خلافت پر نص کریں۔ اور فرمائیں۔ کہ فلاں شخص میرے بعد میرا جانشین ہے۔ چنانچہ یہ نص حضرت علیؑ کی نسبت اکثر موجود ہے۔ اور واقعۂ دعوت عشیرہ اور دیگر احادیث و روایات ہم نقل کر چکے ہیں۔ اور یورپین تواریخ سے بھی ثبوت دے چکے ہیں۔ غرض یہ کہ نص اصل میں نص الٰہی ہی ہے۔ خود پیغمبرؐ کو بھی اس میں اختیار نہیں ہے۔ پیغمبر صرف اس نص الٰہی اور اعلان خداوندی کا ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی توضیح و تشریح قصہ خلافت حضرت ہارونؑ سے بخوبی ثابت ہے۔ حضرت موسیٰؑ خود ہارونؑ کو اپنا خلیفہ نہیں بنا سکے۔ ہاں بعد اعلان الٰہی۔ آپ نے اس کا اظہار کیا۔ اور فرمایا۔ تم میرے اہل میں میرے خلیفہ ہو۔ جیسا کہ آنحضرتؐ نے علیؑ کے باب میں کیا۔ اور خلیفہ برحق وہی ہوتا ہے۔ جو منصوص من اللہ ہو۔ بنابریں نص حضرت خلیفہ اوّلؓ در باب خلیفہ ثانیؓ مستند و معتبر نہیں۔ کیونکہ حضرت خلیفہ اوّل منصوص نہ تھے۔ وہ چند لوگوں کے اتفاق و اجماع سے خلیفہ بنائے گئے تھے۔ لہذا ان کی نص نص ہی نہیں ہے۔ پس چاروں اصول قابل اعتبار نہیں۔ اور چاروں باطل ہیں۔ اور یہ ہرگز معیار خلافت و صداقت استحقاقی نہیں ہو سکتے۔ وھو المطلوب۔

ہاں یہ اصول حکومت ہائے دنیویہ میں معتبر ہیں۔ اور اب بھی معتبر سمجھے جاتے ہیں۔ امور الٰہیہ اور امور دینیہ اور خلافت رسولؐ اور استحقاق سے ان کو کچھ تعلق نہیں۔ چنانچہ جہاں حکومت و سلطنت خود مختار ہے یا تھی۔ وہاں بادشاہ پہلے بادشاہ کی نص سے ہوتا تھا۔ کہ موجود تصریح کر دیتا تھا۔ کہ مثلاً میرا فلاں بیٹا میرا جانشین ہے۔ جیسا کہ اب سے پہلے ایران و ترکی میں اور اب دولت افغانستان و چین میں قاعدہ ہے۔ خواہ یہ بادشاہ سابق خود بالاستحقاق ہوا ہو یا بلا استحقاق۔ اس سے بحث نہیں ہوتی۔ اور جہاں سلطنت جمہوری ہے۔ وہاں بادشاہ لوگوں کے اجماع و اتفاق سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ممالک متحدہ میں پریزیڈنٹ منتخب کیا جاتا ہے۔ اور جہاں سلطنت مشروطہ و پارلیمنٹری ہے۔ جیسا کہ اکثر سلطنت ہائے یورپ اور نیز ترکی و ایران میں خاص لوگوں یعنی ممبران کونسل کے مشورے سے بادشاہ مقرر ہوتا ہے۔ اور چونکہ یہ بادشاہ لوگوں کے بنائے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ حاکم مطلق اور با اختیار کل نہیں ہوتے۔ بلکہ ان بنانے والوں اور منتخب کرنے والوں کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ وہ جب چاہیں تخت سے اتار دیں۔ اور معزول کر دیں۔ ان اصول پر مقرر کئے ہوئے بادشاہ اسلام خلیفۂ رسول نہیں کہلا سکتے۔ اور صاحب حکم و ولی الامر و اولی الامر نہیں ہو سکتے۔ ہاں ان کے بادشاہ بن جانے میں کسی کو شک ہے ہی نہیں۔ مگر خلافت الٰہیہ چیزے دیگر +

اور چوتھی اصل پر وہ بادشاہ ہوتے ہیں۔ جو زبردستی ملک چھین لیتے ہیں۔ اور تخت پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور اس صفت سے متصف سینکڑوں بادشاہ مسلمان و غیر مسلمان گزرے ہیں۔ اور بعد شاہان اولیہ اسلام حضرات خلفاء اربعہ تمام مدعیان خلافتِ رسول محض غلبہ و سلطنت سے خلیفہ کہلائے اور بادشاہ اسلام بنے۔ یزید ابن معاویہ میں چاروں باتیں جمع تھیں۔ لوگوں کا اجماع بھی ان کے اصول کے موافق ہو گیا تھا۔ شوریٰ بھی کر لیا گیا۔ امیر معاویہ نے نص بھی کر دی تھی۔ اور غلبہ بھی حاصل تھا۔ بلکہ ایسا غلبہ اہل اسلام پر کسی پہلے مسلمان بادشاہ کو نصیب نہ ہوا تھا۔ فتبصر و تدبر +

تین قسم کی خلافت

ہم مقدمے میں ذکر کر چکے ہیں۔ کہ خلیفہ ایک تو وہ ہے۔ جو وارث صفات متخلف اور اس کے کمالات کا مظہر ہو جیسا کہ حضرت آدمؑ مثلاً خلیفہ خدا ہیں۔ دوسرے خلیفہ بادشاہ کو بھی کہتے ہیں۔ اور ایک خلیفہ وہ ہوتا ہے۔ جو صاحب خلافت کے اوصاف کے برعکس اور اس کی ضد و نقیض ہوتا ہے۔ اور اس کی جگہ کسی طرح بیٹھ جاتا ہے جس کی صفت یہ ہے "خَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ" (کما اشرنا الیہ سابقاً)۔ حالات اسلام و تاریخ اور کلام حمید مجید و احادیث نبوی میں تدبر و تفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعد رسولؐ تین قسم کے خلیفہ ہوئے۔ ایک تو وہی جو وارث صفات نبوتی و آئینہ جمال محمدی تھے۔ جو خلافت الٰہیہ کے اصلی و حقیقی معنی

ہیں۔ دوسرے وہ خلیفہ جو بادشاہ اسلام ہوئے۔ اور اصول بادشاہت دنیویہ کے موافق بادشاہ بنائے گئے۔ اور تیسرے وہ خلیفہ کہلائے۔ جو بادشاہ ہوئے۔ مگر وہ ظاہر بظاہر خلاف اسلام و دیانت اسلام تھے۔ اور اوصاف نبوی کے بالکل برعکس اور حضرت کی ضد و نقیض تھے۔ اور وہی خلیفہ تھے جن کی صفت خلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات ہے۔ کہ بعد رسول انہوں نے نماز کو ضائع کیا۔ اور شہوت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ جیسا کہ حالات یزید سے صاف ثابت و ظاہر ہے (اس کے افعال کی کچھ تفصیل آئندہ آئیگی)

معیارِ صداقت دلیل وجودی ہے

بہرکیف ان اصول مقررہ و مشہورہ بین المسلمین کو حقانیت و صداقت و استحقاق سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اور یہ معیار خلافت ہرگز نہیں ہو سکتے۔ دلیل صداقت اصل میں وہی ہے۔ جو دلیل وجودی ہو۔ مثلاً آفتاب کی ضیاء۔ ماہتاب کا نور ہیرے کی چمک دمک اور مشک کی مہک ان کے حسن و خوبی کی دلیلیں ہیں۔ دلائل خارجیہ اجماع و شوریٰ سے ہر ایک ہرن کی ناف اور رنگ خارا کے ریزے مشک و ہیرا ثابت نہیں ہو سکتے۔ پس دلیل صداقت و معیار حقانیت دلیل وجودی خلفاء اللہ و انبیاء اللہ و اولیاء اللہ ہے۔ اور وہ ان کے کمالات ذاتیہ ہیں۔ اور اصل کمالات و مبدء کمالات علم ہے۔ چنانچہ معیار صداقت و خلافت حضرت آدم علم ہی کو قرار دیا گیا۔ اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام علم لدنی ذاتی و وجودی کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ اور ان کے کمالات وجودیہ ہی دلیل حقانیت و صداقت تھے۔ نہ دلائل خارجیہ۔ کیونکہ دلائل وجودیہ کبھی اس کی ذات سے جدا نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً علم نہ ضائع ہو سکتا ہے نہ چوری جا سکتا ہے۔ نہ چھینا جا سکتا ہے۔ جب تک انسان باقی ہے۔ علم باقی ہے۔ بلکہ انسان مر جاتا ہے۔ علم اس کی ذات کے ساتھ رہتا ہے۔ اور دلائل خارجیہ سلب و باطل ہو سکتے ہیں۔ اہل اجماع پھر سکتے ہیں۔ اہل مشورہ اپنی رائے واپس لے سکتے ہیں۔ اور غلبہ و سلطنت سلب ہو سکتی ہے۔ پس اگر یہ دلائل حقیت و صداقت قرار دی جائیں۔ تو جو لوگ ان کی رو سے منتخب ہوئے۔ بعد سلب ہونے ان دلیلوں کے صاحب حق و صدق نہ رہینگے۔ حق باطل سے اور صدق کذب سے بدل جائیگا۔ وھو محال پس دلائل خارجیہ کوئی چیز نہیں۔ معیار صداقت دلائل وجودیہ ہیں۔ وھو المقصود۔ فتامل و تبصر۔

ظاہری خلافت اور حکومتِ مکہ

اہل بصیرت خصوصاً تاریخ دان حضرات پر پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ حضرت ہاشم سید العرب سردار مکہ کہلاتے تھے۔ اور ان کے بعد حضرت عبد المطلب جد امجد حضرت ختمی مرتبت حاکم و والی مکۃ اللہ الحرام تھے۔ اور رئیس مکہ و رئیس عرب مانے جاتے تھے۔ ولایت مکہ انہی کے ماتحت تھی۔ اور محافظ خانہ کعبہ بھی بزرگوار

تھے۔ اور یہ بھی مسلم ہے۔ کہ جناب عبداللہؑ پدر بزرگوار جناب رسالت مآبؐ جناب عبدالمطلبؑ کی حین حیات ہی میں وفات پا گئے تھے۔ اور بعد وفات جناب عبدالمطلبؑ حضرت ابوطالبؑ والی مکہ ہوئے۔ اور آپ ہی کی ریاست کی وجہ سے حضرت ختمی مرتبت کو بہت امداد ملی۔ اور قریش و کفار حضرت ابوطالبؑ کے ہوتے حضرتؐ کو ظاہر بظاہر اذیت نہ پہنچا سکتے تھے۔ جو کچھ کہتے تھے۔ وہ حضرت ابوطالبؑ ہی سے کہتے تھے۔ اور بلقاعدہ وراثتِ دیانت اسلامیہ ولایتِ مکہ پر حضرت علیؑ متمکن ہوئے نہ کہ آنحضرتؐ۔ پس اصل خلافت و حکومت ظاہری مکۃ اللہ الحرام حضرت علیؑ ہی کا حق ہے۔ اور علاوہ اس کے کہ حکومت ظاہری (بادشاہت) تحتِ خلافتِ اتصاف اوصاف خداوندی ہے۔ کیونکہ جس طرح وہ علیم و حکیم و قدیر ہے۔ مالک الملک احکم الحاکمین بھی ہے۔ پس اصل استحقاق حکومت و بادشاہت اسی مظہر صفات الٰہی و خلیفہ برحق کو حاصل ہے۔ بلحاظ قوانین ظاہریہ بھی خلافت مکہ جناب امیرؑ ہی کا ورثہ ہے۔ مگر چونکہ خاتم النبیینؐ نذیر للعالمین ہے۔ اور خود حضرت علیؑ ان کی امت میں داخل ہیں۔ آنحضرتؐ کے ہوتے وہ حاکم مستقل مکۃ الحرام نہیں ہو سکتے۔ اس وقت حکومت مطلقہ حق جناب رسالت مآبؐ ہے لیکن بعد انتقال جناب سرور کائناتؐ بہر نہج حق جناب امیرؑ ہے +

اور بالفرض اگر یہی کہا جائے۔ کہ بعد حضرت عبدالمطلبؑ و ابوطالبؑ حکومت و محافظت مکہ معظمہ جناب ختمی مآب ہی کو پہنچی نہ حضرت علیؑ کو۔ تو بعد وفات سرور کائنات باستحقاق وراثتی ان کی دختر نیک اختر حضرت فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کا حق ہے۔ پس اگر بعد آنحضرتؐ حضرت علیؑ بادشاہ تسلیم نہیں کئے گئے۔ تو (ایک یوروپین کے لفظوں میں) جناب فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کیوں اپنے باپ کی جگہ ملکہ تسلیم نہ کی جائیں۔ جبکہ عرب میں ان سے پہلے کئی عورتیں حکومت کر چکی تھیں۔ جن پر تاریخ و تمدنِ عرب شاہد ہے۔ حالانکہ علم و فضیلت و شرافت و عصمت جناب فاطمہؑ مسلمہ اہل اسلام ہے۔ اگرچہ ایک ناصبی یا خارجی جناب امیرؑ کی نسبت کچھ زباں درازی کر سکتا ہے۔ مگر جناب دخترِ رسولؐ کی نسبت ایک کلمہ خلاف نہیں کہہ سکتا۔ اور عقل و فہم و فراست و علمیت جناب فاطمہؑ مسلّم ہے اور باتفاق اہل اسلام آپ یقیناً آیۂ مباہلہ اور آیہ تطہیر میں داخل ہیں۔ اگر جناب امیرؑ کو بفرض محال و بخیال ناصبین و خارجین داخل خانہ تطہیر نہ بھی قرار دیا جائے۔ جناب معصومہ طاہرہؑ کی طہارت سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اور علمیت جناب معصومہ کا حال صرف حضرتؑ کے بعض خطبات ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو خطبہ جناب سیدہؑ بعد وفات پدر بزرگوار۔ روبروئے جناب خلیفۂ اوّلؓ سے بڑا عالم و فاضل ایسا مشتمل جملہ معارف و حقائق و حکم و نصائح خطبہ انشاء نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نہ ہو۔ جزو نور محمدیؐ اور بضعۂ کبد احمدیؐ اور بنص آیۂ مباہلہ نفس حضرت نبویؐ ہیں ”ذریۃ بعضہا من بعض“ اور جب حضرت سیدہ صلوٰۃ اللہ ملکہ اسلام مانی جائیں۔ تو پھر ان کو اختیار ہے۔ کہ وہ حضرت علیؑ کو اپنا کارکن قرار دیں یا اور کسی کو۔ اس کا اہل انصاف خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن

اصل یہ ہے کہ اس معاملہ میں کسی اصل مسلم کو مسلم و مقدم نہ رکھا گیا۔ صرف اس موقع کو فرصت و غنیمت سمجھ کر غلبۂ بعض آراء کو مقدم رکھا گیا۔ اور فلتۃً ایسا ہوا۔ طمع دنیا و اغراض شخصیہ و خواہشات نفسانیہ غالب آئیں۔ اور جو کچھ کیا بے سوچے سمجھے۔ اور اسی وجہ سے بعد میں خود ایسا کرنے والوں کو شرمندہ ہونا پڑا۔ اور خود حضرت خلیفہ ثانی کو علی الاعلان یہ کہنا پڑا کہ بیعتِ خلافتِ اوّل فلتۃً بے سوچے سمجھے اچانک واقعہ ہوئی تھی خدا نے اس کے شر سے بچا یا۔ اگر آئندہ کوئی ایسا کریگا تو قتل کیا جائیگا۔ (وقد قضی الامر) +

دنیا میں بناء اختلاف خلافت ہی ہے

تواریخ عالم خصوصاً تاریخ دیانتی و نیز کلام حمید مجید میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابتداء بناء فساد عالم و گمراہی خلق و اختلاف و نفاق و عناد و شقاق مسئلہ خلافت ہی ہے۔

اوّل خلافت حضرت آدمؑ کا اعلان "انی جاعل فی الارض خلیفۃ" ہوتے ہی شیطان کے سینۂ باکینہ میں آتش حسد شعلہ زن ہوئی۔ ظرف کم تھا۔ ضبط نہ کرسکا۔ اور اس خلیفہ خدا کو تسلیم کرنے اور اس کو تعظیم دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اور چھ ہزار سال کی عبادت تسبیح تہلیل۔ تقدیس تمجید اور تحمید کو ضائع کر کے ہمیشہ کیلئے مردود و ملعون اور راندۂ درگاہ الٰہی بنا۔ اور خداوند عالم کے اس استفسار پر کہ "مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ" اے ابلیس تجھ کو کس نے منع کیا کہ تو اس کو سجدہ کرے جس کو میں نے اپنی قوت قابضہ و قوت باسطہ سے خلق کیا ہے۔ متکبرانہ و مغرورانہ یہ جواب دیا۔ "اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ" کہ میں اس سے بہتر و افضل ہوں۔ کیونکہ مجھے تو نے آگ سے خلق کیا ہے اور اس کو مٹی سے۔ اور آگ اس کے خیال باطل میں بسبب لطافت ظاہری طین سے بہتر ہے۔ حالانکہ یہ اس کا قیاس فاسد اور پہلا قیاس فاسد تھا جس نے اسے گمراہ کیا۔ اور اس کے بعد لاکھوں کروڑوں نفوس گمراہ ہوئے اور ہو رہے ہیں اور ہونگے۔ اس نے اوّل خلافت و نبوت کو نہ پہچانا کہ ہر کا معیار کیا ہے اور مابہ الخلافت و النبوت کیا؟ اور اس نے خیال کیا کہ یہی صورت ظاہری بشری آدمؑ خلیفہ خدا ہے۔ اور اسی مٹی کے پتلے کو تعظیم کرائی جا رہی ہے۔ اور یہاں سے اس نے آتش کی خیریت پر قیاس فاسد تراشا۔ حالانکہ آیۂ سجدۂ آدمؑ صاف و صریح ہے۔ کہ یہ تعظیم اس خاکی پتلے کو نہ تھی۔ خلافت الٰہیہ اس پتلے پر موقوف نہ تھی۔ اور وہ صورت بشری جسمانی نبی و خلیفہ خدا نہ تھی۔ بلکہ مابہ الخلافت و النبوت وہ خاص روح قدس تھی جو عالم امر سے اس پتلے میں پھونکی گئی تھی۔ اور جس کو خدا خصوصیت کے ساتھ بکمال قرب و اخلاص و اتصال منزلتی اپنی طرف منسوب فرماتا ہے۔ اور اپنی روح کہتا ہے۔ کیونکہ حکم سجدہ بعد تسویہ صورت بشری نہیں۔ بلکہ بعد نفخ روح قدس ہوتی ہے جیسا قال عزّ وجلّ "اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ" میں طین سے ایک صورت ظاہر و محسوس (بادی البشرہ

خلق کرنے والا ہوں۔ پس جب میں اس کو درست بنالوں۔ اور بلحاظ قوائے وحواس واعضاء وجوارح اس کا تسویہ کرلوں۔ اور اس میں اپنی ایک روح خاص پھونک دوں۔ تو اس کے لئے سجدۂ تعظیمی میں جھک جاؤ۔ پس حکم بعد نفخ روح ہے۔ اور اصل معظم و مکرم یہی روح خاص ہے۔ اور اسی کو تعظیم کا حکم ہے۔ نہ کہ اس خاکی پتلے کو۔ اگر بعد "اذا سوّیتہ" "فقعوا لہ ساجدین" فرماتا۔ تو شیطان کا یہ قیاس بظاہر صحیح ہوسکتا تھا۔ (اگرچہ فی الحقیقت طین نار سے کہیں افضل ہے۔ اور نار خود شجر سے پیدا ہوئی ہے۔ جو طین سے چوتھے درجے پر ہے۔ فافہم) +

غرض خلافت و نبوت اسی روح پر موقوف ہے۔ اور اصل خلیفہ و نبی وہ روح ہے۔ نہ کہ صورت بشری اور یہ مرتبہ کمال باطنی پر موقوف ہے۔ نہ صورت ظاہری پر۔ بلکہ کمال ہر شے کا اس کی باطنی قوت پر مبنی ہے۔ نہ صورت ظاہری جسمانی پر (کما لا یخفی علے المتامل المتادب)۔ بہرحال شیطان نبوت کو نہ سمجھنے اور قیاس فاسد کرنے اپنی غلطی و نافہمی اور اس مرتبۂ عالیہ متعالیہ پر استکبار حسد کرنے سے راندۂ درگاہ الٰہی ہوا۔ اور ہمیشہ کے لئے آدمؑ و اولاد آدمؑ کا دشمن ہوگیا۔ اور اوّل بنائے فساد و نفاق وشقاق و خلاف و عناد مسئلہ خلافت ہی ہے۔ کیونکہ ایک منصب جلیل مقام جانشینی واتصاف اوصاف رب العالمین ہے۔ کم ظرف لابد آتش حسد میں جلتے ہیں۔ اور اس کو خنک چشم اور ٹھنڈے دل سے سن اور دیکھ نہیں سکتے +

دوم اختلاف و فساد و خلافت و ولیعہدی جناب ہابیلؑ سے پڑا۔ جب حضرت آدمؑ نے بحکم پروردگار عالم حضرت ہابیلؑ کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کیا۔ نار حسد قابیل کے سینے میں ملتہب ہوئی۔ کہ میں اور ہابیل ایک ہی حیثیت و درجہ رکھتے ہیں۔ ایک ہی باپ کے دو بیٹے ہیں۔ ہابیلؑ خلیفہ و جانشین و ولیعہد ہو۔ اور میں نہ ہوں۔ حضرت آدمؑ پر اعتراض کیا۔ وحی الٰہی پہنچی۔ کہ ان دونوں کو کہو۔ کہ دونو خدا کی راہ میں قربانی (ما یتقرّبُ اِلی اللہِ) پیش کریں۔ جس کی قربانی قبول ہوجائے۔ وہی میرے بعد میرا خلیفہ ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور دونو قربانیاں لے کر باہر گئے۔ ہابیلؑ گوسفندے گئے۔ اور قابیل زراعت کی قسم سے کچھ تا نہ غلہ جات وغیرہ لے گیا۔ آسمان سے آگ اُتری۔ اور گوسفند کو جلاگئی۔ ہابیلؑ کی قربانی قبول ہوئی۔ اور قابیل کی نہ ہوئی۔ قابیل نے وہیں ایک مکان بنایا۔ اور آتش پرستی شروع کردی۔ کہ جب تک میری قربانی قبول نہ ہوگی۔ یہاں سے نہ ہٹونگا۔ اور اسی آتش کدہ میں رہنے لگا۔ شیطان نے آکر اس کو سرزنش کی اور بہکایا کہ یہ تیرے لئے سخت ذلت ہے۔ اور یہ ننگ و عار ہمیشہ ہمیشہ تیری اولاد و احفاد و اعقاب میں باقی رہیگی۔ اور اولاد ہابیلؑ ہمیشہ تیری اولاد پر فخر کیا کریگی۔ تو ہابیلؑ کو قتل

کر دے۔ تاکہ یہ ننگ و عار تجھ سے دور ہو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اور سر میں پتھر مار کر حضرت ہابیلؑ کو قتل کر دیا۔ اور سینکڑوں ظلم و ستم کی بُنیاد اس دن سے قائم ہوئی۔ آتش پرستی اس وقت سے شروع ہوئی۔ قتل نفس اسی وقت سے جاری ہُوا۔ وغیرہ من الفسادات۔ قابیل نے بھی اسی قیاس فاسد اور نافہمی سے ایسا کیا۔ اور ملعون و مردود بنا۔ اس نے بھی خلافت و نبوت کا معیار صورت ظاہری کو قرار دیا۔ جس میں ہابیلؑ کے مساوی بنا۔ اور نہ سمجھا۔ کہ خلافت و نبوت کمال باطنی پر ہے۔ نہ ظاہری پر +

اسی طرح اکثر انبیاء علیہم السلام کی وصایت و خلافت کے موقع پر اُن کی امتوں میں اختلاف پیدا ہُوا۔ جس کی تفصیل کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ حکومت و ریاست اکثر باعث حسد ہوتی ہے +

سوم سب سے بڑا اختلاف خلافت خاتم النبیینؐ پر پیدا ہُوا۔ اور اسی سے اسلام تباہ ہُوا۔ اور یہاں بھی مادۂ حسد و بغض نشو و نما پا کر عالی شان درخت بن گیا۔ بنی ہاشم کے ساتھ ان کے مخالفین بنی امیہ وغیرہ کا باہمی عناد رونما ہُوا۔ اور یہ کہا جانے لگا۔ کہ نبوت بھی بنی ہاشم میں اور خلافت بھی۔ دو نو ہرگز جمع نہیں ہو سکتیں۔ قیاس سے کام لیا گیا۔ اوصاف باطنیہ کا لحاظ نہ کیا گیا۔ حکم خدا اور حکم رسولؐ کو مدِنظر نہ رکھا گیا۔ کہ خدا نے فرمایا ہے۔ کہ خدا جو چاہتا ہے۔ خلق کرتا ہے۔ اور جس کو جس کام کے لئے چاہتا ہے اختیار فرماتا ہے۔ لوگوں کو ان امور استخلاف وغیرہ میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اور پیغمبرؐ نے اوّل روز بعثت اعلان کر دیا تھا۔ کہ اے علیؑ تو ہی میرے بعد میرا خلیفہ و میرا بھائی اور کمشنر ہے۔ (کما اثبتناہ سابقاً)۔ اور پھر جنگ تبوک کے موقع پر فعلی خلافت کا ثبوت دیا۔ اور مدینہ میں اپنا جانشین کر گئے "انت منّی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ" فرمایا۔ اور اکثر اس کا اظہار فرماتے رہے۔ حجۃ الوداع میں اپنی ولایت مطلقہ کا علیؑ کے لئے اعلان فرمایا۔ کہ خلافت ظاہریہ اس کے ماتحت اور اس کی جزئیات میں داخل ہے۔ مگر تمام امور اور حضرت امیرؑ کے اوصاف ذاتیہ دلائل وجودیہ سب کو پس پشت ڈال کر خلافت کو خواہشات کا نشانہ بنایا۔ اور "منّا امیرٌ و منکم امیرٌ" کا راگ شروع ہو گیا۔ بقول بعض مدبرین حال مسئلۂ خلافت میں ایسی کشمکش پیدا ہوئی۔ کہ اگر میں ہوتا۔ تو میں بھی دعوئے خلافت کرتا۔ چنانچہ واقعات و اختلافات حقیقیہ سے صاف ظاہر ہے۔ اور بناء اس اختلاف و کشمکش کی وہی ہے۔ جو پہلے اور دوسرے اختلاف کے موقع پر ہم ثابت کر آئے ہیں۔ اور اسی کی طرف خدا اشارہ فرماتا ہے "اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ" الخ۔ اور یہ ناس

محسودون و مستحقین خلافت الٰہیہ وارث صفات نبوی و مظہر کمالات ایزدی ہیں۔ امام ابوالحسن مغازلی نے روایت کی ہے۔ کہ اس سے مراد اہل بیت نبوت و رسالت ہیں۔ جن سے لوگ حسد کرتے ہیں۔ (دیکھو صواعق محرقہ)*

جناب امیرؑ و مسئلہ بیعت

مسئلہ بیعت و استخلاف بقول حضرت خلیفہ ثانی فلتۃً طے ہو گیا۔ اور اول حضرت ثانی ہی نے بیعت کی۔ بعد ان کے قیس نے ہاتھ بڑھا دیا۔ اس کے بعد اور شخصوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ بعد ازاں لوگوں کی تفتیش کی گئی۔ اور بہ لطائف الحیل و تدابیر سیاسی و پالیٹکس و پالیسی اور بعض موقعوں پر تشدد سے ان کو بیعت پر آمادہ کیا گیا اور بعض کو مجبور کیا گیا۔ اور سب سے زیادہ تشدد بنی ہاشم خصوصاً جناب امیر علیؑ ابن ابی طالبؑ پر کیا گیا چنانچہ حضرت امیرؑ خلیفہ صاحب کے پاس لائے گئے۔ درانحالیکہ آپؑ فرماتے تھے "انا عبد اللہ واخو رسول اللہ" (میں بندۂ خدا و برادر رسول ہوں) حضرتؑ سے بیعت کے واسطے کہا گیا۔ آپؑ نے فرمایا۔ "انا احق بھذا الامر منکم لا ابایعکم وانتم اولی بالبیعۃ لی" میں اس امر خلافت کا تم سے زیادہ حقدار ہوں۔ میں تمہاری بیعت نہ کرونگا۔ تم زیادہ سزاوار ہو۔ کہ میری بیعت کرو۔ تم نے انصار سے قرابت رسولؐ کی حجت پیش کر کے خلافت کو لیا۔ اور ہم اہلبیتؑ سے غصب کرتے ہو۔ اور بلا حجت و دلیل بیعت کرانی چاہتے ہو۔ کیا تم نے انصار سے یہ نہیں کہا تھا۔ کہ تم خلافت کے اس لئے زیادہ مستحق ہو کہ رسولؐ تم میں سے تھا۔ اور اس بناء پر انہوں نے تمہاری اطاعت قبول کر لی۔ پس جب میں تمہارے اوپر وہی حجت لاؤں۔ اور کہوں کہ ہم رسولؐ کے حق کے زیادہ مستحق اور اولیٰ تر ہیں۔ اور اقرب الخلق الی رسول اللہ ہیں۔ تو تم ہمارے ساتھ انصاف کرو۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ ورنہ تو تم اس ظلم کے وبال میں دیدہ و دانستہ گرفتار ہو۔ خلیفہ ثانی نے فرمایا۔ تم کو ہرگز بلا بیعت کئے چھوڑا نہ جائیگا۔ فرمایا۔ تم ایسا کام کرو جس کا حصہ تمہیں ملے۔ اور آج ان خلیفہ اول کے لئے اس کو مضبوط و مستحکم کرو۔ تاکہ کل ان کے بعد تمہاری طرف لوٹے۔ پھر فرمایا۔ میں ہرگز تمہاری بات قبول نہ کرونگا۔ اور بیعت نہ کرونگا۔ حضرت صدیق نے فرمایا۔ اگر تم بیعت نہیں کرتے۔ تو میں مجبور نہیں کرتا ہوں۔ پھر ابو عبیدہ ابن الجراح کی تقریر کے جواب میں حضرتؑ نے فرمایا۔ اے گروہ مہاجرین خدا کو یاد کرو اور سلطنت محمدیؐ کو اس کے گھر سے نکال کر اپنے گھروں میں نہ لیجاؤ۔ اور اس کے اہل کو اس کے مقام سے دور نہ کرو۔ خدا کی قسم اے گروہ مہاجرین ہم سب لوگوں سے اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ ہم ہی اہلبیت نبوت ہیں۔ اور ہم ہی اس کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ جب تک ہم میں قاری قرآن۔ فقیہ دین خدا۔ عالم سنن رسول اللہ امر رعیت انتظام پر قادر

اور ان سے امور شنیعہ کو دفع کرنے والا اور سب میں بالسویہ تقسیم کرنیوالا موجود ہے۔ "فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ فَتُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَتَزْدَادُوا مِنَ الْحَقِّ بُعْدًا" خواہش نفس و ہوا و ہوس کی پیروی نہ کرو۔ ورنہ راہ خدا سے بھٹک جاؤ گے۔ اور حق سے بہت دور ہو جاؤ گے۔

پھر حضرت خلیفہ ثانی جناب امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کے گھر آئے۔ جبکہ بنی ہاشم وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کو پکارا۔ وہ باہر نہ نکلے۔ خلیفہ صاحب نے لکڑیاں منگائیں۔ اور پکار کر فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ باہر نکلو۔ ورنہ گھر کو آگ لگا دونگا۔ اور مع اہل خانہ گھر کو پھونک دونگا۔ ان کے ساتھیوں نے کہا۔ اے ابو حفص اس میں تو فاطمہؑ ہے۔ کہا۔ اگرچہ وہ بھی ہو (کچھ پروا نہیں) پس وہ لوگ نکل آئے۔ اور سوائے حضرت علیؑ کے سب نے بیعت کرلی۔ اور فرمایا۔ میں نے حلف کیا ہے۔ کہ جب تک قرآن جمع نہ کرلوں۔ کندھے پر چادر نہ ڈالونگا۔ اور باہر نہ نکلونگا۔ پس حضرت فاطمۃ الزہرا دختر رسولؐ دروازے پر تشریف لائیں۔ اور فرمانے لگیں۔ میں ان لوگوں سے کبھی نہ ملونگی جو اس بری طرح سے یہاں آئے۔ تم نے رسول خداؐ کا جنازہ پڑا چھوڑ دیا۔ اور اپنا معاملہ طے کرلیا۔ نہ ہم سے مشورہ لیتے ہو۔ اور نہ ہمارا حق واپس دیتے ہو۔ بعد ازاں خلیفہ صاحب حضرت صدیق کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔ کیوں اس شخص کو پکڑ کر بیعت نہیں لیتے ہو۔ اُنہوں نے اپنے غلام قنفذ کو حضرت علیؑ کے پاس بھیجا۔ کہ میرے پاس بلا لاؤ۔ جب وہ آیا۔ تو حضرتؑ نے کہا۔ تیرا کیا مطلب ہے۔ کہا۔ تمکو خلیفہ رسول بلاتے ہیں فرمایا۔ "لَسَرِيعٌ مَا كَذَبْتُمْ عَلَىٰ رَسُولِ اللَّهِ" تم نے بہت جلد رسول اللہؐ پر جھوٹ بولا۔ اس نے واپس جاکر یہی پیغام حضرت علیؑ کا پہنچا دیا۔ صدیق یہ سُن کر بہت دیر تک روتے رہے۔ اور حضرت فاروق نے پھر ان سے بیعت لینے پر اصرار کیا۔ اُنہوں نے پھر قنفذ کو حضرت علیؑ کے پاس بھیجا۔ اور فرمایا کہ ان سے کہو امیر المومنین آپ کو بلاتے ہیں۔ حضرتؑ نے اس کا یہ پیغام سُن کر باواز بلند فرمایا۔ "سُبْحَانَ اللَّهِ لَقَدِ ادَّعَىٰ مَا لَيْسَ لَهُ" سُبحان اللہ اس چیز کا ادعا کیا۔ جو اس کے لئے سزاوار نہیں ہے۔ غلام نے یہ پیغام بھی حضرت صدیق کو پہنچایا۔ اور وہ سُن کر پھر مثل سابق رونے لگے۔ پھر خلیفہ ثانی چند شخصوں کو ہمراہ لیکر دروازۂ فاطمہؑ پر آئے۔ دق الباب کیا۔ جب دختر رسولؐ نے ان کی آواز سُنی۔ باواز بلند چلائیں "يَا أَبَتِ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَاذَا لَقِينَا بَعْدَكَ مِنِ ابْنِ الْخَطَّابِ وَابْنِ أَبِي قُحَافَةَ" اے پدر بزرگوار ہم نے آپ کے بعد ابن الخطاب اور ابن ابی قحافہ سے یہ ظلم و ستم دیکھے۔ یہ آواز سُن کر تمام لوگ روتے ہوئے واپس ہو گئے۔ اور خلیفہ ثانی اور ان کے ساتھ ان کے ہم خیال چند لوگ باقی رہ گئے۔

اُنھوں نے حضرت علیؑ کو باہر نکالا۔ اور خلیفہ صاحب کے پاس لے گئے۔ اور کہا گیا۔ کہ یا تو بیعت کرو۔ ورنہ گردن ماردی جائیگی۔ فرمایا۔ تو پھر ایک بندۂ خدا اور برادر رسولؐ کو قتل کرد گے۔ کہا۔ بندۂ خدا ہونا تو قبول مگر برادر رسولؐ ہونا تسلیم نہیں۔ خلیفہ اوّل خاموش تھے۔ اور خلیفہ ثانی صاحب نے فرمایا۔ تم کیوں ان کے باب میں اپنا حکم نہیں دیتے۔ اُنھوں نے کہا جب تک فاطمہؑ ان کے گھر میں ہے میں ان کو مجبور نہیں کرنا۔ حضرت علیؑ قبر رسول اللہؐ پر تشریف لے گئے۔ اور قبر سے لپٹ کر رونے لگے۔ اور فرماتے تھے "یَابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ" لوگوں نے مجھے ضعیف پایا اور مظلوم بنایا۔ اور قریب تھا کہ مجھے قتل کردیں۔ (لفظ "اِسْتَضْعَفُوْنِیْ" کو صاحبان بصیرت یاد رکھیں اور پھر اس وعدۂ الہیٰ پر غور فرمائیں۔ جو خدا مستضعفین و مظلومین کے واسطے فرماتا ہے "وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ فَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِیْنَ الخ" یہ وعدہ خاص علیؑ اور اولاد علیؑ ہی کے واسطے ہے جنھوں نے ظلم و ستم پر صبر کیا۔ اور یہ مصائب اُٹھائے۔ جیساکہ ہم ثابت کرچکے ہیں) +

اِس واقعہ کے بعد خلیفہ ثانی صاحب نے اوّل سے فرمایا۔ کہ آؤ فاطمہؑ کے پاس چلیں۔ اور اُن کو راضی کریں۔ کیونکہ ہم نے ان کو ناراض و غضب ناک کیا ہے۔ دروازۂ فاطمہؑ پر تشریف لے گئے۔ دق الباب کیا اور اجازت چاہی۔ جناب فاطمہؑ نے اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ دونو حضرت علیؑ کے پاس آئے۔ اور ان سے گفتگو کی۔ اور حضرتؑ اندر لے گئے۔ جناب فاطمہؑ کو سلام کیا۔ تو اُنھوں نے جواب سلام نہ دیا جب پاس بیٹھے۔ تو اُنھوں نے اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا۔ خلیفہ صاحب نے گفتگو شروع کی۔ اور محبت آمیز کلمات فرمانے لگے۔ کہ میں تو تمھیں اپنی بیٹی سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ اور میں تمھارے حق اور تمھاری شرافت و فضیلت کو پہچانتا ہوں۔ اور یہ بھی پہچانتا ہوں۔ کہ میراث رسولؐ کی تم وارث ہو۔ مگر میں نے تو اس لئے یہ لے لیا۔ کہ میں نے یہ سُنا تھا۔ کہ حضرتؐ نے فرمایا ہے۔ کہ ہم ورثہ نہیں چھوڑتے۔ اور جو چھوڑتے ہیں۔ وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا میں رسول اللہؐ کی ایک حدیث تمکو سناؤں جس کو تم جانتے ہو۔ پس تم اس پر عمل کروگے اور تصدیق کروگے؟ دونو صاحبوں نے فرمایا۔ ہاں ہم تصدیق کرینگے۔ فرمایا۔ میں تم کو قسم دیکر پوچھتی ہوں۔ کہ کیا تم نے رسول خداؐ سے یہ نہیں سُنا۔ کہ وہ فرماتے تھے "رِضَا فَاطِمَةَ مِنْ رِضَائِیْ وَسُخْطُ فَاطِمَةَ مِنْ سُخْطِیْ فَمَنْ اَحَبَّ فَاطِمَةَ ابْنَتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَرْضٰی فَاطِمَةَ فَقَدْ اَرْضَانِیْ وَمَنْ اَسْخَطَ فَاطِمَةَ فَقَدْ اَسْخَطَنِیْ" رضائے فاطمہؑ میری رضا سے ہے۔ اور غضب و عتاب فاطمہؑ میرا غضب و عتاب۔ پس جس نے میری بیٹی فاطمہؑ کو دوست رکھا۔ اُس نے

مجھ کو دوست رکھا۔ اور جس نے اس کو خوش کیا۔ اُس نے مجھ کو خوش کیا۔ اور جس نے اس کو ناراض و غضبناک کیا۔ اس نے مجھ کو ناراض و غضب ناک کیا۔ دونو صاحبوں نے فرمایا۔ ہاں ہم نے اس کو رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے۔ تب فرمایا۔ "فَاِنِّیْ اُشْھِدُ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ اَنَّکُمَا اَسْخَطْتُمَانِیْ وَمَا اَرْضَیْتُمَانِیْ وَلَئِنْ لَقِیْتُ النَّبِیَّ لَاَشْکُوَنَّکُمَا اِلَیْہِ"۔ میں خدا اور اُس کے ملائکہ کو گواہ گردانتی ہوں۔ کہ ضرور تم دونو نے مجھ کو ناراض و غضبناک کیا ہے۔ اور ہرگز مجھے خوش نہیں کیا۔ اور اگر میں رسول خدا صلعم سے ملونگی۔ تو ضرور اُن سے تمہاری شکایت کرونگی۔ خلیفہ صاحب نے فرمایا۔ اے فاطمہ ع میں تمہارے اور رسول صلعم کے عتاب و غضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور پھر اسی طرح رونے لگے۔ قریب تھا۔ کہ دم گھُٹ جائے۔ اور جناب فاطمہ ع یہ کہے جاتی تھیں۔ "وَاللّٰہِ لَاَدْعُوَنَّ اللّٰہَ عَلَیْکَ فِیْ کُلِّ صَلٰوۃٍ اُصَلِّیْھَا"۔ خدا کی قسم ہر ایک نماز میں جو میں پڑھونگی۔ اُس میں تمہارے لئے بددعا کرونگی۔ خلیفہ صاحب روتے ہوئے باہر نکل گئے۔ لوگ گرد جمع ہو گئے۔ اور آپ نے فرمایا۔ تم تو اپنی اپنی بیویوں کو بغل میں لیکر آرام سے سوتے ہو۔ اور مجھ کو اس مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ رکھو اپنی بیعت کو مجھے ضرورت نہیں۔ مجھے اس سے معاف رکھو۔ الخ +

وعن المسور بن المخرمہ "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ فَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِّنِّیْ فَمَنْ اَغْضَبَھَا اَغْضَبَنِیْ" رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ بس جس نے اس کو ناراض و غضبناک کیا۔ اس نے مجھ کو ناراض و غضبناک کیا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۵۲۶)۔ ایضاً "وَفَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِّنِّیْ یَقْبِضُنِیْ مَا یَقْبِضُھَا وَیَبْسُطُنِیْ مَا یَبْسُطُھَا وَاِنَّ الْاَنْسَابَ تَنْقَطِعُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا نَسَبِیْ وَسَبَبِیْ وَصِھْرِیْ"۔ فاطمہ ع میرے دل کا ٹکڑا ہے منقبض و رنجیدہ کرتی ہے مجھ کو وہ چیز جو اس کو رنجیدہ کرتی ہے۔ اور خوش اور منبسط کرتی ہے مجھ کو وہ چیز جو اس کو خوش کرتی ہے۔ اور روز قیامت میرے سبب و نسب و دامادی کے سوا باقی کسب نسب منقطع ہو جائینگے۔ یہی احمد بن حنبل و حاکم نے روایت کیا ہے۔ مگر اس میں لفظ "یقبضھا" کی جگہ "یغضبھا" ہے۔ اور معنی قریب قریب ایک ہی ہیں۔ ابو سعد نے شرف النبوۃ اور ابن المثنیٰ نے معجم میں روایت کی ہے۔ کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا۔ "یَا فَاطِمَۃُ اِنَّ اللّٰہَ یَغْضَبُ لِغَضَبِکِ وَیَرْضٰی لِرِضَاکِ"۔ اے فاطمہ اللہ تیرے غصے و غضب سے غضبناک ہوتا ہے۔ اور خوشنودی و رضا سے خوش۔ اور دیلمی نے ابو سعید خدری رض سے روایت کی ہے۔ کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا۔ "اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی مَنْ اٰذَانِیْ فِیْ عِتْرَتِیْ"۔ سخت ہے غضب خدا کا اس شخص پر جو میری عترت کے باب میں مجھے اذیت دے۔ اذیت عترت رسول ع اذیت رسول ع ہے۔ اور ابو داؤد و احمد بن حنبل۔ شیخین

(مسلم و بخاری)۔ ترمذی مسور بن مخرمہ سے یہ بھی روایت کرتے ہیں۔ کہ آپؐ نے فرمایا۔ فاطمہؑ میر ٹکڑا ہے۔ جو چیز اس کو بری معلوم ہوتی ہے۔ وہ مجھکو بری معلوم ہوتی ہے۔ اور جو اس کو اذیت دیتی ہے۔ وہ مجھکو اذیت دیتی ہے۔ اور قریب قریب یہی مضمون احمد بن حنبل۔ ترمذی اور حاکم نے ابن زبیر سے روایت کیا ہے۔ اور صحیح بخاری میں صفحہ ۳۵ پر جناب عائشہ سے بحوالہ عروہ بن الزبیر مروی ہے۔ کہ آپ نے خبر دی۔ کہ فاطمہؑ نے اپنے باپؐ کی وفات کے بعد ابوبکر سے سوال کیا۔ کہ میری وہ میراث تقسیم کرو۔ جو کہ رسول اللہؐ اس مال سے چھوڑ گئے ہیں۔ جو خدا نے خاص اپنے رسولؐ کو عطا کیا تھا۔ ابوبکر نے فاطمہؑ سے کہا۔ کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے۔ کہ ہم ورثہ نہیں چھوڑتے۔ جو چھوڑتے ہیں۔ وہ صدقہ ہوتا ہے۔ پس فاطمہؑ ابوبکر پر غصے و غضبناک ہوئیں۔ اور ان سے ملنا بالکل ترک کر دیا۔ اور مرتے دم تک ان سے نہ بولیں۔ اور بعد رسولؐ وہ صرف چھ مہینے زندہ رہیں۔ اور فاطمہؑ ابوبکر سے اپنا وہ حصہ چاہتی تھیں جو رسول اللہؐ نے خیبر و فدک و صدقات مدینہ سے چھوڑا تھا۔ یعنی وہ ملکِ رسولؐ جو بعد رسول صدقہ قرار دی گئی۔ ابوبکر نے اس سے انکار کیا۔ اور کہا۔ میں اس میں سے کچھ ترک نہ کروں گا۔ جو رسول اللہؐ کرتے تھے۔ کہ مبادا میں راہ سے پھر جاؤں۔ لیکن ملکِ رسولؐ۔ پس وہ عمر نے علی و عباس کو دیدی۔ اور خیبر و فدک کو روک رکھا۔ اور کہا۔ یہ صدقہ رسولؐ ہے۔ جو ان کے مخصوص حقوق و ضروریات و حاجات کے لئے تھا۔ اور وہ اس کا حق ہے۔ جو ان کے بعد ولی الامر ہو۔ میراث اور صدقہ کا جواب جناب فاطمہؑ دے چکیں۔ فتدبر فیہ (والمباحث فی محل آخر)۔

یہ واقعات کم و بیش تمام کتب تواریخ و سیر ابو الفدا۔ روضۃ الصفا۔ اعثم کوفی۔ روضۃ الاحباب۔ تاریخ خمیس وغیرہا و کتب احادیث میں موجود ہیں۔ لیکن چونکہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ مصنفہ امام ابی محمد عبد اللہ بن مسلم المعروف بابن قتیبہ "تمام تواریخ کا ماحصل و خلاصہ ہے۔ اور سب میں سے قدیم تصنیف کو انہوں نے لیا ہے۔ اور ان کی وفات ۲۷۰ھ میں ہوئی ہے۔ گویا اب سے تقریباً ساڑھے نو سو برس پیشتر کی لکھی ہوئی ہے۔ اور نہایت معتبر و مستند کتب اہلسنت والجماعت سے ہے۔ اس لئے ہم نے اسی کے الفاظ کو لیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵۔ اور کتب احادیث سے بیان تاریخی اقوال محمد ابن اسمٰعیل بخاری کے لئے ہیں۔ تاکہ موقع انکار باقی نہ رہے۔ اور یہ دونوں کچھ معاصر ہی ہیں۔ کیونکہ محمد بن اسمٰعیل بخاری کی وفات ۲۵۶ھ میں ہے۔

لہٰذا باسناد ائمہ مصنفین و مورخین و تصدیق جناب فاطمہؑ دختر رسولؐ سیدۃ النساء العالمین اور بتائید جناب شیخین رضائے فاطمہؑ رضائے رسولؐ ہے۔ اور غضب و سخط فاطمہؑ غضب رسولؐ۔

اور اذیت فاطمہؑ اذیت رسولؐ ہے۔ اور مسلم ہے۔ کہ غضب رسولؐ غضب و سخط الٰہی ہے۔ پس جس نے فاطمہؑ کو ناراض و غضب ناک کیا۔ اس نے رسولؐ کو ناراض و غضب ناک کیا۔ اور جس نے رسولؐ کو غضبناک کیا۔ اُس نے خدا کو غضبناک کیا۔ بلکہ احادیث مذکورہ میں تصریح موجود ہے۔ کہ خدا غضب فاطمہؑ سے غضب ناک ہوتا ہے۔ "وھو یقول و من یحلل علیہ غضبی فقد ھوی" جس پر غضب الٰہی نازل ہوا پس وہ ہلاک ہو گیا اور جاتا رہا۔ "فنقول اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین"۔ خداوندا ہم سب کو صراط مستقیم پر چلا۔ وہ صراط مستقیم جو اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ نہ اُن لوگوں کی راہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا ہے۔ اور نہ اُن کی راہ جو گمراہ اور صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں آمین رب العالمین ثم آمین اللہ العلمین) +

اس سے یہ بھی بخوبی ثابت ہے۔ کہ حضرت علیؑ نے اس بیعت کو کبھی اپنی رضامندی ظاہر نہیں کی۔ اور نہ اس میں شریک ہوئے۔ "فلم یبایعھم رغبۃ ابدا ولم یوتھم الرضا"۔ ہاں مجبوراً حفظ بیضۂ اسلام کی غرض سے خلفاء سے صلح رکھنا بہرحال انسب و اولےٰ تھا۔ اور ایسا ہی کیا۔ مگر احتجاج علمی برابر کرتے رہے۔ اکثر و بیشتر خطبات میں اس کا ذکر فرماتے ہے۔ چنانچہ اپنے مشہور و معروف خطبہ شقشقیہ میں فرماتے ہیں۔ "اما واللہ لقد تقمصھا فلان وانہ لیعلم ان محلی منھا محل القطب من الرحی الخ"۔ خبردار! قسم بخدا فلاں شخص نے خلافت کو تصنع و تکلف سے اپنے لئے اختیار کیا اور خلعت خلافت کو پہنا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ قطب آسیائے خلافت میں ہوں علم و کمال کا سیلاب میرے وجود سے جاری ہوتا ہے اور طائر وہم و خیال میرے کنگرۂ مراتب و مناصب تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب وہ شخص مسند خلافت پر بیٹھ گیا۔ تو میں نے اپنے معاملہ میں غور و فکر کی۔ کہ آیا ایسی حالت میں جہاد کرنا بہتر ہے۔ یا اس مصیبت تیرہ و تار اور اس ظلمت و بلا پر صبر۔ پس میں نے صبر کو اختیار کیا۔ درانحالیکہ دل میں غصہ اور چشم غبار آلود تھی۔ "وفی الحلق شجا"۔ اور میں دیکھ رہا تھا کہ میری میراث لٹ رہی اور کس سنت کی جا رہی ہے۔ الخ جملہ محققین اسلام متفق ہیں۔ کہ یہ خطبہ اسی جناب کا ہے۔ اور تمام شراح کتاب نہج البلاغہ نے اس کی شرح میں یہی لکھا ہے۔ کہ اس سے خلافت خلیفہ اوّل کی طرف حضرتؑ اشارہ فرما رہے ہیں۔ چنانچہ شیخ محمد عبدہ مفتی جامع الازہر مصر کے لفظ یہ ہیں۔ "الضمیر یرجع الی الخلافۃ و فلان

کِنَایَۃٌ عَنِ الْخَلِیْفَۃِ الْاَوَّلِ اَبِیْ بَکْرٍ" یعنی ابتداءِ خطبہ میں "تَقَمَّصَھَا" کی ضمیر خلافت کی طرف راجع ہے۔ اور فلاں حضرت خلیفہ اوّل سے کنایہ ہے۔ اِس سے زیادہ اور توضیح و تشریح اس امر کی کیا ہو سکتی ہے۔ کہ حضرتؑ اس بیعت میں شریک نہ تھے۔ اور کبھی اپنی رضامندی ظاہر نہیں کی۔ اور کبھی بیعت نہیں کی۔ ہاں اگر صلح اور مداہنت کو بیعت کہا جائے۔ تو ہمیں انکار نہیں۔ ضرور صلح رکھی۔ اور صبر کیا جیسا کہ خود فرماتے ہیں۔ اور صبر ہی شناخت امامت ہے۔ حضرتؑ نے ان فقرات سے کہ سیلاب علم و کمال میرے وجود سے جاری ہوتا ہے اسی معیار خلافت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کو ہم نے ثابت کیا ہے۔ اور مطلب حضرتؑ کا یہی ہے۔ کہ قطب رحائے خلافت میں ہوں۔ کیونکہ صاحب علم و کمال ہوں جو معیار خلافت ہے۔ اور فلاں شخص اس کو جانتا ہے۔ اور جان کر ایسا کیا ہے۔ اور دوسرا فقرہ "طائر وہم و خیال میرے کنگرۂ مراتب تک نہیں پہنچ سکتا" اس کی تفصیل ہے۔ کہ صاحب اوصاف و کمالات و مظہر صفات الٰہی و وارث صفات محمدیؐ میں ہوں جن کو کوئی ادراک نہیں کر سکتا۔ اسی قسم کے اور بہت سے خطبات ہیں صبر اور عدم جہاد کی علت کی طرف بھی حضرتؑ نے اشارہ فرمایا ہے تفصیل آئندہ آئیگی +

حضرات شیخین رضؓ کا تاسّف

بیعت کے اس طرح ناگہانی اور اچانک اور بے سوچے سمجھے واقع ہو جانے کا آخر میں ان حضرات کو بھی افسوس ہوا۔ اور انجام سوچ کر اس پر شرمندہ ہوئے۔ اور حضرت خلیفہ ثانی نے تو صاف فرمایا کہ یہ بیعت فلتۃً واقع ہو گئی تھی۔ آئندہ ایسا ہوا۔ تو گردن مار دونگا (ملاحظہ ہو کتاب علامہ ابن قتیبہ موصوف)۔ اور حضرت خلیفہ اوّل نے چند مرتبہ اقالہ بیعت کی خواہش ظاہر کی اور اس سے دست برداری چاہی۔ چنانچہ گذرا۔ اور آخر وقت یعنی مرض الموت میں جب آپ ان امور کو یاد کر کے متاسف ہونے لگے ہیں۔ تو عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا۔ ان باتوں کو چھوڑیئے۔ ان کے صدمے کو کم کیجئے۔ کیونکہ ایسے خیالات سے مرض میں زیادتی ہوگی آپ برابر نیک کام کرتے رہے ہیں۔ اور میں خیال کرتا ہوں۔ کہ آپ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر متاسف ہوں اور کوئی ایسا عمل آپ سے فوت نہیں ہوا۔ فرمایا۔ ہاں خدا کی قسم مجھے افسوس نہیں کرتا مگر تین باتوں پر جو میں نے کی ہیں۔ کاش کہ میں انہیں نہ کرتا۔ اور تین باتوں کے ترک کرنے پر کاش کہ میں انہیں کر لیتا۔ اور تین باتیں کاش کہ میں نجدؐ سے ان کے باب میں دریافت کر لیتا پس تین باتیں وہ جو میں نے کی ہیں۔ اور چاہیئے تھا کہ میں انہیں نہ کرتا۔ وہ یہ ہیں۔ کاش کہ میں خانۂ علیؑ کو چھوڑ دیتا۔ اگرچہ جنگ کا اعلان ہی کیوں نہ کر دیتے۔ دوسرے یہ کہ کاش یوم سقیفہ بنی ساعدہ ابوعبیدہ یا عمر کے ہاتھ پر بیعت کرتا۔ وہ امیر ہوتا اور میں وزیر ہوتا۔ اور خلافت اختیار نہ کرتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ کاش کہ جب فجاءۃ السلمی اسیر ہو کر لائے گئے۔ تو میں انہیں یا تو قتل کر دیتا

یا چھوڑ دیتا۔ اور خلاف قانون اسلام آگ میں نہ جلواتا۔ اور وہ تین باتیں جو نہیں کیں اور کاش میں اُنہیں کرلیتا۔ یہ ہیں اوّل جب اشعث بن قیس اسیر کرکے لایا گیا تھا۔ تو اس کو قتل کردیتا اور زندہ نہ چھوڑتا۔ دوّم وسوّم جب میں نے خالد بن الولید کو شام کی طرف بھیجا تھا۔ عمر ابن الخطاب کو عراق پر بھیج دیتا۔ اور وہ تین چیزیں جن کو میں رسول اللہؐ سے پوچھ لیتا یہ ہیں۔ کاش اوّل میں دریافت کرلیتا۔ کہ آپ کے بعد خلافت کس کا حق ہے۔ تاکہ کسی کو اس میں جھگڑنے کا موقع نہ رہتا۔ دوّم دریافت کرلیتا۔ کہ آیا انصار کا بھی اس میں کچھ حق ہے؟ سوّم یہ کہ بھتیجی اور پھوپھی کی میراث کی بابت دریافت کرلیتا۔ کیونکہ میرے دل میں ان کی بابت ابھی تک شک ہے۔ انتہی ملاحظہ ہو کتاب الامامۃ والسیاسۃ (صفحہ ۱۸ و ۱۹)*

یہ حضرات بھی وقوع واقعہ خلافت کو دلیل حقیت وصداقت نہ جانتے تھے

اگر جناب خلیفہ صاحب اس واقعہ کے کیف ما کان واقع ہو جانے کو دلیل حقیقت جانتے۔ یہ شکوک و شبہات ان کے دل میں جاگزیں نہ ہوتے اور اس طرح سے ان پر تاسف نہ فرماتے۔ اور خلیفہ صاحب اس کو فعل خدا نہ جانتے تھے۔ اگر ایسا جانتے۔ تو فعل خدا پر تاسف اور عدم رضا بقضائے الٰہی کیا معنی؟ ہرگز نہیں محض کسی واقعہ کا وقوع ہو جانا اس کی حقانیت وصداقت کی دلیل نہیں ہے۔ خواہ بیعت ہو یا مصاحبت فی الغار ہو یا مصاحبت فی المقبرہ۔ چنانچہ ایسا ہی حضرت خلیفہ ثانی کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے۔ کہ آخر وقت میں جب وہ تاسف فرمانے لگے ہیں۔ اور لوگوں نے آپ کی مدح وثناء شروع کی۔ تو فرمایا۔ "اِنَّ مَنْ غَرَّ تُمُوہُ لَمَغْرُورٌ"۔ جس کو تم فریب دو اور مغرور کرو بیشک وہ مغرور وفریب خوردہ ہے۔ "وَاللّٰہِ وَدِدْتُ اَنْ اَخْرُجَ مِنْھَا کَفَافًا کَمَا دَخَلْتُ فِیْھَا" خدا کی قسم میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں۔ کہ میں اس سے ویسا ہی برابر سرابر نکل جاؤں۔ جیسا کہ داخل ہوا تھا۔ نہ مجھے اس کی جزا ملے نہ سزا۔ خدا کی قسم اگر میرے لئے تمام روئے زمین کی دولت ہوتی۔ تو آنیوالے دن کے خوف سے میں اس کو فدا کردیتا۔ لوگوں نے کہا۔ آپ پر کوئی خوف نہیں ہے۔ فرمایا۔ اگر قتل کا خوف ہے۔ تو مجھے ابولولو نے قتل کر ہی دیا۔ کہا۔ آپ کو خدا جزائے خیر دے۔ فرمایا۔ میں نہیں سمجھتا ہوں۔ کہ تم اس خلافت میں مجھ پر رشک و غبطہ کروگے۔ خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔ کہ میرا کیا انجام ہوگا۔ اور میں کس حال میں پہنچونگا۔ "وَدِدْتُ اِنِّیْ نَجَوْتُ مِنْھَا کَفَافًا لَا لِیْ وَلَا عَلَیَّ فَیَکُوْنُ خَیْرُھَا بِشَرِّھَا وَیَسْلَمُ لِیْ مَا کَانَ قَبْلَھَا مِنَ الْخَیْرِ الخ"۔ یعنی اور میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں۔ کہ میں اس خلافت سے برابر سرابر نکل جاؤں۔ اور اس کی خیر شر کا عوض ہو جائے۔ اور میرے لئے وہی خیر باقی رہ جائے۔ جو قبل خلافت حاصل تھی۔ انتہی لفظہ۔ قریباً یہی مضمون بخاری صفحہ ۵۲۴ پر مروی ہے۔ "وَدِدْتُ ذَالِکَ کَفَافًا لَا عَلَیَّ وَلَا لِیْ"۔

کیا اس اقرار اور تاسف و ندامت کے بعد کوئی عاقل دعوے کر سکتا ہے۔ کہ حضرات شیخین اس واقعہ کے نفس وقوع کو دلیل حقیت اور فعل خدا (خدا کا کام) جانتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ یہ ان پر محض افترا و بہتان ہے پس سچ ہے ع "چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی" ہر ایک کام کے کرنے سے پہلے اس کے انجام کو سوچ لے۔ دنیا کو دین پر مقدم نہ رکھے۔ ورنہ بِئْسَ النَّدَمُ حِیْنَ لَا یَنْفَعُ النَّدَمُ۔ اور انسان ہمیشہ اُس دن کو یاد رکھے "یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ وَیَقُوْلُ الْکَافِرُ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا" اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو غصے سے کاٹیگا۔ اور کافر کہیگا۔ کہ اے کاش آج کے دن میں خاک ہو جاتا۔ اور یہ ندامت نہ دیکھتا۔ "اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَنَجِّنَا مِنْ ھَوْلِ الْمُطَّلَعِ"۔ (دیکھو حصہ دوم)

مداہنت و مصالحت انبیاء و ائمہ علیہم السلام

صاحبان عقل پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ حضرت آدمؑ سے لیکر تا حضرت خاتمؐ سوائے بعض مثل حضرت سلیمانؑ سب کے سب انبیاؑء و اوصیاؑء حکومت ظاہری سے بظاہر محروم رہے ہیں۔ اور امت کے مقابل مغلوب و مظلوم۔ بعد حضرت آدمؑ تا حضرت نوحؑ چالیس نبی گذرے ہیں۔ وہ سب کے سب بالکل پوشیدہ رہے اور خفیہ جزیروں میں عبادت کرتے تھے۔ خود حضرت نوحؑ نوسو برس قوم کے ظلم و ستم سہتے رہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اگرچہ جہاد قولی و فعلی کیا۔ بت توڑے اور مقابلہ کیا۔ مگر پھر بھی سلطنت و غلبہ ظاہری مخالفین کو ہی تھا اور حضرتؑ نے ان کے ہاتھ سے تکالیف اُٹھائیں۔ اسی طرح حضرت شعیبؑ۔ حضرت صالحؑ۔ حضرت ہودؑ قوم کی اذیتیں اُٹھاتے رہے۔ حضرت موسےؑ نے بہت سی مشقتیں و اذیتیں برداشت کیں۔ حضرت یحییٰ حضرت زکریاؑ قتل کئے گئے۔ حضرت عیسےؑ نے بے انتہا رنج و الم اُٹھائے۔ کیا ان بزرگواروں کا صبر و سکوت انکی نبوت کا نافی یا ناقض یا قادح ہو سکتا ہے؟ اور کیا خدا کا مخالفین کو مہلت دینا اور ایک مدت تک مواخذہ نہ کرنا اور انتقام نہ لینا ان کی حقانیت و صداقت کی دلیل ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں کوئی عاقل اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جناب رسول خداؐ کا کفار سے صلح کرنا جو صلح حدیبیہ کے نام سے معروف ہے ان کے کہنے سے اپنے اسم مبارک سے لفظ رسول اللہ جدا اور حک کر دینا مبطل رسالت ہے اور مثبت حقیت و صداقت مشرکین و کفار قریش ہے؟ اور باوجود قدرت اور فتح مبین حاصل ہونے کے واجب القتل کفار و مشرکین کو بعد فتح مکہ کسی مصلحت سے چھوڑ دینا اور اُن کو قتل نہ کرنا باوجودیکہ جانتے تھے کہ ان میں سے بعض کیا کیا فسادات برپا کرینگے ان کی حقانیت کی دلیل ہے؟ حاشا و کلا کوئی جاہل سے جاہل بھی ایسا خیال نہیں کر سکتا۔ اس سے اُن سنن مرسلین کو چھوڑ کر خود سنت اللہ میں غور کیجئے۔ کہ باوجود علم ذاتی کہ شیطان کیا کیا کچھ کریگا مہلت دینا اور فرمانا "اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ" اور اس کا یہ کہنا "لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ" الخ مبطل

الوہیت و ربوبیت الٰہ العالمین و ربّ العالمین ہو سکتا ہے؟ اور مثبت حقیقت شیطان ہے؟ اور کیا شدّاد و نمرود و فرعون کو ایک مدت دراز تک مہلت دینا اور اپنے مقابل فرعون کو چار سو برس "انا ربکم الاعلیٰ" کہنے دینا اور فوراً اُس کو ہلاک و فنا نہ کر دینا ثبوت فرعونیت اور اس کی صداقت کی دلیل ہے؟ ہرگز نہیں کوئی متدین اس کا معتقد نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کفار و مشرکین و منافقین کو خدا کا ایک مدت تک مہلت دینا ان کے لئے دراصل مفید ہے۔ جیسا کہ خود خدا فرماتا ہے "وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ" (آل عمران ع ۱۸) کافر یہ گمان نہ کریں۔ کہ ہم جو انہیں مہلت دیتے ہیں۔ یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ سوائے اس کے نہیں ہے کہ ہم ان کو مہلت دیتے ہیں۔ تاکہ وہ گناہوں میں بڑھتے رہیں۔ اور ان کے لئے ذلیل کرنیوالا عذاب ہے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ قبل از ارتکاب جرم سزا دینا خلاف عقل ہے جب تک کہ مجرم سے جرم صادر ہی نہیں ہوا۔ سزا کس بات کی دی جائے۔ ان کو مہلت دی جاتی ہے۔ تاکہ ان کو جو کچھ کرنا ہے کر گذریں۔ اور جو کچھ ان کے بطون و کموں میں ہے ظاہر ہو جائے۔ اور کافر و غیر کافر و مومنین و منافقین متمیز ہوں۔ مثلاً اگر خدا پہلے ہی تمام کفار و مشرکین و منافقین کو فنا کر دیتا۔ تو یہ افعال ان سے کیونکر صادر ہوتے۔ اور ایمان و کفر کیسے پہچانا جاتا۔ اور مومن و منافق میں کیا تمیز ہوتی۔ اور کیونکر مومنین مستحق ثواب اور کافرین و مشرکین و منافقین مستحق عذاب ہوتے جب تک ان سے کفر و شرک و نفاق کا پورا پورا ظہور و بروز نہ ہو جائے +

حقیقت اس کی یہ ہے۔ کہ خدا حلیم مطلق و صابر مطلق و قادر مختار ہے۔ وہ ہماری طرح عجول و جلد باز نہیں ہے۔ اسے اپنے دشمن کے بھاگ جانے اور ہاتھ سے نکل جانے کا خوف نہیں ہے "وَإِنَّمَا يَسْتَعْجِلُ بِالْانْتِقَامِ مَنْ يَخَافُ الْفَوْتَ" سوائے اس کے نہیں ہے کہ انتقام میں تو وہی جلدی کرتا ہے جس کو دشمن کے فوت ہو جانے (ہاتھ سے نکل جانے) کا خوف ہے۔ وہ قادر مختار ہے۔ جب چاہے انتقام لے سکتا ہے۔ اور ہزار بار مار کر جلا سکتا ہے۔ قوم نوحؑ ساڑھے ۹۵ نو سو برس پیغمبر خدا کو اذیت دیتی رہی۔ آخر کار انجام کیا ہوا۔ بچ کر نکل گئے۔ اس مہلت سے مستحق ثواب نہ ہو گئے۔ بلکہ ذلّت کے ساتھ فنا کئے گئے۔ ایک فرد بھی باقی نہ بچا۔ اسی طرح نمرود و فرعون وغیرہما دشمنان خدا کا آخری انجام ہوا +

انبیاءؑ چونکہ خلفاء اللہ و مظاہر اوصاف الٰہی ہوتے ہیں۔ وہ بھی عجول و جلد باز نہیں ہوتے۔ بلکہ صابر و حلیم ہوتے ہیں۔ چنانچہ تمام انبیاءؑ کو خدا صابر فرماتا ہے "كُلٌّ مِنَ الصَّابِرِينَ" اور حضرت ابراہیمؑ کی بابت فرماتا ہے "إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ" اور ذریت ابراہیمؑ کے انبیاءؑ کی نسبت فرماتا ہے "وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا" ہم نے ان میں سے امام بنائے ہیں۔ جو ہمارے ہی امر سے ہدایت

کرتے ہیں۔ جبکہ انہوں نے صبر کیا۔ اور صبر ان سے ثابت ہو گیا۔ پس صبر و تحمل خاص علامت نبوت و امامت ہے۔ کیونکہ وہ عالم ہوتے ہیں۔ اور معیار نبوت و امامت و خلافت علم ہی ہے۔ اور صبر فرع علم ہے۔ اور بے صبری نتیجہ بے خبری۔ پس علم معیار نبوت و امامت و خلافت ہے۔ اور صبر شناخت و علامت نبوت و امامت و خلافت۔ چاہئے۔ کہ خلیفہ صابر حلیم مجسمۂ صبر و حلم ہو۔ اور ایسا ہی ہے۔ صبر شرط نبوت و امامت و خلافت و ولایت ہے +

خلاصہ یہ کہ انبیاؑ و ائمہؑ کے صبر و سکوت کی تین وجہیں ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ نبی و امام معلم و مربی نوع بشر مثل والد شفیق ہے۔ اور مربی کا یہ کام نہیں ہے۔ کہ جہاں کسی فرد رعیت نے سرکشی یا مخالفت کی۔ اُس کو فوراً ہلاک کر دیا۔ مار ڈالا۔ اگر ایسا کرے۔ تو وہ تربیت کس کو کریگا تعلیم کس کو دیگا تبلیغ احکام کس کو کریگا۔ اگر وہ ایسا ہے۔ تو وہ مربی نہیں ہے۔ بلکہ ایک دشمن سفاک و جبار ہے۔ پس فعل امام محض دشمنوں سے فوری انتقام لینا ہی نہیں ہے۔ بلکہ بلطائف الحیل و تدابیر مختلفہ و حکمتہائے متفاوتہ لوگوں کو ہدایت کرنا ان کی تعلیم و تربیت اور اللہ کی طرف دعوت دینا ہے۔ کما امر اللہ عز و جل ”اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ“۔ بلا اپنے پروردگار کی طرف حکمت و دانائی اور موعظہ حسنہ اور اچھی نصیحت سے اور مباحثہ کر ان سے بہترین طریق مباحثہ سے۔ چنانچہ انبیاء اللہ ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ اوّل حکمتہائے بالغہ سے دعوت دیتے تھے۔ بعد ازاں مشفقانہ نصیحتوں سے کام لیتے تھے۔ اور پھر ان سے بموازین النبیہ و براہین قاطعہ و خطابات فصلیہ مباحثہ کرتے تھے۔ اور اس کے لئے انہیں اپنے اُوپر طرح طرح کی مصیبتیں و اذیتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ان کو اپنا گھر بار اس راہ میں لٹا دینا ہی ضروری و لازمی ہوتا ہے۔ جناب امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ نے بھی ایسا ہی کیا۔ حکمت و دانائی سے لوگوں کو سمجھایا۔ اچھی نصیحتیں کیں۔ اور دلائل و براہین کے ساتھ مخالفین سے محاجہ کیا۔ ”فَسَبِیْلُهٗ سَبِیْلُ الْاَنْبِیَاءِ وَطَرِیْقُهٗ طَرِیْقُ الْاَوْلِیَاءِ“ +

اقامۂ دین و اعلاء کلمۃ اللہ و دعوت الی الحق و ابطال باطل و احقاق حق آسان کام نہیں ہے۔ فظاظت و غلاظت و خشونت و شراست و عرامت و دعارت سے ہدایت خلق نہیں ہو سکتی۔ بلا تحمل مشقت و اذیت و صبر بر رنج و الم و ہم و غم ہدایت خلق و تربیت نوع محال ہے۔ امام ہر موقع کے مناسب حکمت و تدبیر سے کام لیتا ہے۔ اور جو بہترین مصلحت ہوتا ہے۔ وہی کرتا ہے۔ اور ہر ایک ممکن تدبیر جو اعلاء کلمۃ اللہ میں ضروری ہے۔ کام میں لاتا ہے۔ ماحصل یہ کہ موافق امر الٰہی کام کرنا ہے۔ کہ صفتِ امام یہی ہے ”یھدون بامرنا“۔ وہ ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں۔ پس ایک وقت امر الٰہی سکوت و صبر کی بابت ہوتا ہے۔

اور ایک وقت قیام وجہاد کے لئے۔ اگر امام اپنی رائے سے کوئی کام کرے۔ وہ امام حق نہیں ہے۔
بلکہ امام باطل ہے۔ اور "یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ" میں داخل۔ صبر لازم امامت ہے۔ جو صابر نہ ہو وہ امام
نہیں۔ انہی صبیوں کی صفت ہے "عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ لَا یَسْبِقُوْنَہٗ بِالْقَوْلِ وَھُمْ بِاَمْرِہٖ یَعْمَلُوْنَ"
یہ مکرم ومعظم بندے ہیں کسی بات میں سبقت نہیں کرتے۔ اور امر وحکم خدا ہی پر عمل کرتے ہیں +

دوم یہ کہ جہاد میں شرط لشکر کی ہے۔ اگر تنہا جہاد کرے اور دشمن کو قتل کر دے جب بھی حق ثابت
نہ ہوگا۔ اور خود شہید ہو جائے تب بھی حق واضح نہ ہوگا۔ مصدقین ومعاونین ساتھ ہونے چاہئیں یہی وجہ
تھی۔ کہ پیغمبر خاتم النبیین ص تیرہ سال تک مکہ معظمہ میں مخالفین ومعاندین کے ہاتھوں سے طرح طرح کی اذیتیں اٹھاتے
رہے۔ ورنہ اگر وہ چاہتے۔ تو ایک انگشت مبارک کے اشارہ سے عرب کا تختہ الٹ دیتے۔ کیونکہ مسلّم ومحقق ہے۔ کہ
وجود اقدس نبوی ص اوّل ماصدر واوّل مصنوع ومخلوق الٰہی نقطۂ دائرۂ مکین ہے۔ اوّل وجود سب سے اقویٰ
واکمل وافضل واشرف ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف شاہد ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں "اَوَّلُ مَا خَلَقَ
اللّٰہُ نُوْرِیْ وَاَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ رُوْحِیْ"۔ (پوری تفصیل وتحقیق حصۂ دوم میں دیکھنی چاہئے)۔ اور احادیث
دال ہیں۔ کہ وجود نورانی اعظم نبوی ص تمام موجودات ملائکہ وغیر ملائکہ جبرئیل ع ومیکائیل ع وغیرہما سب سے افضل واعظم
ہے "خُلِقَ اَعْظَمُ مِنْ مَلٰئِکَۃٍ وَمِنْ جِبْرَئِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ" (الفاظ حدیث)۔ پس اگر جبرئیل ع قوم لوط کو ایک
اشارے سے تہ وبالا کر سکتا ہے۔ تو اشارۂ انگشت محمدی چشم زدن میں تختۂ عالم الٹ سکتا ہے۔ اور مقام
مرتبۂ محمدی ص آیۂ مبارکہ "دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ" سے ظاہر ہے۔ کہ اس مقام پر جبرئیل ع کے
فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں۔ جو انگشت مبارک چاند کو اشارے سے شق کر سکتی ہے۔ کیا چند مشرکین عرب کو
نابود نہیں کر سکتی۔ قوت محمدی فوق جمیع قوائے عالم ہے۔ اور قوت علوی وغیر علوی تحت قوائے محمدی۔
وہ اصل ہے اور علی فرع۔ پس کیوں حضرت ص نے تیرہ سال اذیتیں سہیں۔ اور قوت نبوتی وولایتی وامامتی
سے کام نہ لیا۔ صرف اسی واسطے کہ وہ نبی برحق تھے۔ بادشاہ سفاک وجبار نہ تھے۔ اور صبر لازم نبوت وامامت
ہے۔ ہاں جس وقت بعد ہجرت آپ کے ساتھ انصار مل گئے۔ اور اس وقت مخالفین ومعاندین نے اہل اسلام
کو ستانا اور مدینۃ الرسول ص پر حملے کرنے شروع کئے یا ارادہ کیا۔ اس وقت حضرت ص بھی جہاد پر آمادہ ہوئے۔
وہ بھی اپنی رائے سے نہیں۔ بلکہ بحکم خدا۔ اور حکم بھی حکم خاص اجرائی۔ نہ حکم عام یہی وجہ ہے۔ کہ باوجود حکم عام
"جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ" آپ ص نے منافقین سے جہاد نہ کیا۔ کیونکہ حکم خاص نہ پہنچا تھا
اور جہاد قولی ان کے دبانے کے لئے کافی سمجھا گیا تھا۔ فافہم وتدبر +

پس منہاج علی عین منہاج نبی ہے۔ کیونکہ مظہر صفات نبوی ہے۔ اوّل صبر وسکوت کیا۔ اور جب فی الجملہ

اختیارات حاصل اور انصار جمع ہو گئے۔ اور مخالفین نے ظاہر بظاہر مخالفت شرع کی بلکہ چڑھائی کی۔ حجت تمام اور عذر رفع۔ طلحہ وزبیر ومعاویہ سے جہاد شروع کیا۔ اور حق امامت وخلافت نبوی ادا۔ فِیۡھَا حُجَّۃٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنْہَا حُجَّۃٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ۔

بعبارتِ آخر ۔ وہ مظہر وخلیفہ رحمۃ للعالمین ہے۔ چاہیئے کہ وہ بھی مجسمۂ رحم ہو۔ اور رحم سے کام لے۔ اور حسب حکم الٰہی کام کرے۔ اس کو کسی سے ذاتی شخصی بغض وعناد نہیں ہوتا۔ مخالفت نبی وامام مخالفت دینی ہوتی ہے۔ لہٰذا حسب حکم دین جو مناسب ہوتا ہے کرتے ہیں۔ ذاتیات کو وہاں دخل نہیں اگر حکم دین اس وقت یہی ہے۔ کہ صبر کرو۔ اور گردن بندھا کر چلے جاؤ۔ تو صفت امام یہ ہے۔ کہ فوراً ایسا ہی کرے۔ اور اگر حکم دین ہے۔ کہ لڑو اگرچہ کیسی ہی تکلیف پہنچے۔ تو شان امام یہ ہے۔ کہ لڑے ۔ یَھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا۔ " اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ الخ "۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کو دو مرتبہ اجر دیا جائیگا۔ کیونکہ انہوں نے صبر کیا۔ اور بدی کا بدلہ نیکی سے دیتے تھے۔ نبوت وامامت کو دنیاوی بادشاہت کے جابرانہ اصول پر قیاس کرنا جہالت ہے۔

سوم نبی آیۂ استیصال اور امام قتل عام کفار ومشرکین ومنافقین کا اس وقت تک حکم نہیں دے سکتا جب تک کہ مومنین وکافرین متمیز نہ ہو جائیں۔ بایں معنی کہ کافرین ومنافقین ایسے رہ جائیں۔ کہ قیامت تک ان سے کوئی مومن پیدا ہونے والا نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس حالت میں نہیں پہنچے ہیں۔ تو جو مومنین کے نطفے ان کے اصلاب میں ہیں۔ وہ بلا وجہ ہلاک ہو نگے۔ اور اسی طرح منافقین کا نفاق مقام ظہور وبروز میں آجائے۔ اور حجت تمام وعذر رفع جب تک ایسا نہ ہو۔ پیغمبر یا امام قتل پر مامور نہیں ہوتا۔ چنانچہ قصۂ حضرت نوحؑ شاہد بین ہے۔ کہ جب تک کافرین قوم نوحؑ اس درجہ پر نہیں پہنچ گئے ہیں۔ کہ ہر طرح سے ان پر اتمام حجت ہو جائے۔ اور پھر ان کے صلب سے قیامت تک کوئی مومن پیدا نہ ہو۔ طوفان عام نہیں بھیجا گیا۔ جب ایسے ہو گئے۔ سب کو غرق کر دیا گیا۔ کَمَا اَخْبَرَ بِہِ اللّٰہُ تَعَالٰی حِکَایَۃً مِنَ النُّوْحِ " وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا۔ اِنَّکَ اِنْ تَذَرْھُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا "۔ اے پروردگار کافرین میں سے ایک بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ۔ کیونکہ اگر تو انہیں چھوڑ دیگا۔ تو تیرے بندوں کو گمراہ کر دینگے۔ اور قیامت تک جن کی اولاد پیدا ہوگی۔ کافر وفاجر ہی ہوگی۔ جب یہ نوبت پہنچ گئی۔ تو طوفان عام کا حکم ہو گیا۔ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ...... وَقِیْلَ یٰٓاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَکِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی

الجُودِیِّ وَقِیلَ بُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظَّالِمِینَ۔" (ھود) ✦

اسی وجہ سے پیغمبر خاتم النبیینؐ نے باوجود قدرت بعد فتح مکہ مشرکین کو قتل نہ کیا تھا کہ راس میں مشرکین و معاندین ابوسفیان کو بھی چھوڑ دیا۔ اور اسی کی طرف خدا اشارہ فرماتا ہے "لَوۡلَا رِجَالٌ مُّؤۡمِنُونَ وَنِسَآءٌ مُّؤۡمِنَاتٌ لَّمۡ تَعۡلَمُوهُمۡ اَنۡ تَطَـُٔوهُمۡ فَتُصِيبَكُمۡ مِّنۡهُمۡ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ لِيُدۡخِلَ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ لَوۡ تَزَيَّلُوۡا لَعَذَّبۡنَا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا" یعنی اگر مومنین و کافرین جدا جدا ہو جاتے۔ تو ہم کافرین کو سخت دردانگیز عذاب دیتے۔ مگر چونکہ مومنین و کافرین جدا نہ ہوئے تھے۔ ہم نے قتل سے تمہارا ہاتھ روک دیا۔ ان مصالح الٰہیہ کو جہال کہاں سمجھ سکتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو نبوت و دیانات کو حکومت دنیویہ کے اصول جائرہ ظالمانہ پر قیاس کرتے ہیں۔ وہ نبی و امام پر ایسے اعتراض کر سکتے ہیں۔ مگر عارف نبوت و امامت جانتے ہیں۔ کہ شان نبوت و امامت کیا ہے اور فعل نبی و امام کیا۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ ان امور میں منہاج علیؑ عین منہاج نبیؐ ہے۔ اور منہاج نبیؐ عین منہاج الٰہی "سُنَّةَ اللّٰهِ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا"۔ اگر اعتراض علیؑ پر ہے۔ تو نبیؐ اور خدا پر پہلے۔ اور ممکن ہے۔ کہ جہال ایسا ہی کریں۔ سکوت و صبر ناقص امامت نہیں **مثبت امامت ہے۔ اور دلیل حقیت و صداقت ہے۔ ۵**

بستر قصۂ سیمرغ و قصۂ ہدہد		کسے رسد کہ شناسائے نطق الطیر است

اگر اصول حکمت عقلیہ سے گزر کر ظواہر امور پر نظر ڈالی جائے۔ تب بھی بصیر پر پوشیدہ نہیں۔ کہ ابتداء مرحلہ اختلاف خلافت میں از روئے حفظ و حمایت حوزۂ اسلام و حفظ ناموس نبوت قرین مصلحت بلکہ عین حکمت تھی۔ کہ حضرتؑ مخالفت میں تلوار نہ اٹھائیں۔ اگر حضرتؑ اس وقت تلوار اٹھاتے۔ تو ایک لحہ پہین کے لفظوں میں) اسلام مدینہ کی چار دیواری سے باہر نہ نکلتا۔ بعد اس کے ایک کافر یا مشرک یہود یا نصاریٰ سے داخل اسلام نہ ہوتا۔ "فَتَدَبَّرۡ فِيۡهِ وَتَاَمَّلۡ فَاِنَّهٗ دَقِيۡقٌ وَبِالِاقۡتِدَاءِ حَقِيۡقٌ" ✦

چنانچہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے۔ یہی مروی و ماثور بھی ہے۔ اور خود حضرت علیؑ نے بھی اسکی تشریح و تصریح فرمائی ہے۔ عبداللہ الرمانی نے حضرت امام رضاؑ سے روایت کی ہے۔ کہ میں نے ان سے عرض کیا۔ کہ مجھے خبر دیجئے۔ کہ کیوں علیؑ نے رسول اللہؐ کے بعد پچیس برس تک دشمنوں سے جہاد نہیں کیا۔ اور پھر اپنی حکومت کے زمانے میں جہاد کیا۔ فرمایا۔ انہوں نے اس میں رسول اللہؐ کی تاسی اور پیروی کی۔ کہ انہوں نے مکہ معظمہ میں اظہار نبوت سے تیرہ برس تک مشرکین سے جہاد نہ کیا۔ اور پھر مدینہ میں انیس ماہ تک جہاد ترک کیا۔ پس جب تیرہ سال اور انیس ماہ جہاد ترک کرنے سے رسول اللہؐ کی نبوت باطل نہ ہوئی۔ تو اسی طرح علیؑ کی امامت ان کے ترک جہاد سے باطل نہ ہوئی

کیونکہ ترک جہاد کی علت دونو جگہ ایک ہی ہے۔

ابو مسعود سے روایت ہے۔ کہ مسجد کوفہ میں زمانہ حکومت علیؑ ابن ابی طالبؑ میں بحث شروع ہوئی۔ کہ علیؑ نے ثلثہ سے کیوں جھگڑا نہیں کیا۔ اور طلحہ و زبیر و عائشہ و معاویہ سے تنازعہ کیا؟ یہ خبر حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کو بھی پہنچ گئی۔ آپؑ نے نماز جماعت کا اعلان کرایا جب سب جمع ہوگئے تو آپؑ ممبر پر تشریف لیگئے۔ اور حمد و ثنائے الٰہی بجالائے۔ پھر فرمایا۔ یا معاشر النّاس مجھکو ایسی ایسی خبر پہنچی ہے۔ سب نے عرض کیا آپؑ سچ فرماتے ہیں۔ ہم نے ایسا ہی کہا ہے۔ فرمایا۔ میں نے اس باب میں چھ پیغمبروں کی پیروی و تاسّی کی ہے۔ اور خدا قرآن میں فرماتا ہے " لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ " بیشک تم سب کو رسول اللہ کی اچھی تاسّی کرنی چاہئے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یا امیر المومنین وہ چھ رسول کون کون ہیں۔ جن کی آپؑ نے تاسّی فرمائی ہے۔ فرمایا۔ اوّل ابراہیمؑ کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا۔ میں تم سے جدا ہوتا ہوں۔ اور عزلت اختیار کرتا ہوں۔ اور تمہارے ان معبودوں سے علیحدہ ہوتا ہوں۔ پس اگر تم یہ کہو۔ کہ ابراہیمؑ نے بلا کسی تکلیف و اذیت کے جو انکو انکی قوم سے پہنچی قوم سے اعتزال و جدائی اختیار کی۔ تو تم کافر ہوگئے۔ کہ بلاوجہ ایک پیغمبرؑ نے کار پیغمبری ترک کردیا۔ اور قوم سے علیحدہ چلا گیا۔ اور اگر یہ کہو۔ کہ وہ لوگوں کے اذیت دینے سے اُن کے پاس سے چلے گئے۔ اور جدا ہوگئے۔ تو وصی پیغمبر ان سے زیادہ معذور ہے۔ دوم میں نے ابراہیمؑ کے خالہ زاد بھائی لوط کی تاسّی کی۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا " لو ان لی بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید " کاش میرے لئے مقابلہ کی قوت ہوتی۔ یا میں کسی مستحکم پناہ گاہ میں پناہ لیتا۔ پس اگر تم یہ کہو۔ کہ لوط کی مقابلہ کی قوت قوت تھی۔ اور انہوں نے ایسا کہا۔ تو تم کافر ہوگئے۔ اور اگر کہو۔ کہ ان میں مقابلہ کی قوت نہ تھی۔ اور اس لئے معذور تھے۔ تو وصی پیغمبرؐ ان سے زیادہ معذور ہے۔ سوم میں نے حضرت یوسفؑ کی تاسّی اور پیروی کی " اذ قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ " جبکہ انہوں نے کہا جس کی طرف یہ بلا رہی ہیں اس سے مجھے قید خانہ ہی محبوب تر ہے۔ پس اگر تم کہو۔ کہ یوسفؑ نے خدا سے قید کیلئے خدا کی ناراضگی کے ساتھ اور اس کو ناراض کرنے کے لئے دُعا کی۔ تو یہ کفر ہے۔ اور اگر کہو۔ کہ رضائے رب کے لئے ایسا کیا۔ تو پھر وصی رسولؐ ان سے زیادہ معذور ہے۔ کہ وہ خوشنودیٔ خدا کے لئے ایک وقت تک دشمنوں سے جہاد نہ کرے۔ چہارم میں نے حضرت موسےٰؑ کی تاسّی کی جب کہ انہوں نے کہا " ففررت منکم لما خفتکم " اگر تم یہ کہو۔ کہ بلا خوف واقعی شرعی ان سے بھاگے۔ تو یہ کفر ہے اور اگر کہو۔ کہ موسےٰ کو ان سے کوئی خوف دیانتی واقعی تھا۔ اور اس لئے وہ معذور تھے۔ تو ایسی صورت

میں وصیٔ رسولؐ ان سے زیادہ معذور ہے۔ پنجم میں نے ہارونؑ کی تاسّی کی "اِذْ قَالَ لِاَخِیْہِ یَابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ" جبکہ انہوں نے اپنے بھائی موسےؑ سے کہا۔ لوگوں نے مجھے ضعیف و مظلوم بنالیا۔ اور قریب تھا۔ کہ مجھے قتل کردیں۔ پس اگر کہو۔ کہ لوگ واقعی ان کے قتل پر آمادہ نہ تھے۔ تو یہ کفر ہے۔ اور اگر کہو۔ کہ واقعی وہ مظلوم وضعیف تھے۔ اور مقابلہ کی قوت ظاہری نہ رکھتے تھے۔ اور قریب تھا۔ کہ ان کو قتل کردیا جائے۔ اور اس لئے انہوں نے سکوت کیا۔ اور بچھڑا پوجنے والوں سے نہ لڑے۔ تو ایسی حالت میں وصیٔ پیغمبرؐ ان سے زیادہ معذور ہے۔ اگر وہ سکوت کرے اور گوسالہ پرستوں سے نہ لڑے۔ ششم میں نے محمد مصطفےٰ کی پیروی اور تاسّی کی ہے۔ جبکہ وہ اپنی قوم کے ظلم وستم سے تنگ آکر ان کے خوف سے ان سے چھپ کر بھاگے۔ اور غار میں پہنچے۔ اور مجھ کو اپنے بستر پر سُلادیا۔ پس اگر تم یہ کہو۔ کہ بلاخوف و بغیر اذیت و بلا عذر واقعی ان سے بھاگے۔ تو تم کافر ہوگئے۔ ورنہ اگر کہو۔ کہ وہ واقعی ان کے خوف سے بھاگے تھے۔ تو وصیٔ پیغمبرؐ ان سے زیادہ معذور ہے۔ انتہی۔ اگر اس سکوت اس اعتزال اور اس ترک جہاد اور دشمنوں سے صلح رکھنے اور ان کو قتل نہ کرنے سے ان چھ پیغمبروں کی نبوت ورسالت باطل ہوگئی۔ تو بیشک حضرت علیؑ کے ترک جہاد سے ان کی امامت باطل ہے۔ ورنہ اگر ان کا سکوت دلیل بطلان نبوت نہیں ہے۔ تو سکوت علیؑ بسبب معذوری و مجبوری مثل حضرت ہارونؑ وغیرہ باعث بطلان امامت نہیں۔ جناب امیرالمومنینؑ کا بیعت حضرت ابوبکر کے لئے حضرت عمر اور ان کے ساتھیوں کے تشدّد سے قبر رسولؐ پر جاکر رونا اور پکار پکار کر کہنا "یا بن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی" جیسا کہ کتاب "السیاستہ والامامۃ" سے نقل کیا گیا۔ صاف اسی تاسّی ہارونی کی طرف اشارہ ہے۔ اور حضرتؑ کو قتل کی دھمکیاں دینا صاف اسی کتاب میں اور دیگر کتب تواریخ میں موجود ہے۔ جناب فاطمہؑ دختر رسولؐ کا فی الجملہ خیال تھا۔ اور ان کے بعد تشدّد بڑھ گیا۔ اور قریب تھا۔ کہ آپ قتل کردئے جائیں۔ مجبور ہوکر بیعت کرلی۔ نہ کہ برضا و رغبت۔ اور یہ اجباری بیعت ہرگز ان کی صداقت کی سند نہیں ہوسکتی۔ در انحالیکہ بیعت ایک معاہدہ خاص ہے۔ کہ ہم فلاں کام میں تمہارا ساتھ دینگے۔ یا تمہارے ساتھ مخالفت نہ کرینگے۔ یا تمہارے برخلاف بغاوت نہ کرینگے۔ نہ کہ اطاعت مطلقہ۔ اس کو تسلیم اطاعت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ظاہر ہے۔ کہ جو شخص مسلمان ہوگیا اور دین محمدیؐ قبول کرلیا۔ وہ ضرور اطاعت مطلقہ رسولؐ میں داخل ہوگیا۔ اور اس کے جملہ احکام واوامر ونواہی کو منظور کرلیا۔ لیکن انہی مسلمانوں سے جنگ بدر و جنگ احد وغیرہ کے موقع پر پیغمبرؐ نے پھر بیعت لی ہے۔ پس اگر تسلیم اطاعت اور بیعت ایک ہی شے ہوتی۔ تو

ہرگز دوبارہ بیعت کی ضرورت نہ تھی۔ مگر قرآن شاہد ہے۔ کہ ان جنگوں میں مسلمانوں سے ضرور بیعت لی۔ کہ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیں۔ اور جنگ سے فرار نہ کریں۔ اور مخالف نہ بنیں۔ بغاوت نہ کریں۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ بیعت ایک معاہدۂ خاصہ ہے۔ جو ہر ایک شخص سے کسی مصلحت کے لئے ہوسکتا ہے۔ یہ اطاعتِ مطلقہ نہیں۔ اور اس بیعت سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ علیؑ نے ان کی خلافت و امامت کو تسلیم کرلیا۔ اور اس کو برحق جان لیا۔ حالانکہ بیعت بھی اجباری و اکراہی۔ نہ بطور رضا و رغبت۔ اگر حق جانتے۔ تو ایک دن بھی اس سے چھ ماہ تخلف نہ کرتے۔ اور بیعت سے ہٹ نہ رہتے۔ دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر جبکہ کوئی بھی رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنے والا نہ تھا۔ اس کم سنی میں تنہا تصدیق کی۔ اور حق کی حمایت کے لئے فوراً حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو گئے۔ کیونکر ممکن ہے۔ کہ خلافت خلفاء کو حق جانیں۔ اور اس سے چھ ماہ تخلف کریں۔ اور احتجاجات و استدلالات پیش کریں۔ اور برابر حق طلب کرتے رہیں۔ جیسا کہ تمام تواریخ وسیر شاہد ہیں۔ کہ حضرت علیؑ نے احتجاجات کئے۔ اور اپنا حق خلافت طلب کیا۔ اور یہ کہنا کہ حضرتؑ نے حق سے حق مشورہ طلب کیا ہے نہ حق خلافت مزخرفات و مہملات ہیں۔ اور جہلا کی تاویلات۔ جو کتب تواریخ و سیر اور واقعات سے بالکل بے خبر ہیں۔ ورنہ تصریحات سے کذب ثابت ہیں۔ اور کونسی عقل تسلیم کرسکتی ہے۔ کہ حضرتؑ کے بیعت نہ کرنے کا سبب اور ان کے تخلف کا باعث اور ان کے احتجاجات کی علت اور فاطمۃ الزہرا صلواۃ اللہ علیہا کی ناراضگی اور مرتے دم تک شیخین سے غضبناک رہنا اور ان کے سلام کا جواب نہ دینا اور جنازے میں شریک ہونے سے منع کرنا محض علیؑ سے سقیفہ میں مشورہ نہ لینے کی وجہ سے تھا۔ حالانکہ معمولی علم کا آدمی اور ادنےٰ مسلمان بھی جانتا ہے۔ کہ خلافت حضرت ابی بکر اجماعی کہلاتی ہے نہ شورائے۔ مشورے پر تو وہ موقوف ہی نہیں ہے۔ پھر حضرت علیؑ کیسا حق شوریٰ طلب کرتے اور کس حق پر ناراض ہوتے"۔ ان ھذا الا افتراء +

اب بکمال وضاحت ثابت ہوگیا۔ کہ نہ حضرت علیؑ نے خلفاء سے بیعت اطاعی کی۔ اور نہ ان کا صبر و سکوت انکی خلافت کی دلیل ہے۔ اگر ان کا صبر و سکوت دلیل حقانیت خلفاء ہے۔ تو سکوت و اعتزال ابراہیم و موسےٰ و ہارونؑ دلیل حقانیت نمرود و فرعون و سامری و گوسالہ پرستان بنی اسرائیل الغرض حضرتؑ کا صحابہ سے صلح رکھنا موجب طعن نہیں جو کچھ کیا مطابق شان امامت کیا یھدون بامرنا لما صبروا۔ عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون" +

خاتمہ

خلافت و امامت دیگر ائمہ و خلفاء رسول ؑ

بیانات سابقہ کے ضمن میں اجمالاً تو ثابت ہی ہو چکا ہے۔ کہ خلافت و ولایت و امامت حق علیؑ و اولاد علیؑ ہے اور آیات کلام حمید اس پر شاہد ہیں۔ اسی واسطے جن آیات میں صفات خلافت و امامت و ولایت اور اوصاف ائمہ و علائم خلافت و ولایت و امامت علیؑ ابن ابی طالبؑ کا ذکر ہے بصیغہ جمع ہیں۔ اور جن صفات محمدی سے ذات علوی متصف ہے۔ ان میں اجزاء علویہ و انوار مرتضویہ شریک۔ ولایت مطلقہ میں شریک شہیدیت میں شریک۔ ربوبیت اعمال میں شریک۔ علم کتاب و کتاب وجودی میں شریک۔ توسط بین الخلق و الخالق میں شریک۔ وعدہ استخلاف میں شریک۔ ایمان و علم سہیتی میں شریک۔ اعمال صالحات میں شریک تمکین دین میں شریک وغیرہ وغیرہ یعنی خلافت توارث صفات مستخلف کا نام ہے۔ اور مظہر و آئینہ اوصاف مستخلف اور وارث صفات محمدی و آئینہ اوصاف نبوی عترت و ذریت رسول ؐ ہیں۔ اور بعد علیؑ اولاد علیؑ خلفاء رسول ؐ ہیں۔ اور اولاد علیؑ و بتولؑ و عترت ذریت رسول ؐ نہیں ہیں مگر حسنؑ بن علیؑ و حسینؑ بن علیؑ و علیؑ بن الحسینؑ و محمدؑ بن علیؑ و جعفرؑ بن محمدؑ و موسےؑ بن جعفرؑ و علیؑ بن موسےؑ و محمدؑ بن علیؑ و علیؑ بن محمدؑ و حسنؑ بن علیؑ و الحجۃ ابن الحسن العسکری القائم المہدی ولی الامر امام الزمان علیہم السلام عجل اللہ فرجہم و سہل مخرجہم۔ پس وہی بعد علیؑ خلفاء رسول ؐ و ائمۃ الخلق و ساسۃ البلاد و سادۃ العباد ہیں۔ وھو المطلوب۔ (رشفۃ الصادی و مطالب السئول و المناقب وغیرہا)

ذریت نبی ؐ و توارث صفات نبوی

مشاہدات و تجربات بلکہ مستقلات عقلیہ سے ثابت ہے۔ کہ اصل و نسل و حسب و نسب کو توارث صفات آباؤ اجداد میں خاص دخلیت ہے۔ خصوصاً جبکہ باپ کا ارادہ ہو۔ کہ بیٹا وارث صفات ابوی ہو۔ اور نمونہ اوصاف پدری۔ خلف سلف پوت سپوت بنے۔ اور بیٹے میں قابلیت و استعداد موجود۔ اور نیز اس کا بھی ارادہ اخذ و جذب صفات پدری سے متعلق ہو۔ بنابریں کسی خاندان کی خاندانی صفات کا جو نمونہ فرد خاندان اور فرد ذریت و عترت ہوگا۔ دوسرے احباب و اصحاب ہرگز نہیں ہو سکتے۔ الا کسی خاص صورت اور کسی مانع و عائق خارجی کی وجہ سے کبھی اس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ جو شواذ و مستثنیات میں داخل ہے۔

والشاذ کالمعدوم۔ اصل و حصل یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلسلۂ ہدایت و دعوت و تبلیغ احکام و تربیت و تعلیم نوع انسانی حضرت آدمؑ سے لیکر تا حضرت خاتمؐ ذریت و عترت انبیاء ہی میں رہا ہے۔ اور یکے بعد دیگرے از روئے توارث ظاہری و باطنی، جسمانی و روحانی و تربیتی و تعلیمی و موہبتی عہدۂ نبوت و امامت و دعوت الی الحق و تبلیغ و تربیت و تعلیم نوع انسان کا وارث ہوتا آیا ہے۔ چنانچہ خدا اسی کی طرف اشارہ کر کے نہیں بلکہ تصریحاً فرماتا ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ"۔ تحقیق کہ اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور آل ابراہیمؑ اور آل عمرانؑ کو تمام عالمین پر برگزیدہ بنایا ہے۔ جو ذریت یکدیگر ہیں۔ اور ایک دوسرے سے مسلسل متصل۔ اور اللہ ہر ایک بات کا سننے والا اور ہر ایک امر کا جاننے والا ہے۔ سلسلۂ نبوت جناب آدم ابو البشرؑ سے شروع ہوا اور حضرت خاتم النبیینؐ پر ختم۔ اور کبھی اس سلسلۂ ذریت انبیاء میں انقطاع واقع نہیں ہوا۔ کلام خدا و دعوت الٰہی مسلسل و متصل جاری رہی ہے۔ کما قال عز و جل۔ "لَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ"۔ ہم نے اپنا کلام متصل بھیجا ہے۔ تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

ہم سابقاً ثابت کر چکے ہیں۔ کہ حقیقت کتاب یعنی کتاب وجودی ہر ایک نبی و امام کے لئے ضروری لازمی ہے۔ "بَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ"۔ "وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ"۔ اور آیہ ذیل سے واضح ہے۔ کہ "مابہ النبوۃ" یہی کتاب اور یہی علم ہے۔ قال سبحانہ و تعالیٰ "وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ"۔ (شوریٰ)۔ اور اسی طرح سے ہم نے اپنے عالم امر سے تجھ کو ایک روح عطا کی ہے۔ تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب و ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے اس روح کو نور بنایا ہے (اس روح کے دیتے ہی تو حقیقت کتاب و ایمان کا عالم ہو گیا۔ کیونکہ علم نور ہی ہے۔ "اَلْعِلْمُ نُوْرٌ یَّقْذِفُ فِیْ قَلْبِ مَنْ یَّشَآءُ")۔ اور اسی کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اور تو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔ اس سے ثابت ہے۔ کہ قبل اس روح کے نبی حقیقت کتاب و ایمان سے واقف نہ تھا۔ یہ روح نہ تھی۔ تو کتاب بھی نہ تھی۔ جب یہ روح نورانی خلق کی گئی اور عطا ہوئی۔ کتاب حاصل ہو گئی۔ (کیونکہ کتاب علم ہے۔ اور علم نور۔ اور وہ روح نور) ۔ پس گویا کتاب اس روح نورانی سے وابستہ ہے۔ اور دونو لازم و ملزوم ہیں جہاں یہ روح قدس ہو گی۔ کتاب بھی ہو گی۔ اور جہاں یہ کتاب پائی جائے۔ وہاں یہ روح بھی پائی جائیگی۔ اور اور مابہ النبوۃ یہی کتاب ہے۔ اور یہ کتاب ہمیشہ ذریت انبیاء ہی میں رہی ہے۔ نہ غیر انبیاء میں۔ اور

خلفاءؑ و اوصیاءؑ و انبیاءؑ ان کی ذریت ہی ہوئی ہے۔ حضرت آدمؑ کے خلیفہ و جانشین حضرت شیثؑ ہوئے۔ اور ان کے بعد ان کی اولاد تا حضرت نوحؑ۔ جو صاحب شریعت و اولوالعزم قرار پائے تھے۔ ان کے بعد انکی ذریت خلیفہ۔ وصی و جانشین نوحؑ و وارث کتاب ہوئی۔ تا شجرۃ الانبیاءؑ حضرت خلیل اللہؑ۔ اور وہ امامؑ بھی بھی بنائے گئے۔ اور وارث خلیل اولاد و ذریت حضرت خلیلؑ تا حضرت خاتمؐ بعد حضرت خاتمؐ وارث کتاب خمیت ذریت و عترت و اہلبیت نبوت و رسالت اولاد نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ چنانچہ خداوند عالم بالتصریح فرماتا ہے "وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِہِمَا النُّبُوَّۃَ وَالْکِتَابَ"۔ یعنی نوحؑ و ابراہیمؑ کی ذریت میں ہم نے نبوت و کتاب قرار دی۔ اور پھر خصوصیت کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق فرماتا ہے "جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ وَالْکِتَابَ"۔ ذریت ابراہیمؑ میں نبوت و کتاب قرار دی۔ اور بنی اسمٰعیلؑ میں وارثِ کتاب و نبوت و امامت ابراہیمیؑ جناب خاتم النبیینؐ ہوئے۔ اور یہی ملت ابراہیمیؑ ہے۔ کہ انہوں نے اس کی دعا کی۔ کہ امامت اور یہ اسلام ہوتی اور یہ سلسلہ انہی کی ذریت میں ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے "قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ"۔ "وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ الخ"۔ ہم دونوں مجھؑ کو اور اسمٰعیلؑ کو خاص اپنا مطیع و منقاد بنا۔ اور توفیق اطاعت مطلقہ عطا فرما۔ اور میری ذریت میں سے بھی ایک گروہ ایسا ہی پیدا کر۔ چنانچہ قیامت تک یہ سلسلہ ان کی ذریت اولاد حضرت اسمٰعیلؑ میں باقی ہے "وَجَعَلَہَا کَلِمَۃً بَاقِیَۃً فِیْ عَقِبِہٖ"۔ ابراہیمؑ نے اس کو اپنی اولاد و اعقاب میں کلمہ باقیہ دائمہ قرار دیا۔ اور ہمارے پیغمبرؐ کو بھی حکم ہوا۔ کہ تم بھی اسی ملت ابراہیمیؑ کا اتباع کرو۔ اور اس سلسلہ کو اپنی ذریت و عترت و اولاد میں قائم کرو "فَاتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرَاہِیْمَ حَنِیْفًا"۔ ملت حنیف ابراہیمیؑ کی پیروی کرو۔ چنانچہ حضرت رسولؐ نے اسی کا اظہار کیا۔ اور کتاب کو اپنی ذریت و عترت و اہلبیت نبوت و رسالت میں قرار دیا۔ اور ان کو تالی کتاب و ثانی ثقلین فرمایا۔ "اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَہْلَبَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِہِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَاِنَّہُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ"۔ بتحقیق کہ میں تم میں دو بڑی بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب خدا (قرآن)۔ دوم میری عترت جو اہلبیت نبوت و رسالت ہے۔ تم جب تک ان دونوں سے تمسک رکھو گے اور ان کا اتباع کرو گے۔ ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے تا اینکہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں"۔ نہ کتاب اہلبیتؑ و ذریت و عترت رسولؐ سے جدا ہے اور نہ وہ کتاب سے۔ کتاب ان کے وجود کے ساتھ ساتھ ہے نبوت تو حضرت خاتم النبیینؐ پہ ختم ہو گئی۔ مگر ما بہ النبوت و امامت و ولایت یعنی کتاب ذریتِ رسولؐ میں باقی ہے۔ اور وہی بعد رسولؐ امام و ولی و مظہر رسولؐ اور اس کے

قائم مقام و جانشین ہیں۔ اور ذریت رسول و اولاد رسول نہیں ہے مگر اولاد علیؑ و بتولؑ
پس وہی ائمۃ الخلق و خلفاء رسولؐ ہیں +

ہم کو بھی حکم ہے۔ کہ ملتِ ابراہیمیؑ کی پیروی کریں "فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا" پس چاہیئے کہ ہم بھی اس سلسلے کو ذریت ابراہیمیؑ سے جدا نہ کریں۔ اور امامت و ولایت و خلافت کو خانہ رسولؐ سے نہ نکالیں اور اس ملت سے اعراض کر کے اور اولاد رسولؐ سے منہ موڑ کر سفیہ و احمق نہ بنیں "وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ" سوائے سفیہ و احمق کون ہے۔ جو اس ملتِ ابراہیمیؑ سے اعراض اور روگردانی کرے۔ ونشہد اللہ وملٰئکتہ اَنَّا لَمْ نَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا۔ وَلَا نَرْغَبُ اَبَدًا اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی +

تنبیہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ امام الناس تھے "قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا" اور حضرت خاتم النبیینؐ نبی مطلق و ولی مطلق و امام الکل و نذیر للعالمین ہیں "تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا" بزرگ و برتر ہے وہ ذات پاک جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے تمام عوالم چرند و پرند و جن و انس و ارواح و نفوس و عقول سب پر نذیر ہو پس چاہیئے۔ کہ وارث کتاب محمدیؐ و مظہر صفات نبویؐ و قائم مقام و جانشین نبیؐ بھی مثل نبیؐ تمام عوالم پر امام و ولی متصرف ہو۔ اور احاطہ بر تمام مبعوثین ضروری و لازمی ہے۔ پس احاطہ بر تمام عوالم ضروری خلافت و امامت ہے۔ اور نیز بحکم آیہ "وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ" وحی لازم امامت اور صبر شناخت امام ہے۔ جبتک خلیفہ رسولؐ تمام عوالم ماسوے اللہ پر احاطہ علمی نہ رکھتا ہو۔ اور صاحب وحی نہ ہو۔ اور صبر اس سے ظاہر نہ ہو۔ خلیفہ رسولؐ و امام خلق نہیں کہلا سکتا۔ اہل انصاف خود غور فرما سکتے ہیں۔ کہ اس مرتبہ پر فائز نفس رسولؐ و نور محمدیؐ و ثانی الثقلین وارث کتاب محمدیؐ یعنی علم نبویؐ در باب علوم نبوتی ہوگا یا ثانی اثنین کا مصداق۔ کیا اس کے سوا اور کوئی احاطہ علمی بر جمیع عوالم و ماسوے اللہ رکھ سکتا ہے۔ جو فرماتا ہے "لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ لَمَا ازْدَدْتُ يَقِينًا" "وَسَلُونِي قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُونِي مِمَّا شِئْتُمْ فَاِنِّي اَعْلَمُ بِطُرُقِ السَّمٰوَاتِ مِنْ طُرُقِ الْاَرْضِ" اور اس کے بعد اس کی اولاد و ازواج اور روحانیہ و نورانیہ۔ پس امامت و خلافت ہرگز ذریت رسولؐ سے خارج نہیں ہو سکتی +

دوسرے لفظوں میں اس کی تشریح یہ ہے۔ کہ مابہ النبوۃ کتاب ہے۔ اور کتاب نبی کے ساتھ مخصوص۔ اور نبوت آنحضرتؐ پر ختم ہو گئی۔ تو ضرور کتاب شریعتی بھی انہی جناب پر ختم ہو گئی

آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہ آئیگا۔ اور آپ کے بعد قیامت تک کوئی نئی کتاب من جانب اللہ نہ آئیگی۔ لیکن یہ کتاب محمدی تاقیام قیامت باقی ہے۔ کیونکہ سلسلہ ہدایت تاقیامت ضروری ہے۔

پس علم اس کتاب کا بطور توارث وتعلیم وموہبت روحانیہ باطنیہ باقی ہے۔ چنانچہ خدا اسی کی خبر دیتا ہے "ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا" پھر ہم نے اپنے برگزیدہ ومصطفےٰ بندوں کو اس کتاب کا وارث بنایا ہے۔ قرآن کا وجود مکتوبی تو ہر شخص کے لئے ممکن ہے۔ اور ہر ایک شخص اس کتاب الٰہی کو لے سکتا اور اپنے پاس رکھ سکتا اور معلم و اُستاد سے پڑھ بھی سکتا ہے۔ مدلولات لفظیہ تک رسائی بھی پیدا کرسکتا ہے۔ اس میں طہارت و اصطفاء کوئی شرط نہیں ہے۔ کہ قرآن بندگان مصطفےٰ ہی کے پاس ہو۔ پس اس آیہ بہارکہ میں جو بندگانِ مصطفےٰ و برگزیدگانِ خدا کو وارثِ کتاب قرار دیا گیا ہے۔ اس خصوصیت کا مطلب صریح یہی ہے۔ کہ وارث حقیقت نورانیہ کتاب وعلم کتاب بندگانِ مصطفےٰ ہی ہیں۔ اور کوئی نہیں۔ اور اصطفاء و برگزیدگی مخصوص ہے انبیاء و ذریت انبیاء سے۔ جیسا کہ آیہ مجیدہ "ان اللہ اصطفےٰ آدم ونوحا الخ" سے ثابت کیا جاچکا ہے۔ اور آیہ تطہیر و آخر آیہ سورۂ حج دال ہیں۔ کہ طہارت و اصطفاء و اجتباء امت محمدی میں ذریتِ رسولؐ و اولادِ بتولؑ سے مخصوص ہے۔ پس وہی حقیقی وارث کتاب الٰہی و علوم محمدی ہیں۔ اور آیہ مجیدہ "قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ" الخ۔ کہ مجھ کو یہ قرآن وحی کیا گیا ہے۔ تاکہ میں اس کے ذریعہ سے بشیر و نذیر بنوں۔ اور دعوت حق دوں۔ اور ہدایت کروں۔ اور وہ جس کو یہ قرآن پہنچے) شاہد بین ہے۔ کہ بعد رسولؐ داعی الی الحق اور ہادی امم پیشوائے خلق و امام النّاس وخلیفہ رسولؐ وارث کتاب الٰہی و علوم محمدی ہے۔ لہٰذا بعد رسولؐ ہادی و پیشوائے خلق وخلیفہ رسولؐ ضرور ذریت رسولؐ و اولاد بتولؑ ہی ہے۔ اور کوئی ہو ہی نہیں نہیں سکتا۔ خلافت ذریت رسولؐ سے ہرگز خارج نہیں ہوسکتی۔ (تفصیل حصۂ دوم میں دیکھو) *

کیوں یہ سلسلہ ذریتِ انبیاءؑ میں رہا ہے

مسلّم ومحقق ہے۔ کہ حامل نبوت و رسالت روح خاص الٰہی یعنی روح القدس ہوتی ہے جو روح نورانی و روح علمی وحقیقت علمیہ ہے۔ جیسا کہ بیانات سابقہ سے ثابت ہوچکا ہے۔ اور معلوم ہے کہ ظرف مطابق مظروف اور محل مناسب حال اور مکان لائق مکین ہو۔ اگر محل مناسب حال نہ ہوگا۔ اور ظرف مطابق مظروف نہ ہوگا۔ اس حال اور مظروف کو برداشت نہ کرسکیگا۔ پس روح نورانی کے لئے مادہ بھی نورانی

ہی چاہئے۔ اور ظرف نورانی ہو۔ اور ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ قصہ حضرت عیسےٰؑ سے صاف ظاہر ہے۔ "وَکَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ" عیسےٰؑ کلمہ وجود بہ الٰہیہ اور اس کی ایک روح خاص ہے۔ محقق و مسلم ہے۔ کہ مادیہ جسمانیہ ارضیہ کو وجود عیسوی میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اور اسی طرح خلقت تمام انبیاء علیہم السلام عالم امر سے ہے۔ نہ عالم خلق سے۔ اور اسباب ظاہریہ خارجیہ مادیہ کو ان کے وجود میں مدخلیت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہوں حالات خلقت آدمؑ و ولادت حضرت اسحٰقؑ و موسےٰؑ و یحیےٰؑ وغیرہم انبیاء علیہم السلام کا مادہ جسمانیہ بھی نورانی ہوتا ہے۔ اور روح بھی نور ہے۔ محل مناسب حال اور ظرف مطابق مظروف ہے۔ اس روح نورانی کا اور کوئی مادہ ظلمانیہ ارضیہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ مادہ نورانیہ جسمانیہ نبویہ صلباً عن صلب اصلاب طاہرہ ہی میں منتقل ہوتا آتا ہے۔ اور یہ نور صلب کافر و مشرک میں جاگزیں نہیں ہوتا۔ بلکہ اصلابِ شامخہ و ارحامِ طاہرہ ہی میں حضرت آدمؑ سے تا حضرت خاتمؐ منتقل ہوتا آیا ہے۔ اور اسی واسطے یہ سلسلہ ذریتِ انبیاءؑ سے جدا نہیں ہوا نجس اصلاب و ارحام اس نور کے شایاں نہیں۔ کیونکہ روح نورانی مادۂ نجسہ ظلمانی میں مکین نہیں ہو سکتی۔ مکان مناسب مکین چاہئے۔ لہذا تمام سلسلہ آباؤ اجداد انبیاءؑ و ائمہؑ میں کوئی کافر و مشرک نہیں ہے۔ سب موحد و مومن و مسلم تھے۔ چنانچہ ذریت محمدیؐ کے ایک فرد یعنی الحسینؑ بن علیؑ کی زیارت میں ہے۔ "کُنْتَ نُوْرًا فِی الْاَصْلَابِ الشَّامِخَةِ وَالْاَرْحَامِ الْمُطَهَّرَةِ لَمْ تُنَجِّسْكَ الْجَاهِلِيَّةُ بِاَنْجَاسِهَا وَلَمْ تُلْبِسْكَ مِنْ مُدْلَهِمَّاتِ ثِيَابِهَا" یعنی اے فرزند رسولؐ تو ہمیشہ اصلابِ شامخہ و ارحام طاہرہ مطہرہ میں نور رہا ہے۔ اور یہ نور منتقل ہوتا آیا ہے۔ تجھ کو جاہلیت کفر و شرک نے اپنی نجاستوں سے آلودہ نہیں کیا۔ اور تجھ کو اپنے کثیف و ظلمانی لباسوں سے متلبس نہیں کیا۔ اسی مادۂ نورانیہ سے روح نبی و امام متعلق ہوتی ہے۔ جو حامل نبوت و امامت و اصل نبی و امام ہے۔ اور لا بد یہ سلسلہ ذریت انبیاء ہی میں ہے۔ اور بعد خاتم ذریتِ ختمی مرتبت میں تا قیامت جاری و ساری "لَا اِنْقِطَاعَ لَهَا اَبَدًا" "وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ" ذریتِ ابراہیمیؑ سے یہ سلسلہ کبھی قطع نہ ہوگا۔ (تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ اہل البیتؑ۔ خلافت الٰہیہ حصہ دوم۔ کشف الاسرار اور الصراط السوی فی احوال المہدیؑ ملاحظہ ہوں)*

اور یہ تمام خلفاء (ذریت و عترت و اولاد رسولؐ) مثل رسولؐ خلفاء اللہ و مظاہر صفاتِ الٰہی ہیں جیسا کہ ثابت کر چکے ہیں۔ یہ خلافت خلافت الٰہیہ ہے تا آخر خلفاء رسولؐ حضرت محمد مہدیؑ آخر الزماں۔ چنانچہ جب وہ حضرت ظہور فرمائینگے۔ ایک منادی ندا کریگا "ھٰذَا خَلِیْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِیُّ فَاتَّبِعُوْهُ" یہ مہدی خلیفۂ خدا ہے۔ اس کی پیروی کرو۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب

فصول المہمہ۔ اور وہ آخر خلفاءؑ و آخر اوصیاءؑ از اولادِ نبی مصطفیٰؐ موجود ہے۔ (دیکھو الصراط السوی فی احوال المہدی) ٭

نص رسولؐ بر خلافت ائمہ اولاد علیؑ و بتولؑ

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ کہ اجماع و شورےٰ و غلبہ کوئی دلیل خلافت و امامت نہیں ہے۔ ہاں نص دلیل ہے۔ مگر نص خداوند عالم بلا واسطہ یا بواسطہ پیغمبرؐ و منصوص سابق۔ اور منصوصیت پیغمبرؐ بلا اختلاف مسلم اہل اسلام ہے۔ اور قرآن شاہد و ناطق۔ اور اس کے بعد چاہئے۔ کہ پیغمبرؐ اپنے خلفاءؑ کی بابت نص کرے۔ یعنی جن کو خدا نے اس منصب جلیل کے لئے خلق کیا ہے۔ اُس کو ذاتاً و صفاتاً شناخت کرا دے۔ اور ظاہر کر دے۔ کہ وہ فلاں ہیں۔ چنانچہ حضرت رسولؐ اپنے خلفاءؑ کے متعلق اکثر ایسا کرتے رہے ہیں۔ بلکہ روز اوّل ہی خلافت کا اعلان و اظہار کر دیا تھا۔ اور آخر وقت میں علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اور بلند کر کے سب کو شخصاً دکھلا دیا ہے۔ کہ ولی متصرف میرے بعد یہ ہے۔ اور حکومتِ ظاہری تحتِ ولایتِ مطلقہ ہے۔ کما بیّناہ مراراً۔ (دیکھو حصہ دوم) ٭

روایات و احادیث کتب فریقین میں موجود ہے۔ چنانچہ جابر بن عبد اللہ الانصاریؓ سے تفسیر آیہ اولے الامر میں مروی ہے۔ کہ انھوں نے رسول خداؐ سے دریافت کیا۔ کہ ہم نے خدا کو پہچانا۔ اس کی اطاعت کی۔ رسول خداؐ کو پہچانا۔ اُس کی اطاعت کی۔ اُولے الامر کون ہیں۔ جن کی اطاعت کا ہم کو حکم ہے۔ "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" فرمایا۔ اے جابرؓ "هُمْ خُلَفَائِیْ وَاَوْلِیَاءُ الْاَمْرِ مِنْ بَعْدِیْ اَوَّلُهُمْ اَخِیْ عَلِیٌّ ثُمَّ بَعْدَهٗ الْحَسَنُ وَلَدُهٗ ثُمَّ الْحُسَیْنُ ثُمَّ عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ ثُمَّ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ وَسَتُدْرِکُهٗ یَا جَابِرُ فَاِذَا اَدْرَکْتَهٗ فَاَقْرِءْ مِنِّی السَّلَامُ ثُمَّ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثُمَّ مُوْسَی بْنُ جَعْفَرٍ ثُمَّ عَلِیُّ بْنُ مُوْسٰی ثُمَّ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ ثُمَّ عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثُمَّ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ ثُمَّ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ یَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا" یعنی وہ میرے خلفاء اور میرے بعد اولیاء امور ہیں۔ اوّل ان کا میرا بھائی علیؑ ہے۔ بعد اس کے اس کا فرزند حسنؑ۔ بعد ازاں حسینؑ بن علیؑ۔ پھر علیؑ ابن الحسینؑ۔ پھر محمدؑ بن ابن علیؑ (اور اے جابر تم اسے عنقریب دیکھو گے پس میرا سلام اس کو پہنچا دینا)۔ و جعفرؑ ابن محمدؑ و موسےٰؑ بن جعفرؑ و علیؑ بن موسےٰؑ و محمدؑ بن علیؑ و علیؑ ابن محمدؑ و حسنؑ بن علیؑ اور آخر اوصیاء و خلفاء م ح م د ابن الحسنؑ ہے۔ جو زمین کو عدل و داد سے پُر کر دیگا۔ بعد اس کے کہ ظلم و جور سے پُر ہو گئی ہوگی۔ اور مروی ہے۔ کہ رسول خداؐ نے فرمایا۔ "یَا عَلِیُّ اِنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِیْ اِثْنَا عَشَرَ اَنْتَ اَوَّلُهُمْ وَاٰخِرُهُمُ الْقَائِمُ الَّذِیْ یَفْتَحُ اللّٰهُ بِهٖ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا" یعنی اے علیؑ خلفاء میرے بعد صرف بارہ ہیں۔ جن کا پہلا تو ہے۔ اور آخر قائم آل محمدؐ مہدی است۔ جس کے ہاتھ پر

اللہ مشارق و مغارب عالم کو فتح کریگا۔ نیز رسول خداؐ سے مروی ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا۔ میرے بعد بارہ خلیفہ تک زمین ہونگے۔ پھر مہدیؑ ان میں سے خروج کریگا۔ اللہ ایک رات میں اس کا معاملہ درست کر دیگا۔ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ رسول خداؐ نے فرمایا۔ میری اولاد میں سے مہدیؑ خروج کریگا۔ و زمین کو عدل و داد سے پُر کریگا۔ بعد اس کے کہ ظلم و جور سے پُر ہو گئی ہوگی۔ نیز مروی ہے۔ کہ فرمایا۔ "الائمۃ من بعدی اثنا عشر کلھم من قریش"۔ میرے بعد بارہ امامؑ ہونگے۔ جو سب کے سب قریشی ہیں۔ اور ام سلمہؓ سے منقول ہے۔ کہ حضرتؐ نے فرمایا۔ مہدیؑ میری عترت اولاد فاطمہؑ سے ہے۔ ملاحظہ ہو ابو داؤد و ترمذی فصول المہمہ مطالب السئول وغیرہا۔ (تفصیل حصہ دوم اور الصراط السوی فی احوال المہدیؑ میں دیکھو)

یہ خلافت حضرت مہدی آخر الزمانؑ پر ختم ہے۔ اور وہ اولاد علیؑ و بتولؑ و ذریت و عترت رسولؐ سے ہیں۔ اور یہ نص صریح نبویؐ ہے۔ اور پھر ہر ایک سابق خلیفہ و امام لاحق پر نص کرتا چلا آیا ہے۔ احادیث و روایات اس باب میں بیشمار ہیں۔ یہاں ہم نے طرفاً للباب و تائیداً اس کا ذکر کر دیا ہے۔ ورنہ ہماری کتاب میں ان کی ضرورت نہیں۔ قرآن کافی ثبوت ہے۔ اور ان روایات و احادیث سے کتب احادیث و تواریخ و کتب مناظرہ پُر ہیں۔ ہمارا مطمح نظر یہ روایات نہیں ہیں مقصود قرآن سے اصل و حقیقت خلافت کا دکھلانا ہے۔ اور الحمد للہ اس میں کافی لکھا جا چکا ہے

عملی ثبوت

الغرض توارث صفات نبوی ذریت و عترت نبوی ہی میں ہے۔ اور وہی خلیفہ برحق اور اول معیار خلافت یعنی علم ہر ایک میں موجود اور ثابت و مسلّم اہل اسلام علوم علویہ کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ اور کتاب وجودی کا ہر ایک امام کیلئے ثبوت دے چکے ہیں۔ اب بعد علیؑ خلیفہ و جانشین رسول الحسن بن علیؑ ہیں علم فطری و وہبی ان کا مسلّم اہل اسلام ہے

محمد بن اسمٰعیل بخاری وغیرہ ائمہ احادیث نے باختلاف بعض الفاظ و عبارات نقل کیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ جناب رسول خداؐ کے پاس صدقے کے چھوارے آئے۔ تو امام حسنؑ نے ایک چھوارا اٹھا لیا۔ نواب (بی) نے بایں الفاظ منع کیا۔ عن ابی ھریرۃ قال اخذ الحسن بن علی رضی اللہ عنہما تمرۃ من تمر الصدقۃ فجعلھا فی فیہ فقال النبی کخ کخ الا شعرت انا لا ناکل الصدقۃ۔ ہیں ہیں۔ چھوڑ دو۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔ کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے ہیں۔ اور صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں "انا لا تحل لنا الصدقۃ"۔ ہمیں صدقہ حلال نہیں ہے۔ اور ایک روایت یہ ہے "انا آل محمد لا تحل لنا الصدقۃ" ہم آل محمدؐ پر صدقہ حلال نہیں ہے۔ اور صحیح بخاری وغیرہ کے الفاظ یہ ہیں "الم تعلم ان الصدقۃ علینا محرما"۔ کیا تم نہیں جانتے کہ صدقہ ہم پر حرام ہے

متن حدیث میں غور طلب صرف لفظ "انا" اور "علینا" اور "ہم آل محمد" ہیں جن سے ثابت ہے۔ کہ حضرت ضمیر متکلم مع الغیر کے ساتھ ہر موقع پر حسنؑ کو اپنے ساتھ اور اپنا شریک اور ایک حکم میں قرار دیتے ہیں۔ اور حکیم حسنؑ حکم رسولؐ ہے۔ اور یہ دلیل ہے اتصاف اوصاف نبوی بلکہ اتحاد اوصاف نبوی کی۔ کہ آنحضرتؐ اور حسنؑ اور باقی آل محمد سب ایک ہیں۔ اور یہ گویا تشریح یا تفسیر ہے آیۂ مباہلہ کی جس کی رو سے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ نفس رسولؐ ہیں مگر اصل مقصود ہمارا اس حدیث کی شرح ہے۔ شارح بخاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ کہ کوئی شخص اس حدیث کی رو سے پیغمبر خداؐ پر اعتراض نہ کرے۔ کہ رسول خداؐ نے ایسے کم سن بچے سے ایسا استفہام کیوں کیا جو عالم کی شان کے شایاں ہے۔ یعنی ان سے یہ کیوں فرمایا۔ کہ کیا تم نہیں جانتے ہو؟ یعنی ضرور جانتے ہو سا استفہام اقرار و تقریر ہے۔ جو عالم سے کیا جاتا ہے۔ اور حسنؑ اس وقت بچے تھے سن تحصیل علوم کو نہ پہنچے تھے۔ فَاِنَّ حَالَ الْحَسَنِ لَیْسَ کَحَالِ غَیْرِہٖ مِنَ النَّاسِ لِاَنَّ الْحَسَنَ یلاحِظُ اللَّوحَ الْمَحْفُوْظَ فِیْ ذٰلِکَ الْوَقْتِ۔ یعنی حسنؑ کا حال دوسرے لوگوں کا سا نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ بزرگوار وہ ہیں۔ جو اس صغر سنی میں لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے تھے۔ انتہٰی۔ مطلب صاف ہے۔ کہ یہ محتاج تعلیم مثل عوام الناس نہیں ہیں۔ علم ان کی فطرت میں داخل اور لوح محفوظ ان کے ادنےٰ علوم میں سے ہے۔ اور حالات علم و کمال حسنیؑ سے کتب فریقین پر ہیں من شاء فلیرجع الیہ +

اور حذیفہ یمانیؓ سے مروی ہے۔ کہ وہ ایک روز مدینہ سے گزر رہے تھے۔ کہ دیکھا امام حسینؑ جبکہ بہت چھوٹے بچے تھے چند بچوں کو گرد جمع کئے ہوئے فرما رہے تھے "کانی بکم وقد اجتمعتم علیّ طغاۃ بنی امیہ ویقدمھم عمر بن سعد" یعنی میں دیکھتا ہوں کہ طاغیان و سرکشان بنی امیہ میرے اوپر جمع ہو گئے اور ان کا سر گروہ عمر سعد ہوگا۔ بچے سے یہ کلام سن کر حذیفہ متعجب و حیران ہوئے عرض کیا۔ صاحبزادے کیا تمہارے نانا نے یہ خبر دی ہے؟ فرمایا نہیں۔ حذیفہ رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قصہ عرض کیا۔ رسول خداؐ نے فرمایا۔ دَعُوْہُ فَاِنَّ عِلْمَہٗ عِلْمِیْ وَعِلْمِیْ عِلْمُہٗ وَنَحْنُ نَعْلَمُ الْکَائِنَ قَبْلَ کَیْنُوْنَتِہٖ۔ اس کو رہنے دو تعجب نہ کرو۔ کیونکہ اس کا علم میرا علم ہے اور میرا علم اس کا علم ہے۔ اور ہم ہونیوالی بات کو پہلے ہی جان لیتے ہیں۔ انتہٰی۔ یہاں تو آنحضرتؐ نے اصل معیار خلافت میں علم کی بابت صاف ہی تصریح کر دی۔ کہ میرا علم اور حسینؑ کا علم ایک ہی ہے۔ اور اس کی ادنےٰ شناخت یہ ہے۔ کہ ہم علم ماکان و مایکون رکھتے ہیں۔ اور ہونیوالی بات کو ہونے سے پہلے ہی جانتے ہیں۔ نبیؐ شہر علم ہیں اور علیؑ و اولاد علیؑ باب علوم۔ اور وارث علوم نبوتی و رسالتی۔ اور یہی معیار خلافت ہے۔ اور یہی خلیفۂ برحق۔ وھو المطلوب +

ذریت نبیؐ لابد ملحق بہ نبیؐ ہے۔ اور سلسلہ ہدایت ذریت ہی میں جاری ہے۔ قال عزّ وجلّ "والذین آمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم وما التناھم من عملھم من شیٔ" (طور ع ۲)۔ وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور ان کی ذریت نے ایمان میں ان کا اتباع کیا ہے۔ کہ وہ بھی مومن ہیں۔ تو ہم نے ان کی اولاد کو ان کے درجے تک پہنچا دیا۔ اور ان سے ملا دیا۔ درآنحالیکہ ان کے عملوں میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا مسلّم ہے۔ کہ اوّل المومنین و افضل المومنین بلکہ عین ایمان و حقیقتِ ایمان حضرت خاتم النبیینؐ صلے اللہ علیہ و آلہ الطاہرینؑ ہیں۔ اور ضرور ان کی ذریت نے ایمان میں ان کا ساتھ دیا ہے۔ بلکہ سردار اہل بہشت کا خطاب پایا ہے "الحسنؑ والحسینؑ سیّد شباب اھل الجنۃ"۔ پس ضرور خدا نے حسبِ وعدہ ذریتِ رسولؐ کو رسولؐ کے ساتھ ملا دیا۔ اور اس کے درجہ میں پہنچا دیا۔ اور وارثِ صفاتِ نبویؐ ہوئے۔ ذریتِ رسولؐ ملحق برسولؐ ہے۔ اور رسولؐ برصراطِ مستقیم الٰہی "انک لمن المرسلین علیٰ صراط المستقیم"۔ حاکم اور دارقطنی نے عمر بن الخطاب سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا۔ کہ ہر ایک حسب ونسب و دامادی روز قیامت منقطع ہو جائیگی مگر میرا حسب ونسب و دامادی بتحقیق کہ وہ روز قیامت آئینگے۔ اور اپنے دوستوں کی شفاعت کرینگے۔ پس جو ذریتِ رسولؐ کے ساتھ ہوا۔ وہ رسولؐ سے جا ملا۔ اور جو رسولؐ سے جا ملا۔ اُس نے صراط مستقیم الٰہی کو پالیا۔ اور خدا تک پہنچ گیا متبع ذریتِ رسولؐ ضرور ناجی و رستگار ہے۔ جس نے اُن کو پیشوا بنایا۔ وہ ضرور داخلِ جنّت ہوا۔ کیونکہ روزِ حشر سب کا حشر اپنے اپنے امام کے ساتھ ہوگا۔ اور جہاں جس کا امام جائیگا۔ وہیں اس کے ساتھ مقتدی جائینگے "ان الابرار لفی نعیم"۔ نکوکار بہشت میں ہونگے "وان الفجار لفی جحیم"۔ اور گنہگار و فُساق و فُجار دوزخ ہیں۔ ذریتِ رسولؐ لابد بہشت میں ملحق برسول ہوگی۔ اور حوض کوثر پر پہنچیگی۔ جو اس کے ساتھ ہونگے۔ وہ ان کے ہمراہ داخل بہشت ہونگے۔ اور حوض کوثر سے سیراب اور ساقی کوثر کے فیض سے فیضیاب (ملاحظہ ہو کتاب رشفۃ الصادی از ابی بکر بن شہاب الدین)۔ **سلسلہ ہدایت و اہتداء ذریتِ انبیاءؑ ہی سے وابستہ ہے۔ غیر کو مدخلیت نہیں**۔ (دیکھو حصہ دوم) +

حسین علیہ السّلام کے علم ماکان و مایکون کا اور ثبوت

اگرچہ جناب امام حسینؑ میں معیار خلافت یعنی علم کے ثابت ہونے کے لئے حدیث نبویؐ کافی سے زیادہ ہے۔ کہ اپنا علم اور حسینؑ کا علم ایک ہی فرماتے ہیں۔ اور اس بات کے ثبوت کے لئے کہ ہم اہلبیت نبوت و رسالت ہونیوالی بات کو ہونے سے پہلے ہی جانتے ہیں۔ خود وہی واقعہ کافی ہے۔ کہ آپ اس صغر سنی میں اپنی شہادت کی پیشین گوئی فرما رہے ہیں۔ مگر ہم یہاں اس جملے کی اور بھی توضیح کئے دیتے ہیں۔ کہ یہ کوئی اتفاقی امر نہ تھا۔ اکثر و بیشتر حضرت ان واقعات کی بابت پیشینگوئی فرماتے رہے ہیں۔ جب مدینہ منوّرہ سے روانہ

ہونے لگے۔ تو روانگی سے پہلے قبر رسولؐ پر اپنے نانا سے آخری رخصت کے واسطے تشریف لے گئے۔ اور قبر رسولؐ سے لپٹ کر اتنے روئے۔ کہ اونگھ سی آگئی۔ اور اس عالم خواب میں آپ نے دیکھا۔ کہ جناب رسول خداؐ فرماتے ہیں "یَا حَبِیْبِیْ یَا حُسَیْنُ کَاَنِّیْ اَرَاکَ عَنْ قَرِیْبٍ مُرَمَّلًا بِدِمَائِکَ مَذْبُوْحًا بِاَرْضِ کَرْبٍ وَبَلَاءٍ مِنْ عِصَابَۃٍ مِنْ اُمَّتِیْ وَاَنْتَ مَعَ ذَالِکَ عَطْشَانٌ لَا تُسْقٰی وَظَمْاٰنٌ لَا تُرْوٰی وَھُمْ مَعَ ذَالِکَ تَرْجُوْنَ شَفَاعَتِیْ" یعنی اے میرے پیارے اے حسینؑ میں دیکھتا ہوں۔ کہ تم عنقریب اپنے خون میں لوٹو گے۔ اور زمین کرب و بلا میں میری امت کی ایک جماعت کے ہاتھ سے ذبح کئے جاؤ گے۔ درآنحالیکہ تم پیاسے ہوگے۔ اور سیراب نہ کئے جاؤ گے۔ سوزش تشنگی سے دلسوختہ ہو گے۔ اور لب تر نہ کئے جاؤ گے۔ اور باوجود اس کے وہ میری شفاعت کی امید رکھتے ہونگے یعنی اپنے کو میری امت اور میرا پیرو کہتے ہونگے (اَتَرْجُوْا اُمَّۃٌ قَتَلَتْ حُسَیْنًا شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ یَوْمَ الْحِسَابِ)۔ اس قسم کی پیشینگوئی خود جناب حسینؑ نے اکثر فرمائی۔ اور فعلی ثبوت دیا۔ کہ وہ مظہر اوصاف رسولؐ و وارث صفات نبوتی ہیں۔ مکہ سے روانگی کے وقت محمدؓ بن حنفیہ اور عبد اللہ ابن عباسؓ نے جب آپ کو روکنے کا اصرار کیا۔ تو آخر میں آپ نے جواب دیا "شَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَّرَانِیْ قَتِیْلًا" مشیتِ ایزدی میں گزر چکا ہے کہ وہ مجھے مقتول دیکھے۔ عرض کیا گیا۔ اگر امر یقینی ہے۔ تو پھر ان بچوں اور عورتوں کو کہاں لے جاتے ہو۔ ان کو تو مدینہ رسولؐ میں چھوڑ جایئے۔ فرمایا "شَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَّرٰھُنَّ سَبَایَا"۔ مشیتِ ایزدی یہی ہے۔ کہ یہ میرے بعد اسیر ہوں "شَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَّرٰی رَھْطِیْ وَاَھْلِیْ وَنِسَائِیْ مُشَرَّدِیْنَ وَاَطْفَالِیْ مَقْتُوْلِیْنَ مَذْبُوْحِیْنَ ظُلْمًا وَّجَوْرًا وَھُمْ یَسْتَغِیْثُوْنَ فَلَا یُغَاثُوْنَ" یعنی مشیت میں یہی ہے۔ کہ وہ میرے کنبے قبیلے اور میری عورتوں کو متفرق و دربدر پریشان اور میرے بچوں کو ظلم و جور سے مقتول و مذبوح دیکھے۔ وہ فریاد کرینگے۔ اور کوئی ان کی فریاد کو نہ پہنچیگا ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو بیت اللہ میں تمام حاضرین مکہ کے روبرو فرمایا "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَمَا شَاءَ اللّٰہُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ خُطَّ الْمَوْتُ عَلٰی وُلْدِ اٰدَمَ مَخَطَّ الْقِلَادَۃِ عَلٰی جِیْدِ الْفَتَاۃِ وَمَا اَوْلَھَنِیْ اِلٰی اَسْلَافِیْ اشْتِیَاقَ یَعْقُوْبَ اِلٰی یُوْسُفَ وَخُیِّرَ لِیْ مَصْرَعٌ اَنَا لَاقِیْہِ۔ کَاَنِّیْ بِاَوْصَالِیْ یَتَقَطَّعُھَا عُسْلَانُ الْفَلَوَاتِ بَیْنَ النَّوَاوِیْسِ وَکَرْبَلَا فَیَمْلَاَنَّ مِنِّیْ اَکْرَاشًا جُوْفًا وَّاَجْوِفَۃً سُغْبًا لَا مَحِیْصَ عَنْ یَّوْمٍ خُطَّ بِالْقَلَمِ رِضَی اللّٰہِ رِضَانَا اَھْلَ الْبَیْتِ نَصْبِرُ عَلٰی بَلَائِہٖ وَیُوَفِّیْنَا اُجُوْرَ الصَّابِرِیْنَ لَنْ تَشُذَّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ لُحْمَتُہٗ وَھِیَ مَجْمُوْعَۃٌ لَّہٗ فِیْ حَظِیْرَۃِ الْقُدْسِ تَقَرُّ بِھِمْ عَیْنُہٗ وَیُنْجَزُ لَھُمْ وَعْدُہٗ وَمَنْ کَانَ فِیْنَا بَاذِلًا مُّھْجَتَہٗ مُوَطِّنًا عَلٰی لِقَاءِ اللّٰہِ نَفْسَہٗ فَلْیَرْحَلْ مَعَنَا فَاِنِّیْ رَاحِلٌ مُّصْبِحًا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ" بعد حمد و صلوٰۃ فرماتے ہیں۔ کہ بنی آدم کی گردن میں موت نے اس طرح خط کھینچا ہے۔ جس طرح گردن بند سے لڑکیوں کی گردن میں نشان پڑ جاتے ہیں۔ اور مجھ کو اپنے بزرگوں سے ملنے کا ایسا ہی

اشتیاق ہے۔ جیسا کہ یعقوب کو یوسف سے ملنے کا اشتیاق تھا میرے لئے ایک قتل گاہ مقرر کی گئی ہے جہاں میں ضرور پہنچونگا گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ جنگل کے بھیڑیئے اور غول بیابانی میرے اعضاء وجوارح کو پارہ پارہ اور میرے جوڑ بند جدا جدا کر رہے ہیں۔ اور اپنی امید اور آرزوؤں کے بھوکے پیٹ کو میرے خون اور گوشت سے بھر رہے ہیں۔ اور قضاء الٰہی سے کچھ چارہ نہیں ہے۔ اور ہم اہلبیت راضی برضاء الٰہی ہیں۔ اور اس کے امتحان پر صبر کرتے ہیں۔ اور ہم کو وہ صبر کا اجر عنایت فرمائیگا۔ رسول خداؐ کے گوشت کا ٹکڑا (حسینؑ) اس سے جدا نہ ہوگا۔ خلد بریں میں رسولؐ کے ساتھ جائیگا۔ اور اس کو دیکھ کر رسولؐ کی آنکھیں خوش ہونگی۔ اور خدا کا سچا وعدہ ان کے حق میں پورا ہو کر رہیگا۔ پس جو راہ خدا میں اپنی جان ہم پر فدا کر چکا ہے۔ اور اپنے نفس کو لقاء اللہ پر مستعد و مطمئن پاتے۔ وہ ہمارے ساتھ چلے۔ کیونکہ میں کل صبح انشاء اللہ روانہ ہو جاؤنگا" ہر ایک منزل پر حضرت یحییٰؑ کے قتل کا ذکر فرماتے اور اپنی شہادت کی خبر دیتے تھے۔ اور جناب اُم سلمہؓ کے حدیث نبویؐ سنانے اور سمجھانے پر تو حضرتؑ نے جناب ام سلمہؓ کو اپنی قتلگاہ دکھلادی تھی۔ اور اپنے مقامات بتلائے تھے۔ اور جس وقت آپ میدان کرب وبلاء اور دشت نینوا میں پہنچتے ہیں۔ اور آپ کو اس سرزمین کا نام بتلایا گیا۔ تو فرمایا "یہاں یہی ارض کرب وبلا ہے۔" وقال قفو ولا ترحلوا منھا۔ یہیں ٹھہر جاؤ۔ اور آگے نہ بڑھو۔ ھٰھنا واللّٰہ مناخ رکابنا وھٰھنا واللّٰہ سفک دمائنا وھٰھنا واللّٰہ ھتک حریمنا وھٰھنا واللّٰہ قتل رجالنا وھٰھنا واللّٰہ ذبح اطفالنا وھٰھنا واللّٰہ تزار قبورنا بھٰذہ التربۃ وعدنی جدی رسول اللّٰہ ولا خلف لقولہ" خدا کی قسم یہاں ہماری سواریوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ خدا کی قسم یہیں ہمارا خون بہایا جائیگا قسم بخدا اسی مقام پر ہمارا اسباب لوٹا جائیگا۔ خدا کی قسم اسی جگہ ہمارے مرد قتل کئے جائینگے۔ واللہ اسی جگہ ہمارے بچے ذبح ہونگے۔ اور خدا کی قسم اسی مقام پر ہماری قبروں کی زیارت کی جائیگی۔ اسی سرزمین کا میرے نانا رسول خداؐ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ اور حضرت کا ارشاد جھوٹا نہیں ہو سکتا" غرض ایک دفعہ نہیں بیسیوں مرتبہ تمام واقعات کی خبر دی ہے۔ اور یہی ثبوت ہے حضرت رسول مقبولؐ کے اس فرمانے کا "علمہ علمی وعلمی علمہ ونحن نعلم الکائن قبل کینونتہ" میرا علم حسینؑ کا علم ہے اور حسینؑ کا علم میرا علم۔ اور ہم ہونیوالی بات کو ہونے سے پہلے ہی جان لیتے ہیں +

حسین علیہ السلام اور ظہور و بروز اوصاف محمدی

خلافت نوارث صفات ہے۔ اور حسنینؑ بعد علیؑ ابن ابی طالبؑ خلیفہ رسولؐ و مظہر صفات و آئینہ جمال محمدی ہیں۔ اور معیار خلافت ان میں بدرجہ اتم موجود۔ اسی حقیقت کو جناب مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سر الشہادتین میں بعد ذکر علت عدم شہادت ظاہری رسول خداؐ یوں فرماتے ہیں "فتوجھت عنایۃ اللّٰہ تعالٰی بعد انقضاء ایام الخلافۃ الی ھٰذا الالحاق فاستنابت الحسنین علیھما السلام مناب جدھما علیہما افضل الصلوات والتحیات وجعلتھما

مِنْ اٰیٰتِہٖ لِمُلٰاحَظَتِہٖ وَخَدِیْنِ لِجَمَالِہٖ الخ" بعد انقضاءایام خلافت عنایت الٰہی اس الحاق کی طرف متوجہ ہوئی اور حسنین علیہما السلام کو اپنے جد کا قائم مقام بنایا۔ اور ان کو ملاحظہ کمالات محمدی کے لئے دو آئینے اور مشاہدہ جمال اوصاف نبوی کے لئے دو رخسار قرار دیا +

بلاشک ولاریب کمالات محمدی باتم درجہ و اکمل صورت حسنین سے ظاہر ہوئے خصوصاً سبط اصغر جناب امام حسین سے۔ اور اسی وجہ سے حضرت فرمایا کرتے تھے "حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ" حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے یعنی حسین ہی برحق خلیفہ رسول ہے +

تمام اوصاف محمدی حسین سے ایک روز میں بلکہ چند ساعت میں روز عاشورہ ظاہر ہوئے بلکہ وہ اوصاف بھی جو حضرت سے ظاہر نہ ہوئے تھے اور ذات اقدس میں موجود تھے حسین سے ظاہر ہوئے۔ جیسا کہ محدث موصوف ہی کے کلام سے ظاہر ہے اور واقعات سے ثابت +

اسلامِ حسینی من حیث الدین اول وصف و کمال اسلام ہے۔ دوم ایمان۔ سوم معرفت۔ چہارم عبادت۔ پنجم زہد۔ ششم ولایت۔ بعد ازاں نبوت۔ رسالت۔ اولوالعزمی۔ امامت و ختم نبوت اور اسلام نبی اسلام بلاواسطہ اور اسلام مطلق یعنی وہ مطیع و منقاد مطلق ہوتے ہیں۔ جو کچھ حکم خالق و صانع ہوتا ہے۔ اُسے بے چون وچرا قبول کرنے اور عمل کرنیوالے۔ اس کمال محمدی کی حقیقت کا ظہور حسین سے ہوا۔ جو کچھ خدا نے کہا کیا۔ جو کچھ مانگا۔ دیا۔ جو کچھ چاہا عمل کیا۔ جان مانگی جان دیدی۔ احباب و صحاب کی شہادت قبول کی۔ بیٹوں۔ بھائیوں۔ بھانجوں بھتیجوں کی قربانیاں قبول کیں۔ جوان بیٹا مانگا۔ دیا۔ چھ مہینے کا فدیہ طلب کیا۔ دیا۔ سب سے اہم مرتبہ عزت و ناموس کا ہے۔ مگر حسین نے اُس کو بھی قبول کیا اور عمل کیا۔ بیویوں کی اسیری گوارا کی۔ بہنوں کا قید ہو کر کربلا سے کوفے کوفے سے شام جانا اور دربدر مثل اسیران ترک و دیلم پھرایا جانا قبول کیا۔ بیمار بیٹے کی گردن میں طوق گرانبار و خاردار پہنایا جانا قبول کیا۔ ایک رسی میں بارہ یتیموں اور رضیان بنی ہاشم کا باندھا جانا منظور کیا۔ بہنوں بیٹیوں۔ بھانجوں بھتیجیوں اور بیویوں کی بے پردگی و سر برہنگی قبول کی۔ مال و اسباب کا لٹنا خیموں کا جلنا تسلیم کیا۔ بیٹیوں کے طمانچے کھانا اور کان چیر کر گوشوارے اُتارا جانا قبول کیا۔ ان سب سے زیادہ وطن کی جُدائی۔ قبر رسول سے دُوری۔ دُور دراز جنگل۔ دشت نینوا اور میدان کرب و بلا میں دریا کے کنارے بھوک پیاس سے بچوں کا تڑپنا اور سسکنا اور عالم گرسنگی و تشنگی میں دُنیا سے سفر کرنا منظور۔ اور عملاً ایسا کر کے دکھایا۔ کہ کسی موقع پر کبھی حرف گلہ و شکوہ زبان پر نہ آیا۔ بلکہ جس قدر مصائب بڑھتے جاتے تھے "اِنْبَسَطَ وَجْھُہٗ" آپ کے چہرے پر آثار بشاشت ظاہر ہوتے جاتے تھے۔ اور نور انیت بڑھتی جاتی تھی۔ غرض یہ کہ معنی اسلام گردن نہادن ہیں یعنی آقا کے ہر ایک حکم کے مقابلہ میں سر تسلیم خم کر دینا چنانچہ خدا ذکر اسلام حضرت ابراہیم میں فرماتا ہے۔ اِذْ قَالَ

لہٗ ربُّہٗ اسلِم قال اسلمتُ لربِّ العالمین" جب کہ اس کے پروردگار نے کہا۔ اسلام لاؤ۔ تو کہا میں رب العالمین پر اسلام لایا۔ اس کے ہر ایک حکم کو قبول کیا۔ جو کچھ کہے۔ ماننے اور کرنے کو تیار ہوں۔ ایسا ہی کیا۔ اور راہ خدا میں اپنے محبوب کے ادنیٰ اشارے اور ایک کرشمے پر اپنے ہاتھ سے اپنے فرزند کو ذبح کرنے کو آمادہ ہو گئے۔ نذر قبول ہو گئی۔ اور یہی فعلیت حسینؑ کے لئے مخصوص کی گئی تھی حسینؑ نے دنیا کو بتلا دیا۔ اسلام کی حقیقت کو عالم پر آشکار کر دیا۔ اور دکھلا دیا کہ اسلام کے یہ معنی ہیں۔ اور مسلم اس کو کہتے ہیں۔ کہ آقا کے کسی حکم میں چون و چرا نہیں سب کے آگے سر تسلیم خم ہے۔ اس کے نام پر گھر بار جان و مال عزت و ناموس سب قربان۔ گویا حسینؑ کا ہر ایک فعل زبان حال سے کہ رہا تھا۔ اَسلمتُ لربِّ العٰلمین"۔ "اسلمتُ لالٰہ العٰلمین"۔ کیا کوئی ایسی دوسری مثال اسلام مطلق کی دنیا پیش کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ قدرت نے اس کے لئے آیۂ کمال محمدی حسینؑ بن علیؑ کو ہی مخصوص کیا تھا حسینؑ اطاعت و انقیاد مطلق سے سمجھا رہے تھے۔ کہ ذریت ابراہیمؑ کی وہ امت مسلمہ باسلام نبوتی ہم ہی ہیں۔ جن کا ایک رسول عربیؐ ہے۔ اور جس کیلئے خلیل اللہؑ نے ان الفاظ میں دعا کی تھی "ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک"۔

ایمانِ حسینیؑ

مومنین کی صفات کلیہ و جزئیہ کلام حمید مجید میں اس قدر ہیں۔ کہ اگر سب کو جمع کیا جائے۔ اور نفس حسینیؑ سے مقابلہ و موازنہ کیا جائے۔ تو علیحدہ ایک مکمل کتاب بنے۔ اس لئے کہ جتنی بھی صفات ایمان و مومنین ہیں سب بدرجہ اکمل و اتم ذات حسینیؑ مظہر ذات محمدیؐ میں جمع ہیں۔ مثلاً بعض صفات مومنین یہ ہیں۔ "قد افلح المومنون الذین ہم فی صلوتہم خاشعون الذین ہم عن اللغو معرضون والذین ہم للزکوۃ فاعلون والذین ہم لفروجہم حافظون الا علی ازواجہم او ما ملکت ایمانہم فانہم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ہم العادون والذین ہم لاماناتہم وعہدہم راعون والذین ہم علی صلوتہم یحافظون اولئک ہم الوارثون الذین یرثون الفردوس۔ ہم فیہا خالدون" (المومنون)

تحقیق کہ وہ ایمان والے رستگار ہیں۔ جو نماز میں اپنے پروردگار کے سامنے خشوع و خضوع کرتے ہیں۔ اور لغو باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں (لغت عرب میں لغو کے معنی باطل فحش کلام۔ کذب۔ لہو و لعب اور غنا ہیں۔ اور یہی اکثر تفاسیر میں مروی ہیں)۔ اور جو زکوۃ ادا کیا کرتے ہیں۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کو حرام سے بچائے رہتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں پر کہ ان پر کوئی الزام نہیں ہو سکتا ہے۔ اور مستحق ملامت قرار نہیں پاتے ہیں۔ جو اس کے علاوہ کسی اور طریق سے رفع شہوت چاہتے ہیں۔ وہ حد سے بڑھ جانے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کیا کرتے ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں۔ جو بہشت بریں کے وارث ہونگے۔ اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہینگے۔

اس آیۂ مبارکہ میں مومنین کی چھ خاص صفتیں بیان ہوئی ہیں۔ (۱) نماز میں خشوع و خضوع۔ (۲) لغو سے اعراض۔ (۳) ادائے زکوٰۃ۔

حرام سے اجتناب۔ امانت وعہد کی حفاظت۔ نماز کی پابندی۔ یہ تمام صفتیں ذات اقدس حسینی میں بدرجۂ تمام موجود تھیں۔ اور تمام کا ظہور ہوا۔ بلکہ ان کے جملہ اصحاب باصفا سے یہ تمام صفات ظاہر ہوئیں۔ اور یقیناً یہ بزرگوار وارث فردوس بریں ہیں۔ ان میں سے بعض کو آئندہ عبادت حسین کے موقع پر لکھینگے۔ اور بعض صفات مومنین یہ ہیں۔ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال ع ۱) بس مومن وہی ہیں۔ کہ جب ذکر خدا کیا جاتا ہے۔ تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور اس کی آیات ان پر پڑھی جاتی ہیں۔ تو انکا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ صرف اپنے پروردگار ہی پر توکل رکھتے ہیں۔ اور وہ لوگ نماز کو عالم میں قائم کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ان کا رزق اور قوت ہے۔ اس کو بھی راہ خدا میں دیتے ہیں۔ یہی لوگ سچے اور مومنین برحق ہیں۔ انہی کے واسطے ان کے پروردگار کے پاس درجات عالیہ اور مغفرت اور عزت و آبرو کی روزی ہے"

اس آیت میں پانچ خاص صفتیں مومنین کی بیان ہوئی ہیں۔ اور وہ ایسی ہیں۔ جو عام مومنین میں نہیں پائی جاتیں۔ اول ذکر خدا سے دل کا کانپ اٹھنا۔ دوم تلاوت آیات الٰہی سے ایمان و ایقان کا بڑھ جانا۔ سوم محض خدا پر توکل کرنا۔ چہارم اقامۂ صلوٰۃ۔ پنجم اپنا رزق خاص اور قوت راہ خدا میں دیدینا۔ کیا یہ صفات ایمان عام مومنین میں مل سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ حسین ہی جیسے بزرگواروں سے مختص ہیں۔ اور بعض صفات مومنین یہ ہیں۔ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات ع ۲)" سوائے اس کے نہیں ہے کہ مومن وہی ہیں۔ جو ایمان لاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول پر پھر کبھی اس میں ان کو شک و ریب واقع نہیں ہوا۔ اور جنہوں نے جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کیا۔ یہی سچے مومن ہیں"۔ اس آیت میں مومنین کی تین صفتیں مذکور ہیں۔ اول خدا و رسول پر ایمان لانا۔ دوم عدم شک و ریب فی الایمان۔ سوم راہ خدا میں جان و مال سے جہاد کرنا۔ ان تینوں آیات کو بالترتیب دیکھنے سے معلوم ہوگا۔ کہ پہلی آیت میں عام صفات و عامہ مومنین کے اوصاف ہیں۔ اور دوسری آیت میں خاص صفات اور خاص درجے کے مومنین کے اوصاف ہیں۔ اور تیسری آیت میں اخص ترین اوصاف۔ پہلے عام درجے کے مومنین دوسرے خاص درجے کے اور تیسرے اخص درجے کے۔ اور یہی خاص مومنین صادق ہیں۔ جیسا کہ لفظ "اِنَّمَا" اور "اُولٰٓئِكَ" دال ہیں۔ اور یہ مومنین صادقین وہ ہیں۔ جو مومنین کی اخص ترین افراد ہیں۔ اور جن کی طرف اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے "مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا" یعنی مومنین میں سے یعنی عام اہل اسلام میں سے جو خدا و رسول پر ایمان لائے ہیں چند آدمی ہیں جنہوں نے اپنے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو اپنے خدا سے کیا تھا۔ بعض ان میں سے اپنا فرض ادا کر گئے۔ اور بعض منتظر حکم خدا ہیں۔ اور انہوں نے ذرا تبدیلی

نہیں کی۔ عہد کا پورا کرنا اور عہد مطلق پر قائم رہنا جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اور ہر لحاظ سے پابند عہد رہنا کوئی حسینؑ بن علیؑ سے سیکھے۔ یہ صادقین آباؤ اجداد حسینؑ و اولاد حسینؑ عہد کے پورے امانت کا لحاظ رکھنے والے اور ایمان و اسلام میں صادق رسول صادق امین کے سچے نمونے اور خلیفہ و جانشین ہیں +

صفات مومنین بیشمار ہیں لیکن ہر شے کی ایک میزان اور ہر شے کے لئے ایک کسوٹی اور معیار ہوتا ہے۔ جب اس معیار پر پوری اُتر جائے۔ تو پھر تمام صفات اس کی بیشک و ریب قابل تسلیم ہیں۔ اور معیار ایمان کامل یہی آیہ انیرہے جس میں اخص ترین صفات مذکور ہیں۔ اور اس کی موئید مصرح یہ آیت ہے "اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ" (سورۂ توبہ ع ۱۴)۔ تحقیق اللہ تعالےٰ نے مومنین کی جان و مال کو بہشت بریں کے عوض خرید لیا ہے۔ وہ راہ خدا میں لڑتے ہیں۔ دشمنوں کو قتل کرتے اور پھر راہ خدا میں شہید ہو جاتے ہیں۔ مومنین کی جان و مال سب خدا کا ہے۔ ان کا کچھ نہیں۔ کیا کسی بابصیرت کو اس میں شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ کہ یہ آیت خاص حسینؑ اور اصحاب حسینؑ ہی جیسے مومنین کاملین سے مخصوص ہے۔ مومنین انصاف فرمائیں۔ کہ امام حسینؑ نے اس آیت کے حرف حرف کو پورا کیا یا نہیں؟ ضرور کیا۔ سال راہ خدا میں دیا۔ خیمے جلوائے بعد رسول جلوا دی۔ تبرکات نبویؐ لٹوا دئے۔ نہیں وہ دیا۔ جو کسی نے نہیں دیا۔ بہنوں کی چادریں دیں سکینہؑ کے گوشوارے دئے۔ کبریٰ کا مقنعہ دیا۔ اصغرؑ کی ہنسلیاں اور شلوکہ دیا۔ حتےٰ کہ آخر میں اپنے تن کے کپڑے تک دیدیئے۔ بلکہ بدن مبارک پر پھٹا اور بوسیدہ آخری لباس بھی نہ چھوڑا۔ اور لاش بے کفن ریگ گرم پر خاک و خون میں آلودہ پڑی رہی بھائیوں میں فرزندان مسلم و عقیل دئے۔ گلزار محمدی کے نورسیدہ پھول عونؑ و محمدؑ جیسے بھانجے دئے برج امامت کا بدر تمام اور چودھویں رات کا چاند قاسمؑ ابن الحسنؑ جیسا بھتیجا دیا۔ اٹھتیس برس کا جوان ہم شکل علیؑ قوت بازو عباس علیؑ جیسا بھائی دیا۔ جس کی لاش پر یہ کلمہ فرمایا۔ جو کسی شہید کی شہادت پر نہ فرمایا۔ "اَلْاٰنَ اِنْكَسَرَ ظَهْرِيْ وَقَلَّتْ حِيْلَتِيْ"۔ اب میری کمر ٹوٹ گئی اور قوت کم ہو گئی۔ علی الاکبرؑ جیسا ہم شبیہ پیغمبر فرزند سعادتمند دیا۔ اور علی الاصغرؑ جیسے چھ مہینے کے شیرخوار کو ناکھصوں پر قربان کیا۔ اور سب فدیے۔ تمام نذریں۔ جملہ قربانیاں بارگاہ ایزدی میں پیش کرنے کے بعد عالم یاس و تنہائی میں تین دن کے پیاسے۔ عزیزوں قریبیوں کے ہزاروں داغ دل میں لیکر اپنے عہد کو پورا کر کے داصل برحمت حق ہوئے "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" +

دشمنان خدا سے جہاد کیا۔ سینکڑوں کو فی النار کر کے شہید ہو گئے۔ اور ثابت کر دکھایا محسوس کرا دیا۔ اور عالم کو دکھا دیا کہ مومن ایسے ہوتے ہیں۔ اور ایمان کے یہ معنی ہیں۔ ایمان کی ایک مجسم تصویر عالم کی عبرت کیلئے تیار کر کے چھوڑ گئے۔ حسی طور پر ثابت کر کے بتلا گئے کہ عین ایمان و حقیقت ایمان اول المومنین رسول صادق امین کے سچے نمونے اور

ایمان رسالتی کا مظہر ہم ہی ہیں۔ "یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ"

عبادتِ حسینی ؑ

اس کی تفصیل کے لئے بھی ایک دفتر چاہئے۔ مشہور اور اصول عبادات چھ ہیں۔ اوّل نماز۔ دوئم روزہ۔ سوئم حج۔ چہارم زکواۃ۔ پنجم خمس۔ ششم جہاد۔ ہر ایک عبادت میں حسین ؑ فرد اکمل و افضل العابدین ثابت ہوتے ہیں۔ روزانہ نمازیں پڑھنا۔ اور روزے رکھنا۔ زکواۃ دینا۔ خمس تقسیم کرنا معمول ہی تھا۔ اور مسلمہ اہل اسلام ہے۔ شب و روز میں ہزار رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ جس وقت وضو کے لئے بیٹھتے تھے۔ تو رنگ مبارک زرد و متغیر ہو جاتا تھا اور کانپنے لگتے تھے۔ ایک دفعہ لوگوں نے خدمتِ اقدس میں عرض کیا۔ یا ابن رسول اللہ ؐ آپ اپنے پروردگار سے کس قدر ڈرتے ہیں۔ فرمایا۔ قیامت کے دن اسی کو امن نصیب ہوگا۔ جو دنیا میں اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے (یہی وہ مومنین ہیں جن کے دل ذکر خدا سے کانپ اٹھتے ہیں)۔ نویں محرم الحرام کو جب لڑائی کا یقین ہو گیا۔ اور جنگ ٹھہر گئی۔ تو شب دہم آپ نے صرف عبادت ہی کے لئے مہلت طلب فرمائی۔ اور تمام شب مع اصحاب و اعزا و اقرباء عبادت میں مشغول رہے۔ کبھی نماز تھی کبھی تسبیح کبھی تہلیل کبھی تکبیر اور کبھی تقدیس و تمجید و تحمید الٰہی۔ مؤرخین لکھتے ہیں۔ کہ اس شب خیمۂ حسین ؑ سے ایسی آوازیں آتی تھیں جیسے شہد کی مکھیوں کے چھتے کی بھنبھناہٹ "دوی کدوی النحل" لکھا ہے۔ کہ نصف شب کے قریب بتیس سوار عمر سعد کی کمک کے واسطے قریہ غاضریہ سے آئے جب اس میدان میں پہنچے۔ تو دیکھا۔ کہ ایک طرف کچھ تھوڑے خیمے ہیں۔ ان سے نماز، قرآن، تسبیح و تہلیل و تکبیر کی صدائیں بلند ہیں۔ دوسری طرف لشکر کثیر ہے۔ اور طبل و دف و راگ و رنگ کا شور برپا۔ وہ دو خیمہ گاہوں کے درمیان ٹھہر گئے۔ اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ کہ ہم اس وقت دوزخ و بہشت کے درمیان ہیں۔ ایک طرف بہشت ہے اور دوسری طرف دوزخ۔ جس کو چاہیں اختیار کریں۔ بہشت میں جانے کا فیصلہ کر کے خیمہ گاہ حسینی ؑ کی طرف بڑھے۔ گھوڑوں کی آواز سن کر حضرت عباس ؑ نے للکار کر آواز دی۔ کیونکہ آپ اہل حرم کی حفاظت و پہرے پر مامور تھے۔ کہ کون ہے۔ وہیں ٹھہر جاؤ۔ اور حضرت خود آگے بڑھے۔ حال دریافت کیا۔ انہوں نے اپنا قصہ سنایا۔ اور کہا اب ہم خدمت حسین ؑ میں ان کی نصرت کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔ آپ ؑ نے فرمایا۔ ٹھہر جاؤ۔ میں امام ؑ سے اجازت لیلوں۔ اجازت حاصل کرنے آئے۔ اور ان کو آنے کا اذن دیا۔ لیکن فرمایا کہ دیکھو۔ آہستہ آہستہ آؤ۔ اور ہتھیار اس طرح رکھو کہ ان کی جھنکار پیدا نہ ہو۔ ایسا نہ ہو۔ کہ بچے کھٹکا کر چونک پڑیں اور ڈر جائیں۔ اور مخدرات عصمت و طہارت خائف ہوں (نہ معلوم حضرت ابی الفضل العباس ؑ کا اس وقت کیا حال ہوتا۔ کہ جس وقت یہ دیکھنے کہ نہ خیمے تھے نہ خیموں کے محافظ۔ نہ حسین ؑ تھے اور نہ فرزندانِ حسین ؑ۔ نہ قاسم ؑ تھے نہ علی اکبر ؑ۔ اور ملاعین فرزانہ اس خیمہ گاہِ عصمت و طہارت میں داخل ہو رہے تھے خیمے جلائے جا رہے تھے سر نہیں پردگیانِ عصمت کے

سروں سے چادریں اتارتے تھے۔ کان زخمی کرکے گوشوارے چھینتے تھے۔ بچوں کے طمانچے لگاتے اور نیزوں کی انیاں دکھا دکھا کر ڈراتے تھے۔ وہ فریاد کرتے تھے۔ اور کوئی ان کی فریاد کو نہ پہنچتا تھا۔ وہ روتے تھے اور کوئی ان پر رحم نہ کرتا تھا۔ واجداہ واجداہ کی صدائیں (زمین و آسمان ہلا رہی تھیں) یہی مومنین ہیں۔ جو نماز میں خشوع و خضوع اور لغو سے اعراض کرتے ہیں +

یہ تو شب عاشورہ کی عبادت تھی۔ مگر روز عاشور کی عبادت کچھ اور ہی شان رکھتی تھی۔ اس کی نظیر تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی۔ روز عاشور تین نمازیں ادا فرمائی ہیں۔ **اوّل** نماز صبح ہے۔ یہ نماز جماعت سے ادا کی تھی۔ تمام اصحاب و احباب و عزیز و اقربا صف بستہ تسبیح کے دانوں کی طرح اس امامؑ کے ساتھ شریک عبادت و تسبیح و تکبیر تھے۔ غازی خشوع و خضوع کے ساتھ نماز میں مشغول تھے۔ اور لشکر کفار سے تیر آ آ کر نمازیوں کی صف اور امامؑ کے مصلّے پر گر رہے تھے۔ **دوسری** نماز نماز ظہر تھی۔ اس وقت بہت سے اصحاب واحباب جدا ہو چکے تھے۔ یہ تسبیح شکستہ ہو چکی تھی۔ اور اس کے دانے دشت کرب و بلا کی جلتی زمین پر خون سے رنگین جا بجا بکھرے پڑے تھے۔ ابو ثمامہ نے نماز کے وقت کا ذکر کیا۔ اور نماز کی خواہش کی۔ آپ نے دعا دی کہ خدا تمکو نمازگزاروں میں شمار کرے۔ یہ نماز بھی جماعت سے ہوئی۔ مگر کس طرح بنماز خوف۔ چند اصحاب شریک جماعت تھے۔ اور دو جاں نثار امامؑ کے آگے کھڑے تھے۔ جو تیر آتا تھا دوڑ کر اپنے سینے پر لیتے اور امامؑ سے روکتے تھے۔ جس وقت امامؑ نے نماز ختم کی ہے۔ تو ان بزرگواروں میں سے ایک بزرگوار یعنی سعد ابن عبد اللہ الحنفی تو ایسے زخمی ہوئے۔ کہ نماز امامؑ ختم ہوتے ہی جاں بحق تسلیم ہوئے۔ اور دوسرے بزرگوار یعنی زہیر ابن قین زخمی ہوکر میدان کارزار کی اجازت لیکر سرگرم کارزار ہوئے۔ اور ایک سو بیس ملاعین کو قتل کر کے کثیر بن عبد اللہ الشعبی کی ضرب سے فائز شہادت ہوئے۔ **تیسری** نماز عصر ہے۔ یہ نماز اس وقت ادا کی ہے۔ جبکہ حسینؑ بالکل یکہ و تنہا رہ گئے ہیں۔ اور کوئی یاور و انصار باقی نہیں ہے۔ ؎

نہ مونسے نہ انیسے نہ کثرۃ الناسے
نہ قاسمے نہ علی اکبرے نہ عباسے

بلکہ بعض روایات کی رو سے یہ نماز اس وقت ادا کی ہے۔ جبکہ شمر ملعون سینۂ اقدس پر تھا۔ اور اس سے نماز کی اجازت طلب کی ہے۔ زخموں سے چور چور تھے۔ بلکہ روایات میں آیا ہے۔ کہ سجدے کے لئے زمین پر جھک نہ سکتے تھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ جسم اقدس تیروں سے مثل ساہی کے ہو رہا تھا۔ یہ آخری نماز تھی اور آخری سجدہ۔ اس سجدے میں یہ فرما رہے تھے۔ اَللّٰھُمَّ مُتَعَالِ الْمَکَانِ عَظِیْمُ الْجَبَرُوْتِ شَدِیْدُ الْکِبْرِیَاءِ۔ اَنَا عِتْرَۃُ نَبِیِّکَ وَوَلَدُ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَقَدْ خَذَلُوْنَا وَطَرَدُوْنَا وَعَدَوْا عَلَیْنَا وَقَتَلُوْنَا اِلٰی اٰخِرِ الْحَدِیْثِ۔ یعنی فرماتے ہیں۔ اے صاحب بلندی و عظمت و جبروت و کبریا پروردگار۔ میں تیرے

نبیؐ کی عترت اور تیرے حبیبؐ محمد مصطفےٰ کا فرزند ہوں۔ میرے نانا کی امت نے ہم کو ذلیل و آوارہ وطن کیا۔ اور ہمیں فریب دیا۔ اور بیوفائی کی۔ اور ہم کو قتل کیا۔ الخ" ؎

سر دیا سجدۂ باری میں تھے عابد ایسے
زہد کہتا ہے کہ دیکھے نہیں زاہد ایسے

یہ آخری نماز اور آخری سجدہ تھا۔ یہ معمولی نماز نہ تھی۔ بلکہ اقامہ صلوٰۃ کے حقیقی معنی اور اس کی مجسم تصویر تھی۔ اس فعل سے دنیا والوں کو دکھا رہے ہیں اور سمجھا رہے تھے۔ کہ نماز ایسی چیز ہے۔ کہ کسی حال میں ترک نہیں ہو سکتی۔ دشمنوں کے حلقے تیروں کی چھاؤں اور تلواروں کے سائے میں بھی ادا کرنی ضروری ہے۔ اقامہ نماز کے یہی معنی ہیں اور دنیا میں نماز کو قائم کرنیوالے ہم ہیں۔ ہم وہ ذریت خلیلؑ اور اولاد ذبیح اللہ اسمٰعیلؑ ہیں جن کے لئے دعا کی تھی۔ اور فرمایا۔ "رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" پروردگارا میں نے اپنی بعض ذریت کو اس وادی بے زراعت میں تیرے خانہ محترم مکۃ اللہ الحرام کے پاس سکونت پذیر کیا ہے۔ پروردگارا اس لئے کہ یہ دنیا میں نماز کو قائم کریں +

آپؑ گویا اس عمل سے بتلا رہے تھے۔ کہ وہ طائفین و عاکفین و راکعین و ساجدین ہم ہی ہیں۔ جن کیلئے خانہ کعبہ کی تطہیر کا خلیلؑ کو حکم تھا۔ "وَطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعَاكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ" +

روزہ۔ دنیا میں بہت سے صابرین و صالحین گزرے ہیں۔ خصوصاً حضرت رسول مقبولؐ۔ مگر جو روزہ روز عاشور حسینؑ نے رکھا ہے۔ اس کا نہ جناب رسولؐ کو موقع ملا۔ اور نہ علی مرتضےٰؑ کو نصیب ہوا۔ نہ رسولؐ دنیا سے روزہ دار اٹھے۔ اور نہ علیؑ صائم راہی جنت ہوئے۔ صرف حسینؑ شہید ہی ایسے روزہ دار ہیں۔ جو دنیا سے روزہ دار گئے۔ اور دو دن کے پیاسے سدھارے۔ وہ جنگ کی شدت۔ گرمی کی حدت و زخموں کی حرارت عزیزوں کے داغوں کی سوزش اور اس پر پیاس کی سختی۔ روایات میں ہے۔ کہ جب حضرت علی اکبرؑ اول حملے کے بعد شدت تشنگی سے مجبور ہو کر حاضر خدمت امامؑ ہوئے اور پانی طلب کیا۔ تو فرمایا۔ بیٹا اپنی زبان میرے منہ میں دیدو۔ علی اکبرؑ نے ایسا ہی کیا۔ اور فوراً زبان دہن مبارک سے نکال کر فرمایا۔ آپ کی زبان میں تو میری زبان سے بھی زیادہ کانٹے پڑے ہوئے ہیں۔ فرمایا۔ بیٹا جاؤ تمہیں تمہارے نانا حوض کوثر سے سیراب کرینگے۔ اس شدت تشنگی پر باوجودیکہ گھاٹ لیلیا۔ اور دریا میں داخل ہو گئے۔ مگر پیاس نہ بجھائی۔ برابر صابر رہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ حقیقت صوم کے ثابت کرنے کا دن تھا۔ دکھانا تھا کہ روزہ یوں رکھا جاتا ہے۔ اور اس عمل سے اس آیت کے معنی سمجھا رہے تھے۔ "اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ" صبر اور صلوٰۃ سے استعانت کرو دکھا رہے تھے۔ کہ صبر اس صوم کو کہتے ہیں۔ اور صلوٰۃ وہ ہے جو ہم ادا کرتے ہیں۔ کیا کسی نے ایسا روزہ رکھا ہے؟ نہیں عنایت خدا نے حسینؑ ہی کو ظہور کمالات محمدیؐ کے لئے مختص فرمایا تھا۔ اور ملاحظہ جمال محمدیؐ کے لئے آئینہ قرار

دیا تھا۔ کہ اس آئینہ میں عکس محمدؐ دیکھنا چاہئے ۔

حج ۔ مؤرخین لکھتے ہیں۔ کہ امام حسینؑ نے پچیس حج پیادہ پا کئے تھے۔ جب کہ کوتل سواریاں ساتھ ہوتی تھیں۔ مگر جو مناسک حج روز عاشورا ادا کئے ہیں وہ پہلے نہ کئے تھے۔ جو احرام یہاں باندھا تھا وہ مکہ میں کبھی نہ باندھا تھا۔ وہاں سر سے پاؤں تک لپیٹنے کو ایک لنگ ہوتا ہے۔ یہاں جس وقت عازم الی اللہ ہوئے ہیں۔ تو بہن سے بوسیدہ و پرانے کپڑے منگا کر پہنے۔ وہاں آوا نا براہیمیؑ اور دعوت الی اللہ پر تلبیہ (لبیک) کہتے ہیں۔ یہاں جب کوئی شہید راہ خدا گھوڑے سے گرتا تھا اور فریاد کرتا تھا۔ "یا مولای ادرکنی"۔ "اے آقا دوڑو۔ اور میری خبر لو۔ امام مظلومؑ لبیک کہتے ہوئے بے اختیار دوڑتے تھے۔ یہاں جو قربانیاں دیں۔ وہ قربانیاں نہ تھیں جو منیٰ میں دی جاتی تھیں۔ یہ وہ قربانیاں تھیں۔ جن کے لئے ارض نینوا مخصوص تھی۔ وہاں گوسفند دیتے تھے۔ یہاں دلبند و جگر بند اور اصغرؑ و اکبرؑ جیسے فرزند۔ وہاں شتر قربان کرتے تھے۔ یہاں عباسؑ جیسے بہادر برادر فدیہ دئیے۔ گویا ثابت کر رہے تھے۔ کہ طائفین و عاکفین ہم ہی ہیں ۔

زکوٰۃ واجب تو ایک طرف سنت بھی ادا فرماتے تھے۔ بلکہ محض تبرعاً بھی بہت کچھ دیتے تھے۔ حتیٰ کہ روز عاشور بھی ایسا کیا۔ ملاحظہ ہو قصہ محمد بن بشر حضرمی۔ کہ اس کا بیٹا سرحد رے میں اسیر ہو گیا تھا۔ اطلاع پا کر محزون ہوئے۔ امامؑ نے وجہ دریافت کی۔ اور بعد ازاں فرمایا۔ تم جاؤ۔ میں نے اپنی بیعت تم سے اٹھالی۔ اپنے بیٹے کو چھڑاؤ۔ تو قَالَ اَكَلَتْنِي السِّبَاعُ حَيًّا اِنْ فَارَقْتُكَ "اگر میں آپ کے قدموں سے جدا ہوں۔ تو مجھ کو زندہ ہی کو درندے پھاڑ کھائیں۔ فرمایا۔ اچھا تم اپنے دوسرے بیٹے کو بھیج دو۔ کہ وہ اپنے بھائی کو چھڑا لائے۔ اس پر اس نے تامل کیا۔ تو آپؑ نے سمجھا۔ کہ اس کے پاس روپیہ نہیں ہے۔ پانچ حلے لاکر دئے جو ہزار دینار کی قیمت کے تھے۔ اور فرمایا۔ جا ان کو فروخت کر کے اور فدیہ دے کر اپنے بھائی کو چھڑا لا۔ سبحان اللہ خود نرغۂ اعداء میں اسیر ہیں۔ اور شام کو تمام اہلبیتؑ اسیر ہونیوالے ہیں۔ اور خود اسیروں کو چھڑانے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ کیا اس سے افضل کوئی زکوٰۃ ہو سکتی ہے؟ کیا ہمدردی۔ ایثار اور رفاقت کی کوئی اور ایسی مثال دنیا میں مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں کہ اپنی خاص قوت اور رزق بھی دیدیتے ہیں۔ بلکہ دشمنوں کو سیراب کرتے اور خود پیاسے رہتے ہیں۔ اور وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے سچے مصداق ہیں۔ اور ان کے افعال ان کی صداقت کی دلیل روشن ہیں۔ کیا کوئی جاحد و منکر صداقت کے اس آفتاب و ماہتاب پر توہمات و قیاسات کی گرد ڈالکر انہیں گرد آلود کر سکتا ہے؟ اور لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈال سکتا ہے؟ حاشا و کلا۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب ۔

جہاد۔ جہاد حسینیؑ مشہور و معروف عالم ہے۔ اور موافق و مخالف اس کے معترف ہیں۔ اور منکر اسلام

اس کے مقربساورشجاعت حسینؑ مشہور آفاق۔ اس شدت تشنگی وگرسنگی میں عزیزوں کے داغ اور زخمہائے جگر کی سوزش۔ میدان کارزار کی حرارت اور آفتاب کی حدت۔ تنہائی کے عالم اور چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہوئے پر ایسی جنگ کرنا اور یہ شجاعت دکھانا حسینؑ ہی کا کام تھا۔ اس کا متحمل محمدؐ ہی کا جگر بند ہو سکتا تھا۔ لکھا ہے۔ کہ جب آپ بیکہ وتنہا رہ گئے۔ تو اسپ رسولؐ پر سوار ہو کر عمامۂ رسولؐ باندھ کر زرہ زیب تن فرما کر۔ ذوالفقار کمر میں باندھ کر نیزہ ہاتھ میں لیکر اور ڈھال زیب پشت فرما کر یعنی تمام تبرکات ورثۂ نبوی ہمراہ لیکر کفار کے مقابل آئے۔ گویا اُن دل کے اندھوں کو جو صفات باطنیہ سے نہیں سمجھ سکتے کہ یہی وارث رسولؐ و خلیفہ رسولؐ ہیں۔ علائم ظاہری و تبرکات و ورثۂ نبوی دکھلا کر سمجھا رہے تھے۔ کہ میں ہی حقیقی جانشین پیغمبرؐ اور دو لبند حیدرؑ اور وارث حمزہؓ و جعفرؓ ہوں۔ کفار کو پند و نصیحت کی۔ اور حق تمام حجت ادا کیا۔ ان گمراہوں کو نصیحت امام کب قبول ہوسکتی تھی۔ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ۔ لڑائی کے لئے آمادہ ہوئے۔ اور آخر میں تین خواہشیں کیں۔ فرمایا۔ تم مجھے اجازت دو کہ میں یہاں سے نکل جاؤں۔ اور واپس وطن چلا جاؤں۔ یا کسی اور ملک کی طرف چلا جاؤں۔ اس کو قبول نہ کیا۔ پھر فرمایا۔ اگر تم نے مجھ کو ہی قتل کرنا ہے۔ تو تھوڑا سا پانی مجھے دیدو۔ یہ بھی قبول نہ کیا۔ پھر فرمایا۔ اچھا یہ بھی منظور نہیں۔ تو مجھ سے ایک ایک لڑنے کو آتے۔ اس کو قبول کیا۔ پہلے جو شخص آیا۔ اُس کو ایک ہی وار میں دو نیم کر کے فی النار کیا۔ پھر دو دو آئے۔ اُن کو بھی ایک ایک وار میں واصل جہنم کیا۔ یہاں تک کہ دس دس آئے سب کو فی النار کیا۔ اور اُسی مقام پر کھڑے کھڑے تو سو پچاس ناری واصل جہنم کئے اور اتنے عرصے میں ایک زخم جسم مبارک پر نہ کھایا۔ جب یہ حالت دیکھی۔ تو شمر نے عمر سعد سے کہا۔ کیا دیکھ رہا ہے یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ انزع البطین کا فرزند ہے۔ اگر اسی طرح لڑتا رہا۔ تو ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑیگا۔ فوج کو حکم دے۔ کہ چاروں طرف سے حملہ کرے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ چاروں طرف سے تیس ہزار فوج گھر آئی۔ مگر آپ نے ایسے سخت حملے کئے۔ اور ایسی شکست دی کہ بعض روایات کے مطابق آخری حملے میں فوج کی پچھاڑی ذوالکفل تک پہنچ گئی تھی۔ جو اس مقام سے جہاں امام حسینؑ نے اپنا نیزہ گاڑا ہوا تھا بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور بعض روایات کی رو سے نوالویس تک پہنچ گئی تھی۔ ان حملوں میں بیشمار آدمی فی النار کئے مگر اُنیس سو پچاس ۱۹۵۰ اکثر تواریخ میں مندرج ہیں۔ اور مجروحین اس کے علاوہ ہیں۔ اور اس عرصہ میں ایک زخم بھی نہ کھایا تھا۔ اس وقت تک زخمی نہ ہوئے۔ جب تک یہ آواز نہ سنی۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔ "اے ایمان والو۔ اپنے عہدوں کو پورا کرو۔" فوضع یدہ علی یدہ وکف عن القتال وقال انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ آواز سن کر فوراً لڑائی سے ہاتھ روک لیا۔ اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "انا للہ الخ" وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ۔ یہی وہ شجاعت ہے جو فوق شجاعت بشری اور علامت امامت ہے۔ یہ وہ

جہاد ہے جس کو حق جہاد فی سبیل اللہ کہا گیا ہے۔ امام حسینؑ اپنے اس جہاد سے بتلا رہے تھے۔ کہ جَاهِدُوا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کے مصداق مومنین کاملین ہم ہی ہیں +

معرفتِ حسینیؑ

معارف میں سب سے مقدم اور سب کی اصل معرفتِ باری تعالےٰ ہے۔ اور وہی اصل مقصود۔ بلکہ مقصود خلقتِ انسانی بلکہ مقصود خلقت عالم معرفت مبدء فیاض ہی ہے۔ اس کی تفصیل ایک مستقل کتاب کو مقتضی ہے۔ مگر شناخت عارف و معرفت یہ ہے۔ کہ جب عارف مرتبۂ معرفت میں کامل ہو جاتا ہے۔ تو اس کو سوائے خدا کے اور کچھ یاد نہیں رہتا۔ اور دل میں سوائے اس محبوب کے اور کسی کی جگہ نہیں رہتی۔ دھن دولت۔ جان و مال۔ عزیز و اقربا۔ کنبے قبیلے۔ گھر بار سب سے زیادہ محبوب ہو جاتا ہے۔ نہیں محبوب صرف وہی ہوتا ہے۔ اور سب چیزیں اس پر قربان۔ اور اس پر فدا ہونا اور محبوب پر جان نثار کر دینا اصل مقصود زندگی سمجھتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر محبوب کی راہ میں اور محبوب کی خاطر ہر ایک رنج و غم و مصیبت و مشقت و اذیت آرام و راحت معلوم ہوتی ہے۔ اطمینان کلی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور توکل تام پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس سے دُنیا و مافیہا کو ہیچ سمجھتا ہے۔ اس کے استقلال۔ استقامت۔ ارادے اور عزم میں کوئی امر مانع و عائق نہیں ہو سکتا۔ عارفین و عاشقین خدا جانتے ہیں۔ کہ اس معنی کی حقیقت کو حسینؑ ہی نے اپنے فعل سے ثابت کر کے دکھایا ہے۔ معرفت کا نمونہ دُنیا میں قیامت تک کے لئے قائم کر دیا۔ اور بتلا دیا۔ کہ عارف باللہ ایسے ہوتے ہیں۔ عارف خدا یُوں خوشی سے اس کی راہ میں گھر لُٹایا کرتے ہیں۔ اس طرح نوجوان بیٹے کو خود ہتھیار لگا کر قربان گاہ الٰہی میں بھیجتے ہیں۔ یوں شیر خوار کو ہاتھ پر لیکر ہدف تیر ظلم بنا کر گردن چھدا کر فدا کیا کرتے ہیں۔ عارف خدا اسی پر عزت و ناموس بھی قربان کر دیتے ہیں۔ ان کا صرف وہی مطلوب ہوتا ہے۔ اور وہ صرف وجہ اللہ ہی چاہتے ہیں۔ یہ دُنیا داروں۔ حکومت کے طلبگاروں اور ملک گیری کے عاشقوں کا کام نہیں ہے۔ صرف اللہ والے ایسا کیا کرتے ہیں حسینی معرفت و فنا فی الرسولؐ و فنا فی اللہ ثابت کر رہی ہے۔ کہ معرفت رسولؐ کے مظہر تام اور اس کے قائم مقام برحق یہی ہیں +

زہدِ حسینیؑ

زہد کے معنی یہ ہیں۔ کہ عارف بعد طے کرنے مرتبہ معرفت راجع و متوجہ الی اللہ ہوتا ہے۔ اور دُنیا کو ترک کر دیتا ہے۔ بلکہ طلاق بائن دے دیتا ہے۔ اور زخارف دنیویہ اس کو اپنی طرف کسی حال میں مائل نہیں کر سکتیں۔ یعنی ذات حسینؑ میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ خود ان کی معرفت اس پر شاہد ہے۔ اور عمل روز عاشورہ زہد حسینؑ کی مجسم تصویر ہے۔ دُنیا کو ایسا ترک کیا۔ کہ چند گھنٹے میں گھر بار سب لُٹا دیا۔ کوئی شے دُنیاوی نہ رکھی۔ "المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا" مال اور اولاد دُنیا کی زینتیں ہیں۔ ان دونوں کو راہِ خدا میں حسینؑ نے دیدیا۔ اور دولت دُنیا اور

زینت دُنیا سے کچھ بھی پاس نہ رکھا حتٰے کہ آخری وقت تن اقدس پر لباس دُنیا بھی باقی نہ رہا۔ اور لکھا ہے کہ وہ بوسیدہ اور پھٹے ہوئے کپڑے جو امام مظلومؑ نے رخصت آخری کے وقت تمام لباس کے نیچے پہنے تھے۔ ملاعین نے وہ بھی جسم اقدس پر نہ چھوڑے۔ اور لاش مقدس برہنہ ریگ گرم پر پڑی چھوڑ دی۔ اور دُنیا سے سدھارتے وقت کوئی دُنیاوی چیز حسینؑ کے ساتھ نہ رہی۔ ع

سر دیا سجدۂ باری میں تھے عابد ایسے ✦ نہ کہتا ہے کہ دیکھے نہیں زاہد ایسے

ولایت حسینیؑ عارف جب مرتبہ معرفت پر پہنچ کر دُنیا کو ترک کر دیتا اور صرف خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تو بحکم "مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ" جو خدا کا ہو جائے۔ خدا اس کا بن جاتا ہے۔ وہ خدا کے لئے تمام چیزوں کو چھوڑتا ہے۔ نفس کو مارتا ہے۔ خواہشات کو ترک کرتا ہے۔ تمام چیزیں چرند و پرند و جن و انس دریا و پہاڑ زمین و آسمان عقول و ارواح اس کے زیر حکم و تحت حکم ہوتی ہیں۔ اور وہ ولی و متصرف۔ اس کی آواز ہر ایک شے سنتی ہے۔ اور وہ ہر ایک آواز کو سنتا ہے۔ اور وہ ہر ایک کو دیکھتا ہے (یاد رہے کہ یہ مرتبہ ولایت مطلقہ صرف ان ائمہ کو حاصل ہے۔ جو مظہر کامل ولی مطلق خداوند عالم ہیں۔ کہ فرماتا ہے "اَللّٰہُ ھُوَ الْوَلِیُّ" اور ان کی شان میں فرماتا ہے "اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ"۔ اور باقی تمام انبیاء ولایت جزئیہ رکھتے ہیں۔ اور حسب اختلاف مراتب نبوت ولایت میں بھی متفاوت درجے رکھتے ہیں۔ یہ مرتبہ ان فرضی مدعیان ولایت کو حاصل نہیں ہے۔ جو ہر ایک فسق و فجور کے مرتکب ہوتے اور مریدوں کے سامنے دعوے ولایت کرتے ہیں (ایں زمیں را آسمانے دیگر ست) معنی تصرف یہ ہیں۔ کہ جس وقت حضرت خلیل اللہؑ امام بنائے گئے۔ اور حکم ہوا کہ آواز دو۔ اور لوگوں کو حج کے لئے بلاؤ "وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ الخ" تو آپ نے آواز دی۔ اور تمام انسانوں نے سنی۔ کن انسانوں نے؟ جو ابھی شکم مادر ہی میں تھے۔ نہیں انہوں نے جو ابھی صلب پدر میں نطفہ ہی تھے۔ نہیں بلکہ انہوں نے جو ابھی عالم برزخی و ذری ہی میں تھے۔ اور لبیک کہا۔ جس نے اُس وقت آواز ابراہیمیؑ پر لبیک کہا وہی اب حج کو جاتے ہیں۔ اور جنہوں نے اس وقت لبیک نہ کہا۔ وہ نہیں جاتے۔ اور اسی آواز پہ حاجی تلبیہ (لبیک) کہتے ہیں ✦

یہی آواز روز عاشورہ حسینؑ نے بھی دی تھی۔ یعنی جس وقت باواز بلند استغاثہ فرمایا "ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا وَھَلْ مِنْ مُغِیْثٍ یُغِیْثُنَا" آیا ہمارا کوئی ناصر و مددگار ہے۔ جو ہماری نصرت کرے۔ اور کوئی فریاد رس ہے۔ جو ہماری فریاد کو پہنچے۔ یہ آواز ذرات عالم کو پہنچی۔ ارکان عالم متزلزل ہوئے۔ اور تمام جن و ملائکہ قدوسیین نصرت حسینؑ کے لئے میدان کربلا میں پہنچے (افسوس ہے۔ کہ ہماری یہ کتاب اس مقصد کے لئے

موضوع نہیں ہے۔ ورنہ ہم کو ان امور کو مفصل لکھتے اور بدلائل قطعیہ ثابت۔ اہل ایمان کے لئے یہاں اشارہ کافی ہے) یہی معنی ولایت۔ اور اس کو تصرف کہتے ہیں۔ اور یہ ہے مظہر ولایت نبوی و امامت ابراہیمیؑ "اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ"۔

ختم نبوت و رسالت و امامت

نبوت و رسالت من حیث التنزیل حضرت خاتم النبیینؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو چکی۔ یعنی کوئی نیا حکم شرعی نازل نہ ہوگا جس کی تبلیغ پر کوئی نبی مبعوث ہو لیکن تبلیغ احکام محمدی۔ بس وہ تا قیام قیامت جاری ہے۔ اور عہدۂ امامت باقی۔ اور یہی خلیفۂ نبی کا کار خاص ہے۔ حسینؑ مظہر ختم نبوت و رسالت ہیں۔ حسینؑ نے اس تبلیغ کو انجام دیا۔ خطبات میں بعد اثبات توحید و صفات باری تعالےٰ و نبوت خاتم النبیینؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم و دیگر معارف دین چند مرتبہ مخالفین و دشمنان دین کو نصیحت فرمائی۔ اور اتمام حجت کیا۔ غرض نبوتی ادا کیا۔ فعلاً چند گھنٹے میں وہ کر کے دکھایا۔ جو حضرت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تئیس ۲۳ سال میں پہنچایا تھا۔ تمام اعمال کر کے نمونہ دکھا دیا۔ کوئی عمل خیر از قسم واجب و مستحب جو اس دن ہو سکتا تھا ایسا نہیں ہے جس کو حسینؑ نے نہ کیا ہو بعض مذکور ہو چکے۔ اور بعض انشاء اللہ کسی اور صورت سے ہدیۂ ناظرین ہوں گے۔ اس میں گنجائش نہیں۔

صبر حسینیؑ و ثبوت امامت

سابقاً عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ شناخت امامت صبر ہے۔ کیونکہ صبر فرع علم ہے۔ اور علم معیار نبوت و امامت۔ جو صبر میں کامل ہے۔ وہی امام ہے۔ یوں تو حسینؑ تمام اوصاف محمدی میں نمونہ محمدی ہیں۔ مگر ظہور صبر محمدی خصوصیت سے ذات حسین علیہ السلام سے مخصوص ہے۔ دوسرے خلفائے رسولؐ و ذریت پیغمبرؐ کو یہ واقعات پیش نہیں آئے۔ جو حسین علیہ السلام کو آئے۔ صبر کی تین قسمیں ہیں۔ ایک مطلق صبر ہے۔ جو عام مومنین کے اوصاف میں داخل ہے۔ دوم صبر جمیل۔ اور وہ صبر انبیاء علیہم السلام ہے۔ چنانچہ قول حضرت یعقوب علیہ السلام ہے۔ "فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ"۔ سوم صبر حسن ہے۔ اور وہ صبر جناب خاتم النبیینؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اور مظہر اس صبر کا خلیفہ برحق رسول حسینؑ بن علی بن ابیطالبؑ۔

پھر صبر باعتبار متعلقین چند قسم پر ہے۔ مثلاً صبر در ابتلاآت۔ صبر در مصائب و شدائد۔ صبر در مقامات خوف۔ صبر در تشنگی و گرسنگی و نقص اموال و نفوس و ثمرات وغیر ذالک۔ "وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ الخ"۔ حسینؑ بن علیؑ سے روز عاشورہ ہر ایک

قسم کا صبر ظاہر ہوا یعنی در ابتلاآت مصائب و شدائد و خوف و بھوک و پیاس و نقصان جان و نقصان مال و نقصان ثمرات القلوب و ثمرات الفواد۔ اور امام ہر ایک موقع صبر میں صابر و ثابت قدم ہے۔ بلکہ وہ صبر دکھایا۔ کہ ملائکہ آسمان تعجب کرنے لگے۔ ایک دن نہیں بلکہ چند گھنٹے میں ان تمام مصائب و شدائد وابتلاآت میں قائم و صابر و ثابت رہنا حسینؑ بن علیؑ دلبند رسولؐ ہی کا کام تھا۔ انبیاء علیہم السلام تمام صابر گزرے ہیں۔ اور خدا "کُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِیْنَ" فرماتا ہے۔ مگر حسب اختلاف درجات نبوت و امامت صبر بھی درجات مختلف رکھتا ہے۔ اور صبر انبیاء اولوالعزم صبر انبیاء غیر اولوالعزم سے افضل ہے۔ مگر باوجود صابرین ہونے کے بعض اوقات اُنہوں نے رفع مضرت و تکلیف کی دعا کی ہے۔ مثل حضرت ایوب علیہ السلام "رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ" کہنے لگے تھے۔ مگر حسینؑ ابن علیؑ نے کبھی رفع تکلیف کی بھی خواہش نہیں کی۔ جب مصائب و شدائد کی زیادتی و شدت ہوتی۔ تو حضرتؑ خیمۂ عبادت کی پشت پر تشریف لے جاتے۔ اور ریش مبارک ہاتھ میں لیکر فرماتے "رِضًا بِقَضَائِہٖ وَتَسْلِیْمًا لِاَمْرِہٖ"۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھوک پیاسے نہایت بیکسی کے عالم میں آنکھوں کے سامنے ذبح ہوتے ہیں۔ مگر اُف نہیں کرتے۔ نہ چہرہ پر حزن و ملال۔ نہ لب پر حرف شکایت۔ ابن تمیم کہتا ہے "میں نے کسی دل شکستہ کو مثل حسین علیہ السلام جری و پُر دل نہیں دیکھا۔ کہ جس کے بھائی۔ بھانجے بھتیجے۔ بیٹے سب قتل ہو گئے تھے۔ اس نے مثل شیر غضب ناک حملہ کیا۔ اور نہر علقمہ میں داخل ہو گیا۔ صبر و شجاعت حسینؑ مسلّم عالم ہے +

حضرت خلیل اللہؑ صبر میں خاص درجہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ فرزند کا ہاتھ سے ذبح کرنا آسان کام نہیں ہے۔ مگر اوّل فرزند سے دریافت فرماتے ہیں۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ تمہاری اس میں کیا رائے ہے "قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ" اے پدر بزرگوار۔ جو کچھ حکم ہے۔ کر گزریئے۔ مجھے انشاء اللہ صابرین میں سے پائیگا +

شہادت علی اکبرؑ

مگر صبر حسین علیہ السلام کربلا میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔ یہاں نہ مشورہ ہے نہ استفسار۔ گھر سے ذبح کرانے کو لائے

جب بنی ہاشم کی باری آئی۔ سب سے پہلے آپؑ نے علی اکبرؑ ہی سے فرمایا۔ "یَا بُنَیَّ تَقَدَّمْ"۔ بیٹے بڑھو میدان کو جاؤ۔ سید بن طاؤس اپنی کتاب "لہوف" میں اور ابن اثیر "کامل" میں اور دیگر محدثین و مورخین فریقین

لکھتے ہیں۔ کہ حضرت علیؑ الاکبر علیؑ بن الحسینؑ خاندان بنی ہاشم میں سب سے پہلے شہید ہیں۔ اور زیارت ناجیہ مقدسہ سے بھی یہی ثابت ہے۔ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَوَّلَ قَتِیْلٍ مِنْ نَسْلِ خَیْرِ سَلِیْلٍ مِنْ سُلَالَۃِ اِبْرَاھِیْمَ الْخَلِیْلِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَعَلٰی اَبِیْکَ"

اور ابوالفرج نے بھی "مقاتل الطالبین" میں یہی لکھا ہے۔ "اَوَّلُ قَتِیْلٍ مِنْ وُلْدِ اَبِیْ طَالِبٍ مَعَ الْحُسَیْنِؑ اِبْنُہٗ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَیُکْنٰی اَبَا الْحَسَنِ وَاُمُّہٗ لَیْلٰی بِنْتُ مُرَّۃَ۔" یعنی اولاد ابی طالبؑ میں سے حسین علیہ السلام کے ساتھ پہلا شہید ہونے والا ان کا فرزند (علی الاکبرؑ) ہے جس کی کنیت ابوالحسنؑ اور والدہ لیلی بنت مرہ ہیں ✦

غرض امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے فرزند کو تبرکات نبوت و امامت سے مزین کر کے میدان کو بھیجا۔ اور وقتِ روانگی آپ پیچھے پیچھے اسی طرح جاتے تھے جس طرح حاجی گوسفند قربانی کو قربان گاہ میں لے جاتے ہیں۔ اور فرماتے تھے۔ "اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَیْھِمْ غُلَامٌ اَشْبَہُ النَّاسِ خَلْقًا وَّخُلْقًا وَّمَنْطِقًا بِرَسُوْلِکَ کُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی نَبِیِّکَ نَظَرْنَا اِلٰی وَجْھِہٖ الخ" بار الٰہا تو اس قوم پر گواہ رہنا۔ کہ اب ان کی طرف جہاد کو وہ فرزند رسول صلعم نکلا ہے۔ جو خلق و خُلق و رفتار و گفتار میں تمام لوگوں کی نسبت تیرے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مشابہ ہے۔ خداوندا جب ہم تیرے نبی صلعم کے مشتاق ہوتے تھے۔ تو اس کے چہرے کو دیکھ لیتے تھے۔ پروردگارا اپنی رحمت ان سے قطع کر۔ اور برکات زمین سے محروم رکھ۔ اور اُن کو پراگندہ کر۔ اور حکام کو ان سے خوش نہ رکھ۔ کہ اُنہوں نے اوّل ہم کو بلایا۔ اور جب ہم آئے۔ تو ہم پہ تلواریں لیکر چڑھ آئے۔ اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرَاھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّۃً بَعْضُھَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ"۔ اس سے مطلب حضرت کا یہ تھا۔ کہ بندگانِ مصطفےٰ امت محمدی میں ہم ذریت رسول ہیں یہ جوان شبیہ پیغمبر اسی سلسلۂ برگزیدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اسی سلسلہ سے ہے۔ جس کی صورت کو خاک میں ملایا جا رہا ہے ✦

جناب علی اکبرؑ نے لشکر کفار پر حملہ کیا۔ اور ایک سو بیس ناریوں کو فی النار کیا مگر پیاس کی شدت سے پدر بزرگوار کے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا "یَا اَبَتِ الْعَطَشُ قَدْ قَتَلَنِیْ وَثِقْلُ الْحَدِیْدِ اَجْھَدَنِیْ فَھَلْ اِلٰی شَرْبَۃٍ مِّنَ الْمَاءِ سَبِیْلٌ" اے پدر بزرگوار تشنگی نے مجھے

پھونک دیا۔ اور اسلحہ کی گرانی نے سخت تکلیف دے رکھی ہے۔ کیا ممکن ہے۔ کہ مجھے ایک گھونٹ پانی پلائیں؟ فرمایا۔ اے فرزند تمہارے جد رسول مختارؐ اور حیدر کرارؑ اور مجھ پر سخت گراں ہے کہ تو مدد چاہے اور وہ مدد نہ دے سکیں۔ اور زبان علی اکبرؑ دہن مبارک میں لیکر چوسی۔ اور انگشتر مبارک عطا کی اور فرمایا۔ واپس جاؤ تمہارے نانا تمہیں ایسا سیراب کرینگے۔ کہ پھر کبھی پیاس نہ لگیگی علی اکبرؑ پھر میدان کارزار میں تشریف لے گئے۔ بعد رجز خوانی کفار پر حملہ کیا۔ اور ساٹھ ملاعین کو واصل جہنم کیا۔ منقذ بن مرہ ملعون نے آگے آکر ایک ضرب شمشیر ایسی لگائی۔ کہ سر مبارک شگافتہ ہوگیا۔ گھوڑے کی گردن میں ہاتھ ڈال دئے۔ اور وہ لشکر میں لئے پھرتا تھا۔ اور دشمن چاروں طرف سے حملہ کرتے تھے۔ اور جب پشت زین سے زمین پر تشریف لائے۔ تو چاروں طرف تلوار لیکر ٹوٹ پڑے۔ "وَقَطَعُوهُ بِاَسْيَافِهِمْ اِرْبًا اِرْبًا" اور تلواروں سے جسم مبارک ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آواز دی "يَا اَبَتَاهُ هٰذَا جَدِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَدْ سَقَانِيْ بِكَاْسِهِ الْاَوْفٰى شَرْبَةً لَا اَظْمَاُ بَعْدَهَا" یہ میرے جد امجدؐ نے اپنا بھرا ہوا پیالہ مجھے پلا دیا۔ کہ پھر کبھی تشنہ نہ ہونگا۔ حضرت دوڑے آئے اور لاش علی اکبرؑ پر پہنچے۔ روتے تھے اور فرماتے تھے "يَا بُنَيَّ قَتَلَ اللّٰهُ قَوْمًا قَتَلُوْكَ مَا اَجْرَاَهُمْ عَلَى اللّٰهِ وَعَلَى انْتِهَاكِ حُرْمَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَعَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَاءُ" اے فرزند خدا انہیں قتل کرے جنہوں نے تجھے قتل کیا یہ لوگ معصیت خدا ہتک حرمت رسول اللہؐ پر کیسے جری و دلیر ہیں۔ اے فرزند تمہارے بعد دنیا پر خاک ہے۔ کاش اب میں زندہ نہ رہوں ✣

حمید ابن مسلم کہتا ہے۔ کہ ایک عورت خیمہ گاہ سے نکلی "كَاَنَّهَا شَمْسٌ طَالِعَةٌ" گویا کہ آفتاب عالمتاب نے مشرق سے طلوع کیا۔ وہ روتی تھی اور فریاد کرتی تھی "يَا اُخَيَّاهُ يَا ابْنَ اُخَيَّاهُ يَا حَبِيْبَاهُ يَا ثَمَرَةَ فُؤَادَاهُ يَا نُوْرَ عَيْنَاهُ" اے میرے پیارے۔ اے میرے پیارے بھتیجے۔ اے میرے دل کے چین۔ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اور آکر لاش علی اکبرؑ سے لپٹ کر رونے لگی۔ میں نے دریافت کیا۔ یہ بی بی کون ہے؟ کہا کہ "زَيْنَبُ بِنْتُ عَلِيٍّ" یہ زینبؑ دختر علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے۔ امام مظلومؑ نے جو یہ دیکھا۔ فرزند کی لاش سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور بہن کا ہاتھ پکڑ کر لے گئے۔ اور خیام میں پہنچا آئے۔ یہ گوارا نہ تھا کہ حسینؑ زندہ ہوں۔ اور فاطمہؑ کی بیٹی سر برہنہ میدان میں آئے۔ پھر جوانان ہاشمی لاش علی اکبرؑ کو اٹھا کر خیمہ شہدا میں لے گئے "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" ✣

غرض حسینؑ افضل الصابرین ہے۔ اور صبر حسینؑ افضل ترین صبر ہے۔ اور یہی صبر دلیل امامت و شناخت امام ہے۔ یہ صبر صبر محمدیؐ ہے۔ اور حسینؑ آئینہ رخسار نبویؐ "ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ" ✣

اِس صبر کے عوض میں حضرت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین چیزیں انعام میں پائیں "اَلشِّفَاءُ فِیْ تُرْبَتِہٖ وَاِجَابَۃُ الدُّعَاءِ تَحْتَ قُبَّتِہٖ وَالْاِمَامَۃُ فِیْ ذُرِّیَّتِہٖ" آپ کی خاک خاکِ شفا بنی۔ اور قبۂ حسینؑ محلِ اجابتِ دُعا۔ اور ذریت و اولادِ حسینؑ ائمۂ ہدیٰ +

حضرتؑ ہی کی اولاد سے تمام ائمہؑ ہیں تا حضرت خاتم الائمہؑ مہدی آخر الزمانؑ جو موجود ہے۔

آپؑ کے بعد آپؑ کے فرزند علیؑ ابن الحسینؑ جو سید الساجدینؑ و زین العابدینؑ کے نام سے معروف ہیں۔ امام خلق و جانشین رسولؐ قرار پائے۔ اور معیار شناخت و امامت ان میں بدرجہ اتم موجود۔ بلکہ سید الساجدینؑ و زین العابدین علیہ السلام کا صبر بعض اعتبارات سے امام حسینؑ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ ابھی بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ حضرت زینبؑ خاتون صدمہ علی اکبرؑ میں خیمہ گاہ سے باہر نکل آئی تھیں۔ امامؑ کو گوارا نہ ہوا کہ ان کے سامنے ان کی بہن میدان میں آئے۔ فوراً خیمہ گاہ میں پہنچا دیا۔ مگر تصوّر کیجئے صبر حضرت زین العابدینؑ کا۔ کہ انہوں نے کیا کیا دیکھا۔ مسند رسولؐ جلتی دیکھی۔ ذریت رسولؐ لُٹتی دیکھی۔ ماں بہن کے سروں سے چادریں چھنتی دیکھیں۔ چھوٹی بہن کے کان زخمی اور گوشوارے چھنتے دیکھے۔ ان بیبیوں کی پشتیں نوکِ نیزہ سے زخمی دیکھیں۔ طوق و زنجیر میں گرفتار ہو کر ماں بہنوں کے قافلے کے قافلہ سالار بنے۔ کربلا سے کوفہ کوفہ سے شام اور شام سے مدینہ گئے۔ بازاروں میں پھرائے گئے۔ دربار یزید میں ماں بہنوں کے ساتھ گئے۔ اور وہ کچھ دیکھا جو کسی نے نہ دیکھا تھا۔ چنانچہ جب آپ سے کوئی دریافت کرتا تھا کہ آپ پر سب سے زیادہ ظلم کہاں ہوا سب سے بڑی مصیبت کونسی ہے۔ تو فرماتے "اَلشَّام۔ اَلشَّام۔ اَلشَّام" مگر واہ رے صبر ذرا بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے۔ کوئی تاریخ شہادت نہیں دے سکتی۔ کہ علیؑ ابن الحسینؑ نے کسی موقع پر شکایت کی ہو۔ یا رفع تکلیف کی بھی دُعا فرمائی ہو۔ یہی صبر شناخت امامت ہے۔

اور ان کے علم کی بابت ان کا دشمن و دشمن خدا و رسولؐ یزید پلید خود اقرار کرتا ہے۔ چنانچہ جس وقت حضرتؑ نے بعد اجازت یزید پلید خطبہ مشہورہ پڑھا ہے "اَنَا ابْنُ مَکَّۃَ وَمِنیٰ اَنَا ابْنُ زَمْزَمَ وَصَفَا الخ" تو یزید نے حاضرین کے اعتراض پر کہ ان کو کیوں نہیں اجازت دیتا اور خطبہ کیوں نہیں پڑھنے دیتا۔ کہا "اِنَّھُمْ قَدْ زُقُّوا الْعِلْمَ زَقًّا" یعنی ان اہل بیت نبوت کی گھٹی میں علم داخل ہے۔ اور علم ساتھ لے کر آتے ہیں۔ ان کے بعد ان کے فرزند محمدؑ بن علیؑ الباقرؑ امام ہیں۔ وہ فرماتے ہیں "وَلَدَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاَنَا اَعْلَمُ عِلْمَ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ" جنا مجھ کو رسول خداؐ نے در انحالیکہ میں علم ماکان و مایکون روز قیامت تک گذشتہ و آئندہ کی باتوں کا عالم تھا۔ و علیٰ ہذا القیاس دیگر ائمہ علیہم السلام ان کے علوم کی طرف انشاء اللہ دوسری جلد میں اشارہ کیا جائیگا۔ چنانچہ جب علم مقام ظہور پر پہنچیگا۔

یعنی زمانۂ ظہور قائم آل محمدؐ ہوگا۔ تو تمام علوم و فنون درجۂ کمال پر پہنچ جائینگے۔ اور جس کے سر پر حضرتؑ ہاتھ پھیر دینگے عالم ہو جائیگا۔ "وَاشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا" زمین اپنے مربی کے نور سے چمک اٹھیگی۔ "هُمْ خُلَفَاءُ اللهِ فِي اَرْضِهِ وَحُجَجُ اللهِ عَلٰى عِبَادِهِ فِي بِلَادِهِ عَجَّلَ اللهُ فَرَجَهُمْ وَسَهَّلَ مَخْرَجَهُمْ" ✦

تتمہ

ثابت ہو چکا ہے۔ کہ دلیل صداقت دلیل ذاتی داخلی ہے نہ خارجی۔ دلیل خارجی سے کبھی حق ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اجماع و شوریٰ و غلبہ تمام دلائل خارجیہ ہیں۔ اور اسی طرح نص غیر خدا و منصوص من اللہ۔ جب یہ دلائل حقیقت و صداقت قرار دی گئیں۔ حق پوشیدہ ہو گیا اور حق و باطل میں تمیز اٹھ گئی۔ اور یزید جیسا فاسق فاجر و منکر نبوت خاتم النبیینؐ خلیفہ و جانشین و قائم مقام رسولؐ اور امام خلق کہلایا۔ کیونکہ اس میں یہ تمام دلیلیں جمع تھیں۔ اجماع بھی تھا شوریٰ بھی تھا۔ باپ کی نص بھی تھی اور غلبہ و سلطنت بھی تھی جب ان میں سے ایک دلیل مستقل دلیل صداقت و امامت و خلافت ہو سکتی ہے۔ تو چاروں تو بدرجہ اتم دلیل حقانیت ہونگی۔ اور اس لئے یزید پلید افضل خلفاء الراشدین خاتم النبیینؐ و اکمل ائمۂ دین ہو گا۔ حالانکہ وہ ضد و نقیض جناب محمد مصطفےٰ تھا۔ وہ جنابؐ اوّل المسلمین و المومنین تھے۔ اور وہ پلید اوّل الکافرین و المشرکین و افضل المنافقین و الملحدین۔ وہ اوّل العابدین یہ اکمل العاصین و الفاسقین و الفاجرین۔ وہ عین ایمان و حقیقت اسلام تھے۔ اور یہ ملعون منکر خدا و نبوت خیر الانامؐ جیسا کہ خود اس کے اشعار سے ظاہر ہے۔ ؎

لَعِبَتْ بَنُوْ هَاشِمٍ بِالْمُلْكِ فَلَا خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْيٌ نَزَلْ

(بنی ہاشم نے بادشاہت کا ایک کھیل بنایا ہوا تھا۔ نہ کوئی خبر آسمانی آئی تھی۔ اور نہ وحی نازل ہوئی تھی)۔ اور اس کے افعال و اعمال شنیعہ قبیحہ سئیہ و فاحشہ سے ثابت و واضح ہے۔ محرمات ابدیہ سے نکاح کی اجازت دے دی تھی۔ شراب خواری و زنا علے الاعلان ہوتا تھا۔ بعد قتل فرزند رسولؐ مدینہ نبویؐ اسی کے حکم سے تباہ کیا گیا۔ مسجد نبویؐ میں گھوڑے بندھے۔ تین دن تک نماز مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے سے محروم رہے۔ اور مسجد نبویؐ لید و پیشاب سے پُر۔ مہاجرین و انصار کی بیویاں و بیٹیاں لشکر پر مباح کر دی گئیں۔ تین سو باکرہ لڑکیوں کی عفت لی گئی۔ تقریباً ستر قریش اور ستر انصار اور بعض روایات کے مطابق سات سو مہاجرین و انصار قتل ہوئے۔ اور عام مقتولین کی تعداد چار ہزار سے دس ہزار تک ہے۔ بعد ازاں خانۂ کعبہ تباہ کیا گیا۔ بیت اللہ کو منجنیق لگا کر مسمار کیا۔ چنانچہ بعد موت یزید جب حصین بن نمیر نے جو یزید کے لشکر کا ایک افسر

تھا عبد اللہ ابن الزبیر کے پاس قاصد بھیجا۔ کہ ہمیں طواف خانہ کعبہ کی اجازت دو۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ کیا تم نے سوائے اینٹ پتھروں کے خانہ کعبہ سے کچھ باقی چھوڑا ہے۔ بے پردے و غلاف کعبہ بھی جلادیا گیا تھا۔ جیسا کہ اکثر تواریخ مثلاً تاریخ ابن قتیبہ وغیرہ میں مروی ہے۔ اردو خواں حضرات اس کا خلاصہ ضمیمہ سر الشہادتین" میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ افعال یزیدی جو اس کے کفر و شرک و نفاق و فسق و فجور پر دلیل بیّن ہیں۔ اور یہ دلائل وجودیہ اس کے اکفر الکافرین و الحد الملحدین و اوّل المنکرین ہونے پر دال ہیں۔ اور دلائل خارجیہ اس کو افضل خلفائے راشدین ثابت کرتی ہیں۔ جو ان دلائل کو دلائل اثبات حقیقت جانتا ہے۔ وہ کبھی خلافتؑ و امامت یزید کا انکار نہیں کر سکتا۔ اور اگر انکار کرے۔ تو اس کو خلافت سابقہ سے ضرور انکار کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہاں چاروں دلیلیں جمع ہیں۔ اور وہاں صرف ایک ایک۔ اور جو وقوع واقعہ کو دلیل حقیقت و فعلِ خدا اور رضا کا کام بتلاتا ہے۔ وہ ضرور ان فواحش و فسق و فجور یزیدی اور اس کے خلیفہ بن جانے کو بھی دلیل صداقت اور فعلِ خدا سمجھیگا۔ اور اہل بصیرت پر اس کی شناعت و قباحت و قاحت ظاہر و باہر ہے۔ سچ ہے۔ ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج — تا ثریّا میرود دیوار کج

اہل انصاف اور اہل دیانت کو اختیار ہے۔ کہ نمونۂ اوصافِ محمدیؐ و آئینۂ جمالِ احمدیؐ حسینؑ بن علیؑ جیسے کو امام اور خلیفۂ رسولؐ جانیں یا یزیدؔ جیسے فاسق و فاجر کو۔ "أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّن لَّا يَهِدِّي إِلَّا أَن يُهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ"۔ کیا وہ شخص مستحق اطاعت و اتباع ہے جو راہِ حق کی ہدایت کرتا ہے؟ یا وہ جو خود ہدایت یافتہ نہیں ہے۔ بلکہ محتاج ہدایت ہے (بلکہ ہدایت کرنے سے ہدایت نہیں پاتا۔ بلکہ ان ائمہ میں سے ہے۔ جو "يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ" ہیں) پس تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ کہ ایسا حکم کرتے ہو +

معیارِ خلافت وہی ہے جو ہم نے ثابت کیا ہے۔ اور دلیلِ صداقت وہ ہے۔ جو ہم نے لکھی ہے۔ "وَالْحَقُّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ" اور امام حسینؑ اسی واسطے شہید ہوئے۔ اور یہی اصل علّت شہادت ہے۔ کہ حق و باطل میں تمیز نہ رہی تھی۔ دلائل باطلہ دلائلِ حقّہ سمجھی جاتی تھیں۔ باطل کو حق کہا جاتا تھا۔ صدق و کذب میں تمیز مشکل بلکہ محال ہوگئی تھی۔ حسینؑ نے عملاً ثابت کر دیا۔ کہ یہ دلائل دلائل حقّہ نہیں ہیں۔ اور یہ مثبت حقیقت نہیں ہو سکتیں۔ دلائل حقّہ وہی ہیں جو دلائل علم و آثار وجودیہ ہیں۔ اور تمام اوصاف محمدیؐ کو ظاہر فرما کر دکھلا دیا۔ کہ وہ دلائل مجھ میں موجود ہیں۔ اور اوصاف محمدیؐ کا میں ہی آئینہ ہوں۔ اور خلیفۂ رسولؐ آئینۂ اوصافِ رسولؐ

ہے ٭

یزید جیسا شخص کبھی مستحق خلافت نہیں ہو سکتا۔ حسین ؑ نے حق و باطل۔ کفر و اسلام۔ نفاق و
دین میں قیامت تک کے واسطے ایک آہنی دیوار قائم کر دی۔ ایک معیار خلافت و امامت و صداقت و حقانیت
دنیا کے آگے نصب کر دیا جس کو کوئی قوت کوئی طاقت ہٹا نہیں سکتی۔ اگر حسین ؑ اس مظلومیت اور اس مصیبت
رسیدہ نہ ہوتے۔ حق باطل سے مشتبہ اور صدق کذب سے مخلوط رہتا۔ باطل حق اور حق باطل سمجھا جاتا۔ اسلام
اور اسلام مصنوعی میں تمیز نہ رہتی۔ بلکہ کفر یزید کو اسلام سمجھا جاتا۔ اور دینِ خدا دنیا سے نیست و نابود
۔ شجرۂ اسلام کو حسین ؑ نے اپنے اور اپنے عزیزوں کے خون سے سینچا۔ اور سوکھنے سے بچایا۔
یقیناً دنیا میں "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہنے والا نظر نہ آتا۔ اگر ہوتا۔ تو یزیدی
ہوتا جس کو کوئی عقل تسلیم نہ کرتی۔ ؎

شاہ است حسین ؑ بادشاہ است حسین ؑ
دین است حسین ؑ دین پناہ است حسین ؑ
سر داد و نداد دست۔ در دستِ یزید لعین
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین ؑ

اوصافِ حسینی ظاہر کر رہے ہیں۔ اور اہل انصاف و اہل عقل مانتے ہیں۔ کہ حسین علیہ
السلام نے کیا کام کیا ہے۔ اور جناب حسین علیہ السلام ملکِ دنیا کی خاطر نہ لڑے تھے۔ بلکہ
دین کو قائم کرنا مدِ نظر تھا۔ کوئی احمق و سفیہ بھی اپنے اختیار و ارادے سے اپنے شیر خوار
ملک کی خاطر قربان نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ حسین علیہ السلام جیسا عالم و عارف و سید شباب
فرزند رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ایسا کرے۔ چھ مہینے کے شیر خوار کی شہادت اور
علیہ السلام کی بے پردگی و سر برہنگی و اسیری ایسی آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن دلیلیں
کو کسی قسم کے شکوک و شبہات کا غبار گرد آلود نہیں کر سکتا۔ اور دامن عصمت حسینی پر
ہوتے دھبہ نہیں آ سکتا۔ دشمنانِ ذریتِ رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم خارجی و
کچھ کہا کریں۔ مگر حق پسند حق کو سمجھتے ہیں۔ اور حق کا اتباع کرتے ہیں "والسلام علی
ع الہدیٰ"۔ "وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون" ٭

نوٹ

الحمدللہ کہ اس کی توفیق وتائید سے ۱۶ ر شوال المکرم ۱۳۳۳ھ کو ۳۴ دن کے بعد یہ حصہ ختم ہوا۔ کیونکہ ۹ ر رمضان المبارک کو شروع کیا گیا تھا۔ جیسا کہ تمہید میں لکھا جا چکا ہے۔ آٹھ دن لکھنے کے بعد البرہان کی ترتیب اور دیگر اشغال ضروریہ کی وجہ سے ۱۱ ر شوال تک ایک حرف لکھنے کی فرصت نہ ملی۔ اور اس لحاظ سے اگرچہ اصلاً کل بارہ دن اس کی تحریر میں صرف ہوئے ہیں۔ لیکن چونکہ ۹ ر رمضان اور ۱۶ ر شوال کو بھی چند گھنٹے اس کو دینے پڑے۔ اس لئے تیرہ دن ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ تیرھواں دن نہ ہوتا۔ تو میں اس کا عرف "اثنا عشریہ" قرار دیتا۔ البتہ اس لحاظ سے کہ ائمہ اثنا عشر علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت وخلافت کا ذکر ہے۔ اب بھی "اثنا عشرہ" کہلا سکتا ہے +

اوّل مرتبہ جلدی اور نیز انجمن مذکور میں بالفعل اس سے بڑی کتاب چھاپنے کی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے جو بعض مضامین مجمل اور بعض جزئیات باقی رہ گئے تھے۔ اگرچہ معیار خلافت و اصل خلافت کو بخوبی ثابت کر دیا تھا۔ الحمدللہ کہ اب نظر ثانی میں ان کی تفصیل کر دی گئی ہے۔ اور حصۂ دوم میں ان کی تکمیل +

خدا احباب کو مطالعہ اور عمل کی توفیق دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ لَاسِیَّمَا عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ +

العاصی السید محمد سبطین السرسوی

کتب و رسائل موجودہ دفتر البرہان لاہور

الہ البرہان لاہور چند سال سے جاری ہے۔ اور بحمد اللہ خدمت دین کر رہا ہے یہی ایک رسالہ ہے جسکو اہل علم
ہ سے دیکھتے ہیں۔ اور جسمیں حقائق و معارف اسلام فضائل و مناقب اہل البیت علیہم السلام ایسی دلائل و براہین
ن کئے جاتے ہیں جنکے مقابل کوئی مخالف قلم نہیں اٹھا سکتا۔ اور لب نہیں ہلا سکتا اور خوبی یہ ہے کہ کسی کی
دلشکنی نہیں ہوتی سالانہ عام چندہ ہے ر اور خاص صہ ر ہے۔ ہر قمری مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے۔
نتہ سالوں کی کچھ جلدیں علم دوست احباب کیلئے موجود ہیں اور صرف چند نسخے اور رہ گئی ہیں کچھ عرصہ بعد یہ بھی
ر ایک ایک جلد دس دس روپے میں میسر نہ آئیگی۔ جو صاحب شوق رکھتے ہیں جلد طلب فرمائیں قیمت حسب ذیل ہے
ل مکمل قیمت عار جلد دوم ناقص قیمت عہ ر جلد سوم مکمل قیمت عاہر۔ جلد چہارم مکمل عاہر۔ جلد پنجم مکمل قیمت عاہر
قیمت عاہ +

ابی فی معرفۃ النبی و آل الاطہار۔ جو حقیقت و معیار نبوت روح قدس السب انبیاء حقیقت وحی والہام
بیاء۔ خواص مادہ نورانیہ۔ درجات نبوت حقیقت و تعریف امام امامت صغری و کبری تمیز امام حق و باطل۔
م نبی و امام حقیقت علم قرأت و کتابت۔ توجیہ امی و تفسیر امیین وغیرہ وغیرہ۔ مضامین عالیہ کی تحقیق پر مبنی ہے۔
ام حاصل کرنے کے لئے بہترین ذخیرہ ہے۔ قیمت صرف عار +

یعنی وحید عصر فرید دہر سرکار علامہ الشیخ عبد العلی ہروی الطہرانی مدظلہ العالی کے بر از دقائق و حقائق قرآن و حقائق
کا بہترین مجموعہ قیمت صرف عہ ر صرف تھوڑے سے نسخے باقی رہ گئے ہیں شائقین جلد طلب فرمائیں +

اردو ترجمہ الہیئۃ والاسلام۔ یہ کتاب اپنی وضع میں بالکل نئی ہے اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہیئت
جودہ کی تحقیقات کا مایہ ناز ہے۔ وہ پیغمبر خدا اور ان کے اصحاب و اوصیاء کرام اب سے تیرہ سو برس قبل نہایت
نیا فرما چکے ہیں جبکہ نہ علوم کی یہ ترقی تھی اور نہ آلات تحقیق ایجاد ہوئے تھے۔ یہ کتاب صداقت اسلام
ام کی صداقت کا زندہ معجزہ ہے قیمت عہ ر مجلد عہ ۱۲ ر +

بیاء۔ اردو ترجمہ تنزیہ الانبیاء یہ کتاب تخطیۃ الانبیاء کا جواب ہے جس کے مصنف نے
خاتم تک اکثر انبیاء پر الزام لگانے میں دریغ نہیں کیا۔ اس کتاب کے مصنف نے عصمت انبیاء پر
ئم کرکے ہر شبہ کا جواب خوبی سے دیا ہے قیمت عہ ر مجلد عہ +

ز اوصاف المعصومین۔ چہاردہ معصومین کی سچے اور صحیح فضائل و مناقب ایک نادر مجموعہ نظم۔
رنگین و سنہری ٹائٹل۔ قیمت ۸ ر مجلد ۱۲ ر +

اخلاق المعصومین۔ از حضرت خاتم النبیینؐ تا خاتم الوصیینؑ چہاردہ معصومینؑ کی مکارم اخلاق کا اعلیٰ نمونہ۔ قیمت ۴ر+

طریقۃ الصلوٰۃ جسمیں جملہ واجب اور بعض سنتی نمازوں کے طریق و احکام کو اسطرح بیان کیا ہے کہ معمولی لیاقت بھی آسانی سے سیکھ سکتا ہے۔ قیمت ۲ر+

الدرر الفرائد فی احسن العقائد۔ بچوں کی تعلیم کے لئے ایک اعتقادیہ رسالہ قیمت ۱۰ر+

صحیفہ رضویہ۔ مع اردو ترجمہ جو خلیفہ مامون رشید کی خواہش کے مطابق امام رضا علیہ السلام نے تحریر فرمایا جس میں جملہ اصول عقائد کو مختصر بیان فرمایا ہے۔ قیمت ۱۰ر+

توحید القرآن۔ مصنفہ جناب مولانا مولوی سید محمد ہارون صاحب بالقابہ قرآنی توحید کے بے بہا جواہرات کی اپنی وضع کی بالکل نئی اور پہلی کتاب تقطیع ۲۰×۲۶ حجم ۳۰۸ صفحہ قیمت ۱۲ر+

ترجمۃ الشہادتین یعنی جناب مولانا مولوی عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کی بینظیر تصنیف سر الشہادتین سلیس اردو ترجمہ مع اصل کتاب۔ مترجمہ جناب غلام الحسنین صاحب پانی پتی مع زیادتی فہرست ابواب۔ قابل دید رسالہ بطور سند ہر شخص کے پاس رہنا چاہیئے۔ قیمت ۱۳ر+

فرج عظیم۔ جناب چودہری جعفر حسین صاحب بی۔ اے مرحوم کا ذی بہا رسالہ جو اپنی طرز جدید اور خوش اسلوبی کے ساتھ مختصراً جمیع حالات کربلا کو شامل ہے اور مرحوم کی یادگار میں دفتر البرہان نے شائع کیا ہے۔ صرف تھوڑی جلدیں باقی رہ گئی ہیں۔ قیمت ۳ر+

نور العین فی جواز البکاء علی الحسینؑ مع **نور العین فی مجالس الحسینؑ** | جناب زبدۃ العارفین مولنا مولوی سید محسن علی شاہ صاحب کی بے نظیر تصنیف۔ قیمت ۵ر+

رسالہ تقلید یعنی جناب فخر المجتہدین حجۃ الاسلام سرکار آقا حاجی سید مصطفےٰ کاشانی النجفی کے مسائل تقلید کا اردو ترجمہ مسائل صوم و صلوٰۃ و ضروریات یومیہ کے معلوم کرنے کے لئے بہترین رسالہ ہے۔ قیمت ۴ر+

اہل البیت۔ تفسیر آیہ مبارکہ تطہیر اور اہل البیت علیہم السلام کی تحقیق میں لاجواب رسالہ قیمت ۴ر+

خلافت الٰہیہ۔ اس کتاب کا حصہ اول محرم الحرام سنہ ۱۳۳۴ ہجری میں شائع ہو کر مقبول عام ہوا اور اب تقریباً نایاب تھا۔ اب دوبارہ مع ترمیم و ازدیاد مضامین چھپکر تیار ہے شائقین جلد طلب فرمائیں۔ قیمت ۱۰ر+

نوٹ :۔ فہرست دیگر کتب علیحدہ مل سکتی ہے۔

المشتہر۔ مینجر البرہان بازار حکیماں کوچہ فقیر خانہ لاہور